زیرِ ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی صالح صاحب رفیق دارالافتاء، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ

کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن

فتاویٰ رحیمیہ

افادات

حضرت مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ

خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

زیر ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء، جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ

کمپیوٹر ایڈیشن

فتاویٰ رحیمیہ

(مکمل)

جلد ششم

کتاب الصلوٰۃ

افادات

حضرۃ مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ
خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
کمپوزنگ : مولانا مامون الحق صاحب
طباعت : ۲۰۰۳ء حسان پرنٹنگ پریس، کراچی۔
ضخامت : کل ۲۹۰۰ صفحات مکمل سیٹ

........ملنے کے پتے........

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
کشمیر بکڈ پو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیب روڈ لسبیلہ کراچی

فہرست مضامین فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم

متفرقات صلوٰۃ

مسائل تراویح

متفرقات صلوٰۃ

قنوت نازلہ کس کس نماز میں پڑھے:

(سوال ۱) قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھے یا مغرب وعشاء میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔نماز جمعہ میں پڑھے یا نہیں؟

(الجواب) امام طحاوی وغیرہ محققین علما قنوت نازلہ کو نماز فجر کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں۔شامی میں ہے۔ ان قنوت النازلة عندنا مختص بصلوة الفجر دون غيرها من الصلوة الجهرية او السرية یعنی ہمارے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر کے ساتھ خاص ہے اس کی سوا دوسری نماز میں نہیں۔سری نماز ہو یا جہری (ج ۱ ص ۶۲۸ باب مطلب فی قنوت النازلۃ) بعض علماء جہری نماز میں یعنی فجر ومغرب اور عشاء اور نماز جمعہ میں پڑھنے کے بھی قائل ہیں۔لہذا حسب حال پڑھ سکتے ہیں منع نہیں۔فقط۔

بوقت ولادت نماز کا فرض ہونا.

(سوال ۲) ایک مولوی صاحب نے تقریر میں مسئلہ بیان کیا کہ عورت کے بچہ پیدا ہو رہا ہے سر نکلا اور اذان کی آواز سنی تو اس پر نماز پڑھنا ضروری ہے گڑھا کھود کر سر اس میں رکھ کر نماز پڑھے کیا اس صورت میں نماز پڑھنی جائز ہے۔کیا مولوی صاحب کا بیان کردہ مسئلہ درست ہے؟

(الجواب) مولوی صاحب نے نماز کی اہمیت بتائی ہے وہ صحیح ہے اسلام میں نماز پڑھنے کا بڑا مرتبہ ہے۔بچہ سات برس کا ہو جائے تو نماز کی تاکید کا حکم ہے دس برس ہو جانے پر نماز نہ پڑھے تو مار کر پڑھانے کا حکم ہے اگر چہ وہ نابالغ ہوتا ہے اور نماز اس پر فرض نہیں ہوتی۔بالغ جس کے ہوش وحواس صحیح ہوں بیماری سے اس پر غشی چھائی ہوئی نہ ہو یا مجنون اور پاگل نہ ہو جن عورتوں کو حیض ونفاس نہ ہو ان کے لئے نماز معاف نہیں بلکہ مؤخر کرنے کی اور قضا کرنے کی بھی اجازت نہیں وضو نہ کر سکے تو تیمم کر کے نماز پڑھے، کھڑا نہ رہ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنے کی سکت نہ ہو تو لیٹ کر سر کے اشارے سے نماز ادا کرے نماز نہ چھوڑے۔اس حالت میں بھی معاف نہیں حتیٰ کہ جو شخص دریا میں تختہ پر پڑا ہو اور نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اعضاء وضو پانی میں داخل کرے اور نماز اشارہ سے پڑھے نماز نہ چھوڑے اسی طرح جس آدمی کے دونوں ہاتھ شل ہو جائیں اور وضو وتیمم نہ کر سکے تو جس طرح ممکن ہو اپنا منہ اور دونوں ہاتھ بہ نیت تیمم دیوار پر گھس کر نماز پڑھے اس کو مؤخر کرنے اور ترک کرنے کی اجازت نہیں۔(مجالس الابرار عربی ص ۳۰۲) اسی اہمیت کے سلسلہ میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے جو مولوی صاحب نے تقریر میں ارشاد فرمایا ہے اگر بچہ پیدا ہو رہا ہو اور سر باہر آ گیا ہو اور نماز کا وقت ختم ہو جانے کا خوف ہو تو ہو سکے تو وضو کرے ورنہ تیمم کر کے بچہ کو تحفظ کرتے ہوئے بیٹھ کر رکوع سجود نہ کر سکے تو اشارے سے نماز ادا کرے تاخیر کی اجازت نہیں ہے۔اگر نماز مؤخر کر دے گی تو گنہگار ہوگی۔ ولو لم تصل تكن عاصية لربها (اگر نماز نہ پڑھے گی تو اپنے رب کی نافرمان ہوگی۔طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۳۱ احکام النفاس) اب یہ بچہ کس طرح محفوظ رہے۔اس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ مثلاً پتیلی یا ہنڈیا رکھ لے یا کوئی

متفرقات صلوٰۃ

قنوت نازلہ کس کس نماز میں پڑھے:

(سوال ۱) قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھے یا مغرب وعشاء میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔نماز جمعہ میں پڑھے یا نہیں؟

(الجواب) امام طحاوی وغیرہ محققین علما قنوت نازلہ کو نماز فجر کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں۔شامی میں ہے۔ ان قنوت النازلة عندنا مختص بصلوة الفجر دون غیر ها من الصلوة الجهرية او السرية یعنی ہمارے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر کے ساتھ خاص ہے اس کی سوا دوسری نماز میں نہیں۔سری نماز ہو یا جہری (ج ا ص ۶۲۸ باب مطلب فی قنوت النازلۃ) بعض علماء جہری نماز میں یعنی فجر و مغرب اور عشاء اور نماز جمعہ میں پڑھنے کے بھی قائل ہیں۔لہذا حسب حال پڑھ سکتے ہیں منع نہیں۔فقط۔

بوقت ولادت نماز کا فرض ہونا.

(سوال ۲) ایک مولوی صاحب نے تقریر میں مسئلہ بیان کیا کہ عورت کے بچہ پیدا ہو رہا ہے سر نکلا اور اذان کی آواز سنی تو اس پر نماز پڑھنا ضروری ہے گڑھا کھود کر سر اس میں رکھ کر نماز پڑھے کیا اس صورت میں نماز پڑھنی جائز ہے۔کیا مولوی صاحب کا بیان کردہ مسئلہ درست ہے؟

(الجواب) مولوی صاحب نے نماز کی اہمیت بتائی ہے وہ صحیح ہے اسلام میں نماز پڑھنے کا بڑا مرتبہ ہے۔بچہ سات برس کا ہو جائے تو نماز کی تاکید کا حکم ہے دس برس ہو جانے پر نماز نہ پڑھے تو مار کر پڑھانے کا حکم ہے اگرچہ وہ نابالغ ہوتا ہے اور نماز اس پر فرض نہیں ہوتی۔بالغ جس کے ہوش وحواس صحیح ہوں بیماری سے اس پر غشی چھائی ہوئی نہ ہو یا مجنون اور پاگل نہ ہو جن عورتوں کو حیض ونفاس نہ ہو ان کے لئے نماز معاف نہیں بلکہ مؤخر کرنے کی اور قضا کرنے کی بھی اجازت نہیں وضو نہ کر سکے تو تیمم کر کے نماز پڑھے، کھڑا نہ رہ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنے کی سکت نہ ہو تو لیٹ کر سر کے اشارے سے نماز ادا کرے نماز نہ چھوڑے۔اس حالت میں بھی معاف نہیں حتیٰ کہ جو شخص دریا میں تختہ پر پڑا ہو اور نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اعضاء وضو پانی میں داخل کرے اور نماز اشارہ سے پڑھے نماز نہ چھوڑے اسی طرح جس آدمی کے دونوں ہاتھ شل ہو جائیں اور وضو و تیمم نہ کر سکے تو جس طرح ممکن ہو اپنا منہ اور دونوں ہاتھ بہ نیت تیمم دیوار پر گھس کر نماز پڑھے اس کو مؤخر کرنے اور ترک کرنے کی اجازت نہیں۔(مجالس الابرار عربی ص ۳۰۲) اسی اہمیت کے سلسلہ میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا جا سکتا ہے جو مولوی صاحب نے تقریر میں ارشاد فرمایا ہے اگر بچہ پیدا ہو رہا ہو اور سر باہر آ گیا ہو اور نماز کا وقت ختم ہو جانے کا خوف ہو تو ہو سکے تو وضو کرے ورنہ تیمم کر کے بچہ کو تحفظ کرتے ہوئے بیٹھ کر رکوع سجود نہ کر سکے تو اشارے سے نماز ادا کرے تاخیر کی اجازت نہیں ہے۔اگر نماز مؤخر کر دے گی تو گنہگار ہوگی۔ ولو لم تصل تکن عاصية لربها (اگر نماز نہ پڑھے گی تو اپنے رب کی نافرمان ہوگی۔طحطاوی علی الدر المختار ج ا ص ۱۳۱ احکام النفاس) اب یہ بچہ کس طرح محفوظ رہے۔اس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ مثلاً پتیلی یا ہنڈیا رکھ لے یا کوئی

گڑھا ہو تو بچہ کو اس طرف کردے وغیرہ کہ بچہ بھی محفوظ رہے اور نماز بھی پڑھ لے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز اور خطبہ کے لئے آلۂ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال:

(سوال ۳) ایک مسجد بہت بڑی اور مصلی بھی بہت ہوتے ہیں، یہاں تک کہ مسجد کا جماعت خانہ بھر جانے کے بعد باہر صحن پر ہو جانے کے باوجود نمازی بچ رہتے ہیں، ایسی مسجد کے لئے امام کی قرأت سننے کے واسطے لاؤڈ اسپیکر سے آواز پہنچانا کیسا ہے؟ اور نماز کے اعلان کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جاسکتا ہے؟

(الجواب) (الف) لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جو آواز دور کے مصلیوں تک پہنچتی ہے وہ امام کی اصلی آواز ہے یا (صدائے گنبد کے مانند) نقلی دوسری آواز ہے، اس میں سائنسدان مختلف ہیں، نقلی آواز ہے تو اس پر اقتدا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ صحت اقتداء کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جس کی آواز پر اقتداء کا مدار ہے وہ مکلف ہو، ورنہ جس نے اس آواز کی اقتداء کی ہے اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، اعلم ان الامام اذا کبر للافتتاح لا بد لصحة صلوته من قصده بالتکبیر الاحرام والا فلا صلوة له اذا قصد الاعلام فقط فان جمع بین الامرین فحسن وکذا المبلغ اذا قصد به التبلیغ فقط خالیا عن الاحرام فلا صلوة له ولا لمن یصلی بتبلیغه فی هذه الحالة لانه اقتدا بمن لم یدخل فی الصلوة (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۲۸ باب صفة الصلاة سن الصلاة)

(ب) اور اگر لاؤڈ اسپیکر کی آواز گنبد کی آواز کی طرح نقلی نہیں ہے، امام کی اصلی آواز ہے تو اس صورت میں بھی لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ یہ اس سادگی اور بے تکلفی کے خلاف ہے جو اسلامی عبادات کی خصوصیت ہے اور ظاہر ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں سراسر تکلف ہے، حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عبادتوں میں تشدد اور تکلف من جملہ اسباب تحریف دین ہے اور یہ وہی بیماری ہے جس میں یہود و نصاریٰ کے راہب مبتلا ہوئے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)(۱)

(ج) اس کے علاوہ بہت زیادہ قابل توجہ یہ ہے کہ خشوع نماز کی جان ہے لاؤڈ اسپیکر کا تماشا اس خشوع میں خلل انداز ہوتا ہے، نماز کی اسی روح کے پیش نظر زیادہ چیخ کر پڑھنے کو ناپسند فرمایا گیا ہے اور اعتدال کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ولا تجهر بصلوتک ولا تخافت بها وابتغ بین ذلک سبیلا (بنی اسرائیل) (اور اپنی جہری نمازوں میں نہ تو زیادہ زور سے پڑھو، نہ بالکل آہستہ، ان دونوں کے بیچ درمیانی راہ اختیار کرو) (بیان القرآن ج ۶ ص ۱۰۶) آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ درمیانی آواز سے پڑھنے میں دل پر اثر ہوتا ہے اور حد سے تجاوز کرنے میں حضور قلب میں خلل آتا ہے۔

(د) رات دن کا مشاہدہ ہے کہ بجلی خراب ہو جاتی ہے یا خود لاؤڈ اسپیکر میں خرابی آجاتی ہے تو انتشار پیدا ہو جاتا ہے خصوصاً پچھلی صف والوں کو امام کے رکوع سجدے کی خبر بھی نہیں ہوتی انتشار نماز کا خطرہ خود موجب کراہت ہے۔

(۱) ومنها التشدد وحقیقة اختیار عبادات شاقة لم یامربها الشارع کدوام للصیام والقیام والتبتل وترک التزوج وان یلتزم السنن والآداب کالتزام الواجبات وهو حدیث نهی النبی صلی الله علیه وسلم عبدالله بن عمرو عثمان بن مظعون عما قصدا من العبادات الشاقة وهو قوله صلی الله علیه وسلم لن یشاد الدین احدالا غلبه فاذا صارها المتعمق او المتشدد معلم قوم ورئیسهم ظنوا ان هذا داء رهبان الیهود والنصاری باب احکام الدین من التحریف ج ۱ ص ۳۲۹

(ہ) شریعت کی اصول ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کی بہ نسبت خرابی کو دور کرنا اور اس سے احتراز مقدم ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے وهی درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا لان اعتناء الشرع بالمنهیات اشد من اعتناءه بالمأمورات (ص ۱۱۴ حصه قواعد القاعدة الخامسة الضرر یزال) (یعنی) فائدہ حاصل کرنے کی بہ نسبت خرابیوں کا دور کرنا مقدم ہے پس جب مفسدہ اور مصلحت کا تعارض ہو تو عام طور پر مفسدہ کو مصلحت پر مقدم کیا جائے گا اور ترک کر دینے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ شرعیات میں مامورات کی بہ نسبت منہیات سے احتراز کا زیادہ اہتمام اور تاکید ہے۔

دیکھئے وضو اور غسل میں غرغرہ سنت ہے، مگر پانی گلے میں اتر جانے کے خوف سے روزہ دار کے لئے ممنوع ہے، اسی طرح داڑھی کے بالوں کا خلال سنت ہے مگر حالت احرام میں بال ٹوٹ جانے کے ڈر سے مکروہ ہے۔

الحاصل نماز میں امام کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں فائدہ کی بہ نسبت خرابی کا پلہ بھاری اور غالب ہے لہذا شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لئے کہ نماز کی صحت اور تکمیل امام کی قرأت سننے پر موقوف نہیں ہے اور تکبیرات انتقال سننے کی ضرورت جن پر اقتداء، اور رکوع وسجود کا مدار ہے وہ مکبرین کے انتظام سے پوری ہو جاتی ہے، رہا نماز میں دل لگنے کا مسئلہ تو کیا مغرب کی اخیری رکعت میں اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعتوں اور ظہر و عصر کی چاروں رکعتوں میں قرأت سنائی دیتی ہے؟ ارشاد خداوندی ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ جب قرآن شریف پڑھا جائے تو کان لگالو اور خاموش رہو۔ یعنی یہ حکم نہیں ہے کہ امام کی قرأت ضرور سنو بلکہ حکم یہ ہے کہ کان لگالو آواز آئے یا نہ آئے کان لگانے کا ثواب مل جائے گا۔ بہر حال عبادات خصوصاً نماز کی ادائیگی میں سلف صالحین کے طریقہ کی اتباع لازم ہے اور اسی میں دین و دنیا کی کامیابی اور مذکورہ بالا مفاسد سے نجات ہے۔

خطبہ میں بھی اس کا استعمال مناسب نہیں ہے، خطبہ کی شان کے خلاف ہے اور کبھی بگڑ جانے کی صورت میں حاضرین میں انتشار اور تشویش پیدا ہو جانے کا باعث ہو سکتا ہے، لہذا عدم استعمال ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قنوت نازلہ کے متعلق تفصیل:

(سوال ۴) قنوت نازلہ پڑھنے کے متعلق اختلاف نہیں ہے مگر نماز میں پڑھنے کو کہا جاتا ہے اس لئے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے، نماز میں خلل تو نہیں آئے گا؟ یہ بتلائیں کہ کن حالات میں پڑھی جائے؟ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے کس طرح نماز میں دعا مانگی ہے؟ بحوالہ کتب بتلائیں، وہ دعا کونسی کتاب میں ملے گی؟ اکیلا شخص پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا جماعت شرط ہے؟ عورتیں پڑھ سکتی ہیں یا مردوں کے لئے ہی یہ حکم ہے؟

(الجواب) جب قومی ملی یا اجتماعی طور پر کوئی مصیبت درپیش ہو۔ مثلاً دشمن چڑھ آیا ہو یا طاعون یا ہیضہ کی وبا پھیل جائے جس سے لوگ مضطرب اور پریشان ہوں تو قنوت نازلہ پڑھی جاسکتی ہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کردے۔

طریقہ:

نماز فجر کی دوسری رکعت کے آخر میں جب رکوع سے اٹھیں تو قومہ میں یہ دعا پڑھی جائے۔ ہاتھ باندھنا ضروری نہیں ہے ہاتھ چھوڑے بھی جاسکتے ہیں یہی طریقہ عام طور پر رائج ہے اس میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے

۔آواز میں خشوع ہو۔ قراءت کی آواز سے کم ہو۔ مقتدی موقع بموقع آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں اور دعاء کے الفاظ یاد ہوں تو آہستہ آہستہ ادا کرتے رہیں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسے مواقع پر قنوت نازلہ پڑھی ہے۔ فقہاء کرام نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ فقہ کی معتبر کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ لہٰذا بحث وانکار اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ (۱)

اس کی ابتداء بیر معونہ کے واقعہ کے بعد سے ہوئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ لوگوں کے اصرار پر ستر۷۰ صحابہ کرام کو نجد کی جانب تبلیغ اور تعلیم کے لئے بھیجا تھا۔ یہ منتخب حضرات تھے۔ قرآن پاک کے حافظ تھے اسی لئے ان کو قراء کہا جاتا تھا۔ اوقات شب میں تلاوت کیا کرتے تھے اور دن کو لکڑیاں چن کر بسر اوقات کرتے۔ راستہ میں کچھ قبائل نے بیر معونہ مقام پر گھیر لیا اور سب کو شہید کردیا۔ صرف ایک صحابی جو زخمی ہوکر لاشوں کے نیچے دب گئے تھے پھر ان کو ہوش آگیا۔ وہ بچ گئے تھے۔ انہوں نے آکر آنحضرت ﷺ کو اس حادثہ کی خبر دی۔ آنحضرت ﷺ کو اتنا صدمہ ہوا کہ اور کسی حادثہ پر اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا۔ وہ قبائل جو وحشیانہ جرم کے مرتکب ہوئے تھے ان کے لئے آپ ﷺ نے بددعا کی اور ایک مہینہ تک نماز صبح میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔ رعل، ذکوان، عصیہ۔ بنولحیان وہ قبائل ہیں جو اس جرم میں پیش پیش تھے (بخاری شریف ص ۵۸۶ کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وبیر معونۃ الخ) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ دعاء قنوت پڑھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھی تھی۔ عن انس ...... وذلک بدء القنوت وما کنا نقنت ایضاً.

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء پر جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو رکوع کے بعد یا رکوع سے پہلے مسلمانوں کے لئے دعا اور کفار کے حق میں بددعاء کیا کرتے تھے اور اس کو کبھی نہیں چھوڑا۔ یعنی جب کوئی سخت مصیبت پیش آئی تو قنوت نازلہ ضرور پڑھی۔ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاءہ اذا نابھم امر دعوا للمسلمین وعلی الکافرین بعد الرکوع اوقبلہ ولم یترکوہ بمعنی عدم القول عند النائبۃ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۴۵ اذکار الصلاۃ وھیئاتھا المندوب الیھا قنوت الصبح)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ "مسلیمہ کذاب سے جب جنگ ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نماز میں دعاء قنوت پڑھی، حضرت عمرؓ نے اہل کتاب سے مقابلہ کے وقت دعاء قنوت پڑھی حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی جنگ کے وقت دونوں نے دعائے قنوت پڑھی واما المروی عن الصحابۃ فنوعان احدھما قنوت عند النوازل کقنوت الصدیق رضی اللہ عنہ فی محاربۃ الصحابۃ لمسیلمۃ وعند محاربۃ اھل الکتاب وکذلک قنوت عمرو قنوت علی عند محاربتہ لمعاویۃ واھل الشام (زاد المعاد ج ۱ ص ۷۵ قبیل، فصل فی ھدیۃ صلی اللہ علیہ وسلم فی سجود السھو)

(۱) قولہ فقنت الامام فی الجہریۃ یوافقہ ما فی البحر والشرنبلالیۃ عن شرح النقایۃ عن الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلاۃ الجہر وھو قول الثوری واحمد وکذا مافی شرح الشیخ اسمٰعیل عن النہایۃ اذا وقعت نازلۃ قنت الامام فی الصلاۃ الجہریۃ لکن فی الاشباہ عن الغایۃ قنت فی صلاۃ الفجر ویؤیدہ ما فی شرح المنیۃ حیث قال لعدم کلام فتکون شرعیتہ شرعیۃ القنوت فی النوافل مستمر وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ بعد وفاتہ علیہ الصلاۃ والسلام وھو مذھبنا وعلیہ الجمہور — ھل القنوت ھنا قبل الرکوع ام بعدہ لم ارہ والذی یظھر لی ان المقتدی یتابع امامہ اذا جہر فیؤمن وانہ یقنت بعد الرکوع لا قبلہ. شامی باب الوتر والنوافل مطلب فی قنوت النازلۃ ج ۱ ص ۶۲۸

قنوت نازلہ کا حکم عام ہے مرد، عورت، امام، منفرد ہر ایک کو شامل ہے، جماعت کی قید اور مردوں کی تخصیص اور منفرد یا عورتوں کے لئے ممانعت کی صریح اور صحیح دلیل منقول نہیں ہے، قنت الامام اس کے لئے کامل دلیل نہیں ہے (حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کا بھی یہی نظریہ ہے) لہٰذا منفرد اور عورتیں اپنی نماز میں دعائے قنوت پڑھ سکتی ہیں، مگر عورتیں زور سے نہ پڑھیں۔

صبح کی نماز کے علاوہ دوسری جہری نمازوں (مغرب وعشاء) میں قنوت پڑھنے کے متعلق فقہائے احناف میں اختلاف ہے، لہٰذا پڑھنے یا نہ پڑھنے پر کسی کو مجبور کرنا اور جنگ وجدال مناسب نہیں ہے (اصح السیر) زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۶۰۔۲۵۹ باب القنوت) (طحطاوی علی الدر المختار باب الوتر والنوافل قنوت للنازلۃ ج ۱ ص ۴۴۴) (شامی ج ۱ ص ۶۲۸ ایضاً

دعائے قنوت ایک مقرر نہیں ہے، وقت اور موقعہ کے مطابق ادعیہ ماثورہ میں سے مناسب دعا پڑھ سکتے ہیں ۔ذیل کی دعا زیادہ مناسب ہے۔

اَللّٰھُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَانْجِزْ وَعْدَکَ وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّھِمْ اَللّٰھُمَّ اَھْلِکِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ وَیُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ وَیُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَاءَکَ اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ اَللّٰھُمَّ شَتِّتْ شَمْلَھُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَھُمْ وَخَرِّبْ بِلَادَھُمْ اَللّٰھُمَّ اَلْقِ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ اَللّٰھُمَّ خُذْھُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْ بِھِمْ بَاْسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّہٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ.

نوٹ:۔ کسی بڑے عالم کے پاس دعا پڑھ کر تصحیح کرلیں تا کہ زبر زیر کی غلطی نہ رہے۔ فقط۔

سودی رقم سے بنائے ہوئے گھر میں نماز ادا ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۵) یہاں انگلینڈ میں اکثر آدمیوں کے پاس ذاتی مکانات ہیں اور تقریباً ہر مکان سوسائٹی کے پاس سے سود پر رقم قرض لے کر خریدا ہے تو اب اس میں نماز ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

(الجواب) وہاں کے اصول کے مطابق سوسائٹی سے سود پر قرض لے کر بنائے ہوئے مکانوں میں نماز پڑھنے سے نماز ادا ہوجائے گی۔ شک وشبہ سے خالی جگہ ہو تو اولیٰ ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

آلہ مکبر الصوت میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر (برما میں) بعض مسجدوں میں نماز کے اندر آلہ مکبر الصوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات اس کی بھدی اور کریہہ آواز سے شور وغل ہوتا ہے اور نمازی حضرات کو تکلیف پہنچتی ہے۔ خشوع وخضوع میں خلل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق مدلل ومفصل فتویٰ کی ضرورت ہے

(۱) اگر جائز ذریعہ سے مکان مل جاتا ہو تو ایسی صورت میں نماز مذکورہ گھروں میں مکروہ ہوگی اگر جائز ذریعہ سے نہیں ملتا تو مکروہ نہ ہوگی۔ کذاوی باشیاء المحرمۃ عند عدم الشفاء فی اشیاء المبیحۃ.

کہ اس کو پمفلٹ کی صورت میں طبع کرا کے مساجد میں رکھا جائے! بینوا توجروا۔ مستفتی۔ یونس آبوٹ (از رنگون)

(الجواب) آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ امام کی آواز مقتدیوں کو پہنچائی جاتی ہے۔ وہ امام کی اصلی آواز ہے یا صدائے بازگشت کی طرح نقلی ہے اس میں ہنوز اختلاف ہے۔ جو علماء نقلی آواز فرماتے ہیں وہ نماز کے فساد کے قائل ہیں اور جن کے نزدیک نقلی نہیں ہے وہ فساد صلوٰۃ کا حکم تو نہیں لگاتے مگر اس آلہ پر نماز ادا کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ بلکہ ممنوع قرار دیتے ہیں اور یہی اصح اور احوط اور لائق عمل ہے۔ نماز افضل العبادات ہے۔ اس میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔ لہذا آلہ مکبر الصوت کا استعمال نماز کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ فتاوی شامی میں ہے۔ فی المبسوط السرخسی الاخذ بالاحتیاط فی العبادات واجب! یعنی کتاب مبسوط سرخسی میں ہے کہ عبادات کے بارے میں احتیاط کو اختیار کرنا واجب ہے۔ (ص ۱۰۶ ج ۲ باب صدقۃ الفطر) آج کل لوگوں کی بالخصوص نوجوانوں کی طبیعتیں فیشن پرست بن گئی ہے۔ عبادتوں میں لاؤڈ اسپیکر کی نمائش نہ ہو۔ تو انہیں لطف نہیں آتا۔ حقیقت فنا ہوجانے کی کچھ پرواہ نہیں خشوع اور خضوع نماز کی جان ہے لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے حضور قلب میں ضرور خلل آتا ہے۔ ایک یہ بھی خرابی ہے کہ حاجت سے بہت زیادہ جہر پایا جاتا ہے۔ حالانکہ قراءت اور تکبیر انتقالات کے جہر میں بھی اعتدال کا حکم ہے حاجت سے زائد کو فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم نے مکروہ لکھا ہے۔

(قوله بقدر حاجة الاعلام الخ) وان زاد كره (درمختار باب صفة الصلاة مطلب في التبليغ خلف الامام. طحطاوی ص ۳۲۸ ج ا و شامی ص ۴۴۳ ج ا) ويجهر الامام وجوباً بحسب الجماعة فان زاد عليه اساء ! درمختار مع الشامی ج ا ص ۴۹۷ فصل فی القرأة) اس کا عام رواج ہوگیا تو امام کی آواز پہنچ جانے پر بھی اس کا استعمال ہوتا رہے گا (عوام کا حدود میں رہنا عادۃً محال ہے) اور اس صورت کا ناجائز اور بدعت مکروہ ہونا ظاہر ہے۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ امام کی تکبیروں کی آواز مقتدیوں تک پہنچ رہی ہو تو مکبرین کا تقرر یعنی تکبیر کہنے کے لئے لوگوں کو کھڑا کردینا مکروہ اور بدعت ہے۔ چاروں اماموں کا یہی مسلک ہے۔ "ردالمحتار" میں ہے۔ واعلم ان التبليغ عند عدم الحاجة اليه بان بلغهم صوت الامام مكروه وفي السيرة الحلبية اتفق الائمة الاربعة على ان التبليغ حينئذ بدعة منكرة اى مكروهة (شامی ص ۴۴۴ ج ا باب صفة الصلاة مطلب في التبليغ خلف الامام) لہذا ائمہ مساجد کو لازم ہے کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے قطعی احتراز کریں۔ واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر السید عبدالرحیم اولاجپوری غفرلہ اللہ ولوالدیہ (راندیر سورت) احقر کی یہ تحقیق ہندوپاک کے بے مثال وممتاز ترین مفتیان کرام کی تحقیق کے مطابق ہے۔ میری تنہا تحقیق نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) فقیہ امت مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ کا فتویٰ!

"لاؤڈ اسپیکر کا خطبہ جمعہ وعیدین میں استعمال کرنا جائز ہے۔ مگر امام کی قرأت کو بلند کرنے کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔" (رسالہ لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ ص ۴)

(۲) حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب مدظلہ

سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

"جہاں تک احتیاط کا تقاضا ہے پرانے طریقے پر نماز پڑھی، پڑھائی جائے۔ اور لاؤڈ اسپیکر کا نماز میں استعمال نہ کیا جائے۔ اختلاف بھی ہے۔ ایک جماعت لاؤڈ اسپیکر پر پڑھی ہوئی نماز کو نادرست کہتی ہے۔ اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت کو اس طریقے سے ادا کیا جائے کہ ہر مکتب خیال کے علمائے کے نزدیک نماز صحیح اور درست ہوجائے اور وہ پرانے طریقے پر، کہ جب مجمع زیادہ ہو تو مکبرین کے ذریعہ تکبیرات امام مقتدیوں کو پہنچائی جائیں۔" (۲۳ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ۔

(۳) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ

مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ

"یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض علماء اس نماز کو فاسد کہتے ہیں اور بعض درست کہتے ہیں۔ احوط یہی ہے کہ اس کو نماز میں ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔" (۴ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ۔)

(۴) حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی صاحب مدظلہ دامت برکاتہم

صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

"لاؤڈ اسپیکر کو نماز میں استعمال نہ کیا جائے۔ امام کو چاہئے کہ اس کو روک دے۔" (ماہنامہ "نظام" کانپوری ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ۔

(۵) حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ

(الجواب) کچھ علماء تو لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو جائز ہی نہیں کہتے۔ ان کی تحقیق کے بموجب ان مقتدیوں کی نماز ہی نہیں ہوتی جو صرف لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع کریں اور امام کی اصلی آواز ان کو نہ پہنچے۔ اور جو حضرات جائز قرار دیتے ہیں وہ بھی اس کو پسندیدہ اور بہتر نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایجاد جدید ہے۔ سلف صالح کی سنت سے ناآشنا ضروریات اور لوازم سے خارج ہے، آداب نماز کے لحاظ سے قطعاً زائد بلکہ بعض آداب مثلاً خشوع وخضوع کے منافی۔ لہذا اس کا استعمال نہ کرنا بہتر ہے۔ (روزنامہ الجمعیۃ ۷ نومبر ۱۹۷۱ء۔

(۶) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب مدظلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور کا فتوی

اس آلہ کا استعمال نماز میں جائز نہیں۔ اور چونکہ علماء کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ اس آلہ پر نماز صحیح ہوجاتی ہے (فاسد نہیں ہوتی) مگر ابھی تک یہ مسئلہ اتفاقی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں قطعی طور پر نماز کے فساد کا حکم تو نہیں دیا جائے گا۔ مگر نماز اہم عبادات سے ہے اور اس میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔ ملک العلماء "بدائع" میں لکھتے ہیں۔ "ان الصلوة اذا ترددت بین الجواز والفساد کان الحکم بالفساد اولیٰ وان کان للجواز وجوہ وللفساد وجہ واحد لان الوجوب کان ثابتا بالیقین فلا یسقط بالشک. اس لئے حتی الوسع اس پر نماز ادا نہ کی جائے (۵ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ۔)

(۷) (۱) الجواب صحیح (حضرت مولانا مفتی) مظفر حسین صاحب مدظلہ

(مفتی مظاہر علوم سہارنپور)

(۲) الجواب صحیح مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب

مفتی مظاہر علوم سہارنپور (۷ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ)

(۸) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان کا فتویٰ

"نماز میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال پر احقر کی اخیری رائے یہ ہے کہ اس کے مفاسد اس کی مصلحت سے بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے نماز میں اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اور ترک ومنع ہی کا فتویٰ دینا چاہئے۔" (آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام) واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے متعلق سہارن پور کا ایک تازہ فتویٰ:

(سوال ۷) کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان عظام وعلمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:۔ ہمارے یہاں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بہت عام ہوتا جارہا ہے حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی مساجد میں بھی اس کے استعمال کا رواج ہورہا ہے اب دریافت طلب چند امور ہیں۔

(۱) بڑی مساجد میں نمازیوں کی کثرت اور ہجوم کے وقت اس آلہ کے استعمال کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

(۲) آخری صفوں کے مقتدیوں کا امام کی آواز سننا شرعاً ضروری ہے یا مستحب ہے یا اولیٰ ہے کہ امام کی قرائت کی آواز ان تک پہنچے؟

(۳) اگر نمازیوں کو جماعت کی نماز میں قرأت کی آواز سنے بغیر دلجمعی حاصل نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں اس آلہ کے استعمال کی شرعاً ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً:۔ (۱) نماز میں اس آلہ کے استعمال کرنے میں متعدد مفاسد ہیں، جن کی بناء پر اس آلہ کا استعمال

نمازیوں میں درست ومناسب نہیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے، سادہ اور مسنون طریقہ کے موافق بڑی جماعتوں میں مکبرین کے ذریعہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز کو آخری صفوں تک پہنچایا جائے۔ یہ طریقہ مفاسد سے پاک ہے۔ البتہ مکبرین کا انتظام عمدہ طریقہ پر کیا جائے (مفاسد کی تفصیل رسالہ۔) "آلات جدیدہ کے شرعی احکام" میں ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) آخری صفوں کے نمازیوں کو امام کی قرأت کا پہنچانا نہ ضروری ہے۔ نہ امام کے ذمہ لازم ہے بلکہ امام کو اپنی متوسط طاقت کے مطابق آواز بلند کرنے کا حکم ہے۔ طاقت سے زیادہ جہر کرنے والے امام کو اسائت کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔

(۳) ایسی صورت میں بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ فقط

(کتبہ حضرت مولانا مفتی) یحییٰ غفرلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ۔ الجواب صحیح (حضرت مولانا مفتی) مظفر حسین ۲۴-۹/۹۲ھ۔ (فتویٰ نمبر ۱۱۴۶)

حضرت مفتی صاحب دامت فیوضہم کا جواب صحیح اور قواعد اصول کے عین مطابق اور ضروری العمل ہے نماز افضل عبادات ہے سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق بلاتکلف وبلاتصنع ادا کرنا چاہئے۔ علیکم بمذهب السلف الصالح امشوا فی الجادة المستقیمة، لا تشبیه ولا تعطیل، بل اتباعاً لسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم، من غیر تکلف، ولا تطبع ولا تشدد ولا تمشدق، ولا تمعقل یسعکم من کان قبلکم یعنی لازم پکڑو سلف صالحین کی مذہب کو، چلو راہ مستقیم پر جس میں نہ تشبیہ ہو نہ تعطیل بلکہ اتباع ہو جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کا بلا تکلف، بلا تصنع بلا تشدد اور لسانی اور عقل کے گھوڑے دوڑائے بغیر جس قدر تمہارے اگلوں نے گنجائش سمجھی تم بھی سمجھو۔ (الفتح الربانی مع ترجمہ۔ ص ۶۰) لہذا اس کے ادا کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کتاب مبسوط سرخسی میں ہے "الاخذ بالاحتیاط فی العبادات واجب یعنی عبادات میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا اور تکلفات سے بچانا لازم ہے۔ لہذا نماز کو لاؤڈ اسپیکر کے بے جا تکلفات سے محفوظ رکھنا ضروری ہے کہ حضور قلب اور توجہ کے لئے مخل ہے۔ نماز کی صحت یا تکمیل امام کی قرأت سننے پر موقوف نہیں ہے۔ ایسا ہوتا تو ظہر اور عصر کی چاروں رکعتوں میں قرأت سری نہ ہوتی جہری ہوتی۔ نیز عشاء اور مغرب کی پچھلی رکعتوں میں قرأت سری نہ ہوتی، البتہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز سننا ضروری ہے تو اس کے لئے بڑی جماعت میں جب کہ امام کی آواز پچھلی صفوں کو نہ پہنچتی ہو۔ تو شریعت نے مکبرین قائم کرنے کی خاص ہدایت کی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قنوت نازلہ کب پڑھی جائے؟

(سوال ۸) مسلمانوں کی اسرائیل کے ساتھ بہت شدید جنگ چل رہی ہے مسلمانوں کے حالات ناسازگار معلوم ہوتے ہیں تو کیا ہمیں فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنے کی اجازت ہے؟ یہاں اطراف کے بعض دیہات والوں نے قنوت نازلہ پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ دریافت کرنا یہ ہے کہ اس کے شرائط اس وقت پائے جارہے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ حالت کا تقاضا یہ ہے کہ فجر میں قنوت نازلہ پڑھی جائے، دوسری جہری نمازوں میں بھی پڑھنے کی اجازت ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال:

(سوال ۹) نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کا کیا حکم؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگرچہ نماز درست ہو جاتی ہے مگر اس کا استعمال نماز کے مناسب نہیں ہے اور خلاف احتیاط ہے لہذا خالی از کراہت نہیں۔ فی مبسوط السرخسی بالا خذا بالا حتیاط فی باب العبادات واجب۔ یعنی مبسوط سرخسی میں ہے کہ باب عبادات میں احتیاط کو اختیار کرنا واجب ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۸۴ باب صدقۃ الفطر)

اور اگر امام کی تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالات کی آواز آخری صف والوں کو پہنچ جاتی ہے تو اس صورت میں جس طرح مکبر کا تعین بالاتفاق ممنوع و بدعت ہے اسی طرح لاؤڈ اسپیکر رکھنا بھی ناجائز اور بدعت مکروہ ہوگا۔

واعلم ان التبلیغ عند عدم الحاجۃ الیہ بان بلغھم صوت الامام مکروہ وفی الذخیرۃ وفی السیرۃ الحلبیۃ اتفق الائمۃ الاربعۃ علی ان التبلیغ حینئذ بدعۃ منکرۃ ای مکروھۃ (شامی ج ۱ ص ۴۴۴ صفۃ الصلاۃ مطلب فی تبلیغ خلف الامام) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۹ شوال ۱۳۹۸ھ۔

نمازی سے آگے گذرنے والے کے لئے کیا وعید ہے؟:

(سوال ۱۰) مسجد میں سنت ونوافل پڑھنے والوں کے آگے سے لوگ گذرتے ہیں باوجود منع کرنے کے نہیں رکتے تو شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز کا احترام ضروری ہے نمازی اپنے مولیٰ سے گفتگو کرتا ہے اور دنیوی ماحول میں باہم گفتگو کرنے والوں کے درمیان سے گذرنا برا ہے۔ تو خدا پاک اور نمازی کے درمیان سے گذرنا کس قدر برا ہوگا۔ اس سے نمازی کے خشوع خضوع میں خلل آتا ہے لہذا اس کے آگے سے گذرنے والے کو حدیث میں شیطان کہا ہے۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقطع الصلوٰۃ شئی وادرء وا ما استطعتم فانما ھو شیطان. رواہ ابو داؤد، مشکوٰۃ ص ۷۴ وعن ابی جھم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو یعلم المار بین یدی المصلی ما ذا علیہ لکان ان یقف خیراً لہ من ان یمر بین یدیہ قال ابو النضر لا ادری قال اربعین یوماً او شھراً او سنۃً متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۷۴) وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو یعلم احدکم ما لہ فی ان یمر بین یدی اخیہ معترضاً فی الصلوٰۃ کان لان یقیم مأتہ عام خیر لہ من الخطوۃ التی خطا رواہ ابن ماجۃ (مشکوٰۃ ص ۷۴ باب السترۃ) کہ نمازی کے آگے سے گذرنے والا اگر جان لے کہ اس کا وبال کس قدر سخت اور سنگین ہے تو برسوں کھڑا رہے گا۔ مگر آگے سے گذرنے کی ہمت نہ کرے گا۔ نمازی کو بھی چاہئے کہ ایسی جگہ نماز نہ پڑھے یا اپنے

(۱) فان وقعت فتنۃ او بلیۃ فلا بأس بہ فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شامی باب الوتر والنوافل مطلب فی القنوت للنازلۃ ج ۱ ص ۶۲۸

آگے سترہ رکھ لے۔ سترہ کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ یا دو بالشت اور موٹائی ایک انگل کے برابر ہو (شامی ج ۱ ص ۵۹۵)(۱) بعض جگہ لوگ صحن میں سنت پڑھتے ہیں اور اس کے برآمدہ میں سے لوگ گذرتے ہیں اور برآمدہ صحن سے کچھ اونچا ہوتا ہے اس کو سترہ خیال کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ لہذا نمازی کے آگے برآمدہ میں سے گذرنے والا بھی گنہگار ہوتا ہے۔ حرم شریف میں نمازیوں کے آگے سے لوگ گذرتے ہیں اس پر یہاں کی مسجدوں کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

(سوال ۱۱) نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ اس کے ذریعہ جو آواز مصلی تک پہنچتی ہے وہ امام کی اصلی آواز ہے، نقلی نہیں ہے یہ تحقیق ہو چکی ہے، تو اب میرے خیال میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، دارالعلوم دیوبند کے نائب مفتی مولانا جمیل الرحمٰن صاحب کا لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح ہونے کا تازہ فتویٰ، جس پر حضرت شیخ الاسلامؒ کے دستخط بھی ہیں، ''الجمعیۃ'' شیخ الاسلام نمبر ۶۰۵ کالم دو ۲ پر شائع ہوا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ''لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا درست ہے اور دور و نزدیک کی صفوں کو اس آواز پر اقتدا کرنا صحیح ہے۔''

(الجواب) جس وقت اہل سائنس کی تحقیق اور تجربہ یہ تھا کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ امام کی جو آواز دور کے مقتدی کو پہنچتی ہے، وہ اصلی آواز نہیں نقلی ہوتی ہے۔ اس وقت علماء نے لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء کی عدم صحت اور فساد صلوٰۃ کا فتویٰ دیا تھا، اب جب سے سائنسدانوں کی رائے بدل گئی کہ نقلی نہیں اصلی آواز ہے اس وقت سے علماء کا فتویٰ بھی بدل گیا ہے، لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء صحیح ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی، مگر صحت اقتداء اور عدم فساد صلوٰۃ کا مسئلہ حل ہو جانے سے دوسری وجوہات ممانعت وکراہت دور نہیں ہو سکتیں وہ تو اپنی جگہ پر قائم ہیں، لہذا علی الاطلاق اور عام طور پر اجازت کا فتویٰ اور استعمال کا مشورہ نہیں دیا جا سکتا محض اتنی گنجائش نکلی کہ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھی ہوئی نماز صحیح ہے، فاسد اور واجب الاعادہ نہیں کراہت کی چند وجہ یہ ہیں:۔ (۱) نماز کے اندر لاؤڈ اسپیکر بگڑ جاتا ہے تو لامحالہ دور کی صفوں کی نماز میں خلفشار اور پراگندگی پیدا ہو جاتی ہے اور فقہ کا مسلمہ اصول ہے درء المفاسد اولیٰ من جلب المنافع (یعنی) فائدے حاصل کرنے کی نسبت خرابیوں کو دور کرنا اور ان سے احتراز کرنا مقدم اور ضروری ہے جب فائدے کیساتھ خرابی بھی ہو تو خرابی سے بچنے کے لئے مامور بہ فعل (مثلاً نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال) سے باز رہنا ضروری ہے، دیکھئے وضو اور غسل میں غرغرہ کرنا اور ناک کے اندر آخیر تک پانی پہنچانا مسنون ہے مگر حلق میں پانی اتر جانے کے خوف اور دماغ پر پانی چڑھ جانے کے احتمال کی وجہ سے روزہ دار کے لئے ممنوع اور مکروہ ہے، نیز بالوں کا خلال کرنا مسنون ہے مگر بال کے ٹوٹ جانے کے خوف سے حالت احرام میں بالوں کا خلال منع اور مکروہ ہے (الاشباہ والنظائر ص ۱۱۴-۱۱۵ القاعدۃ الخامسۃ الضرر یزال)

(۲) لاؤڈ اسپیکر میں قراءت اور تکبیروں کی آواز ضرورت سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے اور اعتدال اور کنٹرول میں نہیں رہتی، حالانکہ قراءت و رکوع و سجود کی تکبیرات میں آواز میں اعتدال کا حکم ہے، حد سے زیادہ آواز نکالنا

(۱) ویغرز ندبا بدائع الامام وکذا المنفرد فی الصحراء ونحوھا سترۃ بقدر ذراع طولا وغلظ اصبع لتبدو للناظر بقربہ قبیل مکروھات الصلاۃ ص ۵۹۶

مکروہ ہے (درمختار طحطاوی ص ۳۲۸ ج ۱) (قولہ بقدر حاجتہ للاعلام الخ) وان زاد کرہ (شامی ج ۱ ص ۴۴۳ باب صفۃ الصلاۃ مطلب فی التبلیغ خلف الامام) ویجھر الامام وجوباً بحسب الجماعۃ فان زاد علیہ اساء (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۴۹۷ فصل فی القرأۃ)

(۳) لاؤڈ اسپیکر کی حد سے زیادہ بلند آواز کے سبب سے خشوع وخضوع اور حضور قلب میں (جو نماز کی روح ہے) خلل پڑتا ہے۔ آیت کریمہ ولاتجھر بصلوتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلک سبیلاً (بنی اسرائیل) (اور اپنی نماز میں نہ تو بہت زور سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ سے، دونوں کے درمیان ایک درمیانی راہ اختیار کرلو) کی تفسیر میں مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ درمیانی آواز سے پڑھنے سے دل پر اثر ہوتا ہے اور حد سے زیادہ میں حضور قلب میں خلل آتا ہے۔

(۴) لاؤڈ اسپیکر کا استعمال سراسر تکلف ہے، حالانکہ عبادات میں خصوصاً نماز میں سادگی اختیار کرنے اور تکلف سے احتراز کرنے کا خاص اہتمام ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ''عبادات میں تشدد اور تکلفات برتنا دین کی تحریفات کے وجوہ میں سے ہے اور یہ یہود ونصاریٰ کے راہبوں کی بیماری ہے (حجۃ اللہ البالغہ باب احکام الدین من التحریف) (یہ حوالہ، نماز اور خطبہ کے لئے آلہ مکبر الصوت کا استعمال، عنوان کے تحت گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے ص ۱۲۱۔ مرتب)

(۵) لاؤڈ اسپیکر کا رواج عام ہوجانے سے امام کی آواز کافی ہونے کے باوجود اس کا استعمال ہوگا (عوام کا حدود میں رہنا عادۃً ناممکن ہے) اس کا ناجائز اور بدعت کبیرہ ہونا ظاہر ہے۔ فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ امام کی آواز مصلیوں تک پہنچ جاتی ہو تو مکبروں کا انتظام کرنا چاروں اماموں کے نزدیک مکروہ اور بدعت ہے۔ واعلم ان التبلیغ عند عدم الحاجۃ الیہ بان بلغھم صوت الامام مکروہ وفی السیرۃ الحلبیۃ اتفق الائمۃ الاربعۃ علی ان التبلیغ حینئذ بدعۃ منکرۃ ای مکروھۃ (شامی ج ۱ ص ۴۴۴ باب صفۃ الصلوۃ مطلب فی التبلیغ خلف الامام) اسی طرح اور بھی خرابیاں ہیں۔

یہ فتویٰ پیغام جلد اول شمارہ پانچ اگست ۱۹۵۳ء میں شائع ہوچکا تھا، اس کے دو ماہ بعد اکتوبر ۱۹۵۳ء میں کراچی (پاکستان) سے ''آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام'' نامی رسالہ شائع ہوا، جس میں پاکستان کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہٗ نے بڑی تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے، الحمد للہ ثم الحمد للہ حضرت مفتی صاحب کے فتوے سے بھی احقر کے فتویٰ کی تائید ہوتی ہے، اس فتوے میں اہل سائنس کی تحقیق معتبر مان کر یعنی لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی اصلی آواز تسلیم کرکے اقتداء کے صحیح ہونے اور نماز کے درست ہوجانے کا فیصلہ دیا ہے، ساتھ ہی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں کیا کیا قباحتیں ہیں وہ گنوا کر فرمایا ہے کہ:۔ ان مفاسد کثیرہ اور ایک فائدے کا مقابلہ کرکے دیکھیں تو کوئی سمجھدار انسان اس کے نماز میں استعمال کو مستحسن نہیں کہہ سکتا، کسی چیز کے مقاصد سے قطع نظر کرکے اس کے سطحی فائدے کو دیکھنا اور اس کے پیچھے پڑجانا کسی دانشمند کا کام نہیں ہوسکتا'' (ص ۶۹) اور فرماتے ہیں کہ ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ قواعد واصول شرعیہ وعقلیہ کا مقتضی اس معاملے میں یہ معلوم ہوتا ہے (واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم) کہ آلہ مکبر الصوت کا استعمال نمازوں میں درست اور مناسب نہیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ سادہ طریقہ

مسنون کے ساتھ بڑی جماعتوں میں مکبرین کے ذریعہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز آخری صفوں تک پہنچائی جائے یہی جامع خیرات وبرکات اور مفاسد سے پاک طریقہ ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے (ص ۷۰)

حضرت مفتی شفیع صاحب نے مزید ایک خرابی یہ بتلائی کہ جہاں قریب قریب مسجدیں ہوں گی تو ایک مسجد کے امام کی آواز دوسری مسجد کے امام کی آواز سے ٹکرائے گی اور نماز میں خلل آئے گا جیسا کہ یہاں کراچی میں ہورہا ہے (ص ۱۸)

''مذکورہ رسالہ پر اکابرین علمائے دیوبند وغیرہ کے تصدیقی نوٹ اور دستخط حسب ذیل ہیں:۔

''موجودہ حالات وواقعات اور علمائے عصر کے اقوال ومباحث نیز سائنسدانوں کی آراء وتحقیقات کی روشنی میں یہ ایک معتدل اور متوسط فیصلہ ہے کہ نمازوں میں اس آلہ کے استعمال سے (ان مفاسد کی بنا پر جن کو اس تحریر میں نہایت وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے) احتراز کیا جائے کہ اس کا استعمال کراہت سے خالی نہیں ہے۔'' حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب مدظلہ، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، حضرت مولانا سید مبارک علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ وغیرہ وغیرہ۔

اکابرین مظاہر علوم سہارنپور کے تصدیقی نوٹ اور دستخط

اگر اس فن (سائنس) کے اکثر قابل اعتماد ماہرین کی رائے ہے کہ یہ عین آواز ہے تو نماز اس پر ہوجائے گی مگر اس کا استعمال نماز میں ان عوارض کی وجہ سے جن کو آپ نے مفصل بیان فرمایا ہے ناجائز ہی رہے گا۔'' حضرت مولانا سعید احمد صاحب صدر مفتیؒ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب مدظلہ، حضرت مولانا اسد اللہ صاحب۔

خیر المدارس اور قاسم العلوم ملتان کے دس علماء کا تصدیقی نوٹ۔

''حضرت مفتی اعظم مولانا شفیع صاحب مدظلہٗ نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کے متعلق جو رائے قائم فرمائی ہے وہ بالکل صحیح اور مسئلے کے اعتدال کے موافق ہے یعنی نماز میں اس آلہ کے استعمال کو بوجہ مفاسد عدیدہ منع کا فتویٰ دیا ہے اور یہ مفاسد ایسے ہیں جن کی واقعیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔''

الحاصل اکثر علماء کا نظریہ یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء درست اور نماز صحیح ہوجاتی ہے۔ اعادہ (دہرانے) کی ضرورت نہیں ہے، مگر اس کے استعمال میں بہت سے مفاسد ہیں، نفع کی بہ نسبت نقصان کا پہلو غالب ہے، قرآن مجید کی آیت ''اثمھما اکبر من نفعھما'' کے ایماء کا مصداق ہے، لہٰذا اسلف صالحین کی سادہ اور بابرکت طریقہ کو چھوڑ کر نماز جیسی عبادت میں ایسے مخدوش طریقہ کو اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا جاسکتا، خطبہ میں بھی اس کا استعمال خطبہ کی شایان شان نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نقش ونگار والے مصلیٰ پر نماز پڑھنا:

(سوال ۱۲) ایک مصلیٰ (جائے نماز) ایسا ہے کہ اس پر مسجد نبوی وکعبۃ اللہ وغیرہ کا نقش ہوتا ہے اگر ایسے مصلی کے

ان نقوش پر پیر پڑ جائے تو شرع میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کعبہ وغیرہ کا مصلی پر جو نقشہ ہوتا ہے چونکہ وہ اصل نہیں ہے بلکہ اس جیسا ایک مصنوعی نقشہ ہے لہذا اس کا احترام ضروری نہیں۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت ہوتی ہے اہانت کا خیال بھی نہیں ہوتا اس لئے اگر نادانستہ اتفاقاً پیر پڑ جائے تو گناہ نہ ہوگا اور بہتر تو یہ ہے کہ ایسے مصلی (جائے نماز) پر نماز نہ پڑھی جائے کہ خشوع و خضوع میں خلل ہوگا اور نماز کی روح خشوع و خضوع ہے بغیر اس کے نماز بے جان ہے، نمازی کے سامنے نقش و نگار کا ہونا نمازی کی توجہ اور خیال کو اپنی طرف متوجہ کرے گا کھینچتا رہے گا، آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر خوبصورت پردہ دیکھ کر فرمایا اس کو ہٹالو اس کے بیل بوٹے میری نماز میں عارض ہو کر خلل انداز ہوتے ہیں (صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۵۴)(۱) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھول دار چادر بھی اپنے لئے پسند نہیں فرمائی اور فرمایا کہ یہ چادر مجھے نماز میں غافل کرتی ہیں (صحیح مسلم شریف ا ص ۲۰۸)(۲) اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ محراب مسجد اور قبلہ کی دیوار کے نقش و نگار کی کراہت اس لئے ہے کہ یہ چیزیں نمازیوں کے خیالات اور توجہات کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے پھول دار چادر کو اتار دینے پر یہی علت بیان فرمائی تھی کہ اس کے نقش و نگار نے میری توجہ نماز سے ہٹادی (نووی شرح مسلم)(۳) (فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۱۷۲)(۴) فقط واللہ اعلم بالصواب ۷ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ۔

عشاء کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول رہنا:

(سوال ۱۳) مسجد میں مجلس جما کر رات کے بارہ بارہ بجے تک دنیوی باتیں کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں دنیوی باتیں کرنا حرام ہے، مسجد کے باہر بھی اتنی دیر تک دنیوی غیر ضروری باتوں میں مشغول رہنا برا ہے اس لئے کہ عشاء کے بعد جلدی سونے کا حکم ہے، حدیث میں عشاء کے بعد بے کار دنیوی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے، لہذا عشاء کے بعد اتنی رات تک دنیوی باتیں کرنا مکروہ ہے اور اکثر ایسے لوگوں کی صبح کی جماعت فوت ہو جاتی ہے بلکہ بعض کی تو نماز بھی قضا ہو جاتی ہے اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے، شامی میں ہے ویکرہ النوم قبلها والحديث بعدها لنهى النبى صلى الله عليه وسلم عنهما الا حديثاً فى خير لقوله صلى الله عليه وسلم لا سمر بعد الصلوة يعنى العشاء الاخيرة الخ ...... وانما كره الحديث بعدها لانه ربما يؤدى الى اللغو والى تفويت الصبح اوقيام الليل لمن له عادة به واذا كان لحاجة مهمة فلا بأس. یعنی عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول رہنا مکروہ ہے البتہ خیر اور دین کی بات مکروہ نہیں حضور ﷺ کے اس فرمان کی بناء پر "لا سمر بعد الصلوة" عشاء کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔

---

(۱) عن انس كان قرام لعائشة سترت به جانب بيتها فقال النبى صلى الله عليه وسلم اميطى عنه قرامك هذا فانه لا تزال تصاويره تعرض فى صلاتى كتاب الصلاة، باب ان صلى فى ثوب مصلب او تصاوير الخ)

(۲) عن عائشة ان النبى صلى الله عليه وسلم كانت له خميصة لها علم فكان يتشاغل بها فى الصلوة فاعطاها ابا جهم واخذ كساء له انبجانيا باب كراهية الصلاة فى ثوب له اعلام)

(۳) وكراهية تزويق محراب المسجد وحائطه ونقشه وغيره ذلك من الشاغلات لأن النبى صلى الله عليه وسلم جعل العلة فى ازالة الخميصة هذا المعنى ايضا)

(۴) بعد ترتیب کے مطابق احکام مسجد میں محراب میں تصویر، قتاب بنانا، عنوان کے تحت دیکھیں۔ ص۲۷۲ ج ۹ مصحح

اور یہ اس بنا پر مکروہ ہے کہ بسا اوقات اس کی وجہ سے لغو اور بیکار باتوں میں مشغولی ہو جاتی ہے اور کبھی صبح کی نماز یا تہجد گذار کی تہجد فوت ہو جاتی ہے، البتہ ضروری بات ہو تو حرج نہیں (شامی ج ا ص ۳۴۱) کتاب الصلوٰۃ تحت قول وتاخیر عشاء الی ثلث اللیل)

ابوداؤد شریف میں حدیث ہے۔ عن ابى برزة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن النوم قبلها (اى قبل صلوة العشاء لما فيه من خوف فوت الجماعة فى العشاء) والحديث بعدها (لانه يؤدى الى الاكثار فيؤدى الى تفويت قيام الليل بل صلوة الصبح ايضاً) (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۳۱۸ باب فى السمر بعد العشاء)

خدارا وقت کی قدر کیجئے اور زندگی کو غنیمت سمجھئے جو مانند برف کے پگھل رہی ہے۔ بزرگوں کی زریں نصیحت ہے

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہ ماند

یعنی: نیکی کے کاموں میں لگے رہو اور عمر عزیز کو غنیمت سمجھو اس سے قبل کہ یہ اعلان ہو کہ فلاں چل بسا (گلستاں) شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئی لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

یعنی:۔ اللہ کے ذکر کے علاوہ دوسرے کاموں میں مشغول رہنا زندگی برباد کرنا ہے عشق الٰہی کے سوا جو کچھ پڑھا جائے بیکار ہے، اے سعدی! تو دل کی تختی کو غیر اللہ کے نقش سے صاف کردے جس علم سے اللہ تک رسائی نہ ہو وہ علم نہیں جہالت ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دعاء قنوت نازلہ میں اضافہ کرنا:

(سوال ۱۴) ہمارے یہاں امام صاحب موجودہ حالات کے اعتبار سے نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے ہیں، جس کا ایک جز اس طرح پڑھتے ہیں۔

اللهم اهلك الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ويقاتلون اولياءك، اللهم انا نجعلك فى نحورهم ونعوذبك من شرورهم اللهم اجعل كيدهم فى تضليل، اللهم من يرد الاسلام خيراً وبالمسلمين خيراً فوفقه كل خير واجعلنا منهم اللهم من يرد الاسلام شراً وبالمسلمين شراً فاهلكه كما اهلكت عاداً وثمود ولا تجعلنا معهم، اللهم خذهم اخذ عزيز مقتدر، اللهم الق فى قلوبهم الرعب ، اللهم لا تسلط علينا بذنوبنا من لا يخافك ولا

یرحمنا، اللھم خالف بین کلمتھم وزلزل اقدامھم وانزل بھم بأسک الذی لا تردہ عن القوم المجرمین. مطلب یہ کہ عام مروجہ دعاء سے کچھ زائد جملے پڑھتے ہیں تو یہ زائد دعائیہ جملے پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احد کم للناس فلیخفف فان فیھم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احد کم لنفسہ فلیطول ماشاء متفق علیہ. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی امامت کرے تو مختصر اور ہلکی نماز پڑھائے کہ جماعت میں بیمار ضعیف اور بڑی عمر کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی لمبی نماز پڑھنا چاہے پڑھے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۱ باب الامامۃ) لہٰذا اصل حکم تخفیف کا ہے اور یہ طوالت تخفیف کے خلاف ہے، اس لئے اس کی عادت نہ بنائی جائے اگر کسی وقت موقع کی مناسبت سے پڑھ لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قنوت نازلہ:

(سوال ۱۵) حالات حاضرہ میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) جی ہاں موجودہ حالات میں قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں مگر امام صاحب پر جبر مناسب نہیں، امام صاحب خود اس کی ضرورت محسوس فرما کر پڑھیں، شدید مصیبت و پریشانی کے وقت قنوت نازلہ کا پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے، لیکن معمولی حادثہ کے وقت پڑھنا اور مدت مدیدہ تک جاری رکھنا مناسب نہیں، یہ طریقہ قنوت نازلہ کی اہمیت اور لوگوں کے قلوب سے اس کی عظمت ختم کرنے کے مترادف ہے۔

فی شرح المنیۃ حیث قال بعد کلام فتکون شرعیتہ ای شرعیۃ القنوت فی النوازل مستمرۃ وھو محمل قنوت من قنت من الصحابۃ بعد وفاتہ علیہ الصلوۃ والسلام (شامی ج۲ ص ۱۱ باب الوتر والنوافل مطلب فی القنوت للنازلۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

قنوت نازلہ کے متعلق تفصیل:

(سوال ۱۶) آج ملت اسلامیہ کی سینکڑوں سالہ عزت اور اسلام کی عظمت کو دشمنان اسلام (یہود و نصاریٰ) پامال کرنے کی انتھک اور جان توڑ سعی کر رہے ہیں ایسے نازک حالات میں قنوت نازلہ پڑھنے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے اور موجودہ حالات میں کون سی دعا کا ورد چاہئے تحریر فرماویں۔

(الجواب) بے شک موجودہ حالات میں تاوقتیکہ بیت المقدس کی جنگ جاری رہے قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے، امام کو جو بھی قنوت نازلہ یاد ہو وہ پڑھیں، حسب ذیل دعاء پڑھنا بھی اچھا ہے۔

اللھم انصر الاسلام والمسلمین وانزل وعدک وکان حقاً علینا نصر المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبھم واصلح ذات بینھم وانصرھم علیٰ عدوھم، اللھم اھلک کفرۃ الذین یصدون عن سبیلک ویکذبون رسلک ویقاتلون اولیاءک

اللھم خالف بین کلمتھم وزلزل اقدامھم وشتت شملھم وفرق جمعھم وانزل بھم بأسک الذی لا تردہ عن القوم المجرمین O

اسی طرح جب سخت آندھی ہو یا زلزلہ آوے، بجلی گرے، ستارے ٹوٹیں، سخت برف باری ہو اور ایسی دیگر آفات کے وقت نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کا حکم ہے۔

اذا فرغوا من الصلوۃ دعوا اللہ وتضرعوا الیٰ ان تجلی الشمس وفی خسوف القمر لا یصلون جماعۃ بل فرادیٰ فرادیٰ کذا اذا اشتدت الاھوال والافزاع کالریح والبرق اذا اشتدت والسماء اذا ادامت مطرا او ثلجا او احمرت والنھار اذا اظلم وسائر المخلوقات وکذا عم المرض. (فتاویٰ سراجیۃ، ص ۲۱، وص ۲۲)

ایسے ہی کوئی سخت مصیبت اور ناگاہ آفت آپڑے جنگ کی ہلاکت خیزی سر پر منڈلا رہی ہو، قومی فساد کا اندیشہ ہو، طاعون پھیل رہا ہو، کالیرا کا زور ہو تو ایسی پریشانی سے بچنے کے لئے اور ان آفتوں کے ختم ہونے تک فجر کی دوسری رکعت میں بعد رکوع حالت قومہ میں ہاتھ باندھ کر یا بلا ہاتھ باندھے (ازروئے دلیل ہاتھ باندھنا ہی اولیٰ ہے) امام ومقتدی آہستہ آہستہ قنوت نازلہ پڑھیں، اگر مقتدی کو دعا یاد نہ ہو تو امام ذرا جہراً پڑھے اور مقتدی آہستہ آمین کہیں۔

والذی یظھر لی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذا جھر فیؤمن وانہ یقنت بعد الرکوع لا قبلہ (شامی ج ۱ ص ۶۲۸ باب الوتر والنوافل مطلب فی القنوت للنازلۃ)

قنوت نازلہ یہ ہے۔ اللھم اھدنا فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت وبارک لنا فیما اعطیت وقنا شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضیٰ علیک وانہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا وتعالیت، نستغفرک ونتوب الیک وصلی اللہ علی النبی الامی والہ واصحابہ وسلم (مشکوٰۃ شریف باب الوتر ص ۱۱۲)(نور الایضاح ایضاً ج ۹۴)

ترجمہ:- اے اللہ! ان لوگوں کے ساتھ ہمیں ہدایت دے، جنہیں تو نے ہدایت بخشی اور ہمیں ان لوگوں کے ساتھ مصیبتوں اور آفتوں سے بچا جنہیں تو نے بچایا ہے اور ان لوگوں کے ساتھ ہمیں محبت عطا فرما جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں، بے شک تو حاکم ہے محکوم نہیں اور جس سے تو محبت کرے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزت نہیں پا سکتا، اے اللہ تیری ذات بزرگ و برتر ہے، ہم مغفرت کی درخواست کرتے ہیں اور ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور رحمت وسلامتی نازل فرما نبی ﷺ پر اور آپ کی آل واصحاب پر۔

بے شک مصائب وآفات کے ازالہ کے لئے قنوت نازلہ پڑھنے اور دعا کرنے کا یہ خاص وقت ہے لیکن صرف دعا کرنا کافی نہیں بلکہ جن معاصی کے پاداش میں یہ مصائب آتے ہیں ان معاصی سے توبہ کرنا اور ان کو ترک کرنا لابدی اور ضروری ہے، قنوت نازلہ کب پڑھیں؟ اور کب تک پڑھیں اس کی تعیین اہل علم کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم

یرجعون یعنی پھیل پڑی ہے خرابی جنگل اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے چکھانا چاہئے ان کو کچھ مزہ ان کے کام کا تاکہ وہ پھر آئیں (سورۂ روم رکوع ۵ پارہ ۲۱)

لہذا معاصی میں انہماک کے ساتھ رسمی طور پر قنوت نازلہ پڑھ لینا بے معنی ہے، جیسے کنویں میں چوہے کے گرنے سے کنواں ناپاک ہوجاوے تو پہلے چوہا نکالنے کے بعد بیس سے تیس ڈول پانی نکال لینے سے کنواں پاک ہوجاتا ہے، چوہا نکالے بغیر بیس سے تیس ڈول پانی نکالنے کے باوجود کنواں پاک نہ ہوگا۔

بالکل اسی طرح سب سے پہلے گناہوں سے توبہ کرکے پھر آفات کے ازلہ کے لئے قنوت نازلہ پڑھی جائے تب ہی مقصود حاصل ہوگا، گناہوں سے سچی اور پکی توبہ کئے بغیر گناہوں میں ملوث رہنے کے ساتھ قنوت نازلہ پڑھنے کا کیا مطلب؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز استخارہ:

(سوال ۱۷) شادی اور دیگر اہم امور کے لئے استخارہ کیا جاتا ہے اس کا طریقہ اور دعا تحریر فرمائیں۔

(الجواب) جن امور کے لئے استخارہ مستحب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ رات کو سوتے وقت استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے، سلام کے بعد خوب دل لگا کر حسب ذیل دعا پڑھے۔

اللهم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک واسئلک من فضلک العظیم، فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب، اللهم ان کنت تعلم ان هذاالا مر خیر لی فی دینی و معاشی وعاقبة امری فاقدره لی ویسره لی ثم بارک لی فیه وان کنت تعلم ان هذا الا مر شر لی فی دینی ومعاشی وعاقبة امری فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی به.

اس کے بعد پاک وصاف بچھونے پر قبلہ کی طرف منہ کرکے باوضو سوجاوے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بہشتی زیور دوسرا حصہ استخارہ کا بیان ص ۳۳، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اذان وخطبہ میں مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال

(سوال ۱۸) ہمارے یہاں ایک فیاض شخص نے مسجد کے لئے مائک دیا ہے جس کا استعمال پنجگانہ اذان اور خطبۂ جمعہ میں ہوتا ہے، اذان میں تو اس کا استعمال بجا ہے کیونکہ (بلا مائک) اذان کی آواز گاؤں کے لئے ناکافی ہے لیکن خطبہ کی آواز تو حاضرین کو پہنچ جاتی ہے، ایسی صورت میں مائک کا استعمال کیسا ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب اذان کی آواز سارے گاؤں میں نہیں پہنچتی ہے تو بلا تردد مائک کا استعمال جائز ہے (افضل تو یہی ہے کہ بلند آواز مؤذن کا تقرر ہوسکتا ہو تو مائک استعمال نہ کرے) اور خطبہ میں خطیب کی آواز حاضرین تک نہ پہنچتی ہو تو علماء کرام نے طوعاً وکرہاً (چاروناچار) مائک کے استعمال کی اجازت دی ہے، لیکن خطیب کی آواز حاضرین تک پہنچنے کی صورت میں خطبہ میں مائک کا استعمال ایک لغو فعل ہے، در باب عبادات لغو فعل جائز نہیں۔

کتب فقہ میں تصریح ہے کہ امام کی تکبیرات انتقالات کی آواز مقتدیوں تک پہنچنے کی صورت میں مکبرین

(تکبیر کہنے والوں) کا تقرر ائمہ اربعہ کے نزدیک مکروہ اور بدعت ہے وفی حاشیة ابی السعود واعلم ان التبلیغ عند عدم الحاجة الیه بان بلغهم صوت الامام مکروه وفی السیرة الحلبیة اتفق الا ئمة الا ربعة علی ان التبلیغ حینئذ بدعة منکرة ای مکروهة (شامی ج ۱ ص ۴۴۴ باب صفة الصلوة، تحت مطلب فی التبلیغ خلف الامام.

لہذا صورت مسئولہ میں جب خطبہ کی آواز پہنچ جاتی ہے تو مائک کا استعمال شرعاً ممنوع ہے، خطبہ بھی ایک طرح کی عبادت ہے اس عبادت کی عظمت کا لحاظ فرما کر تمام مصلی باتفاق رائے خطبہ میں مائک کا استعمال نہ ہونے دیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بڑے اجتماعات میں مکبر مقرر کرنے کے باوجود آخری صفوں میں انتشار رہتا ہے تو ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟

(سوال ۱۹) نماز میں آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے استعمال کے متعلق آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۹ ج ۶ نیز ص ۲۰ ج ۶ وغیرہ مقامات میں جو جوابات ہیں وہ ماشاء اللہ بہت مدلل اور قابل عمل ہیں، لیکن حضرت ایک بات عرض ہے کبھی تبلیغی اجتماع میں مجمع بہت بڑا ہوتا ہے مکبرین مقرر کرنے کے باوجود پیچھے کی صفوں میں انتشار رہتا ہے، گاہے بہت سے لوگوں کی نمازیں بھی خراب ہوجاتی ہیں، ایسی ضرورت کے موقعہ پر اگر نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جائے تو گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز جیسی اہم عبادت تو وہی سلف صالحین کے سادہ اور بابرکت طریقہ کے مطابق ادا کی جائے، مذکورہ صورت میں امام کے بجائے امام کے قریب رہنے والا مکبر آلہ مکبر الصوت کا استعمال کرے تو اس کی گنجائش ہے اور یہ طریقہ اختیار کرنے سے جو تکلیف اور شکایت ہے وہ دور ہوجائے گی اور تکلفات سے بچیں اور اس طرح استعمال کریں کہ جگہ نہ رکے، آج کل چھوٹا سا مائک بھی ملتا ہے جو گریبان یا گلے میں ڈال لیا جاتا ہے وہ استعمال کریں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز استخارہ کی اہمیت، اس کی دعا اور طریقہ:

(سوال ۲۰) نماز استخارہ کا کیا طریقہ ہے؟ کیا استخارہ حدیث سے ثابت ہے؟ استخارہ کتنے دنوں تک کرنا چاہئے؟ اور استخارہ میں دل کا میلان کافی ہے یا خواب میں کچھ دیکھنا ضروری ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) جی ہاں جب کسی کام کا ارادہ ہو تو استخارہ کرنا حدیث سے ثابت ہے، اور حدیث میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے، بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ میاں سے صلاح لیوے، اس صلاح لینے کو استخارہ کہتے ہیں، حدیث میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صلاح نہ لینا اور استخارہ نہ کرنا بدبختی اور کم نصیبی کی بات ہے، کہیں منگنی کرے یا بیاہ کرے یا سفر کرے یا کوئی اور کام کرے تو بے استخارہ نہ کرے تو انشاء اللہ کبھی اپنے کئے پر پشیمان نہ ہوگی (بہشتی زیور ص ۳۷، دوسرا حصہ، استخارہ کی نماز کا بیان)

حدیث میں ہے:

عن جابر بن عبدالله قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة في الامور كلها كما يعلمنا السورة من القرآن يقول اذا هم احدكم بالامر فليركع ركعتين من غير الفريضة ثم ليقل اللهم انى استخيرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسئلك من فضلك العظيم فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب اللهم ان كنت تعلم ان هذا الامر خير لى فى دينى ومعيشتى (ومعاشى) وعاقبة امرى فاقدره لى ويسره لى ثم بارك لى فيه وان كنت تعلم ان هذا الامر شر لى فى دينى ومعاشى وعاقبة امرى فاصرفه عنى واصرفنى عنه واقدر لى الخير حيث كان ثم ارضنى به. (ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۳ باب ماجاء فی صلوٰۃ الاستخارۃ)

ترجمہ:- حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح ہمیں قرآن کی سورت سکھاتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز، فرض نماز کے علاوہ پڑھے، پھر یہ دعاء پڑھے، اللھم انی...... اے اللہ میں آپ سے خیر چاہتا ہوں بوجہ آپ کے علم کے اور آپ سے قدرت طلب کرتا ہوں بوجہ آپ کی قدرت کے اور مانگتا ہوں میں آپ کے بڑے فضل میں سے کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں ہوں اور آپ عالم ہیں میں عالم نہیں ہوں، اے اللہ اگر آپ کے علم میں ہو کہ یہ کام (جس کام کے لئے استخارہ کر رہا ہوں اس کا دھیان کرے) میرے لئے بہتر ہے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو اس کو میرے لئے تجویز کر دیجئے اور اس کو میرے لئے آسان کر دیجئے پھر برکت دیجئے اس میں میرے لئے، اور اگر آپ کے علم میں ہو کہ یہ کام میرے لئے برا ہے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو اس کو مجھ سے ہٹا دیجئے اور مجھ کو اس سے ہٹا دیجئے اور مجھے بھلائی (خیر) نصیب کر دیجئے جہاں کہیں بھی ہو پھر مجھ کو اس پر راضی رکھئے۔

(شامی ج ۱ ص ۶۴۲ مطلب فی رکعتی الاستخارہ باب الوتر والنوافل) (بہشتی زیور ص ۳۷ دوسرا حصہ۔)

اگر ایک دن میں کچھ معلوم نہ ہو اور شرح صدر نہ ہو تو دوسرے دن پھر یہی عمل کرے اس طرح سات دن تک کرے، انشاء اللہ اس کام کی اچھائی یا برائی معلوم ہو جائے گی، خواب دیکھنا ضروری نہیں ہے، اصل چیز دل کا میلان ہے، اگر چہ گاہے خواب کے ذریعہ بھی رہنمائی ہو جاتی ہے، اگر کسی وجہ سے نماز پڑھنا متعذر ہو تو صرف مذکورہ دعاء پڑھ بھی اکتفاء کیا جاسکتا ہے، مناسب یہ ہے کہ نماز استخارہ میں پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں یہ زیادہ کرے وربک یخلق مایشآء و یختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالیٰ عما یشرکون وربک یعلم ما تکن صدورھم وما یعلنون. (سورۂ قصص کی ساتویں رکوع کی آٹھویں اور نویں آیت پارہ نمبر ۲۰) اور دوسری رکعت میں یہ زیادہ کرے وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ ...... الخ (پارہ نمبر ۲۲ سورہ احزاب آیت نمبر ۳۶)

شامی میں ہے: وفی الحلیۃ ویستحب افتتاح ھذا الدعاء وختمہ بالحمدلۃ والصلوٰۃ وفی

ذكار انه يقرء فى الركعة الاولىٰ الكافرون وفى الثانية الاخلاص اه وعن بعض السلف انه يزيد فى الاولىٰ وربك يخلق مايشاء ويختار الىٰ قوله يعلنون وفى الثانية وما كان لمؤمن ولا مؤمنة الاية وينبغى ان يكررها سبعاً لماروى ابن السنى يا انس اذا هممت بامر فاستخر ربك فيه سبع مرات ثم انظر الى الذى سبق الى قلبك فان الخير فيه ولو تعذرت عليه الصلوٰة استخار بالدعاء اه ملخصاً وفى شرح الشرعة المسموع من المشائخ انه ينبغى ان ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قرائة الدعا المذكور فان رأى فى منامه بياضاً او خضرةً فذلك الامر خير وان رأى فيه سواداً او حمرةً فهو شر ينبغى ان يجتنب اه (شامی ص ۶۴۲ وص ۶۴۳ ج ۱ مطلب فی رکعتی الاستخارۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

انتظار نماز کی فضیلت وثواب حاصل ہونے کے لئے باوضو ہونا شرط ہے:

(سوال ۲۱) حدیث میں ہے لا یزال احدکم فی صلوٰۃ ما انتظر الصلوٰۃ یعنی جب تک تم میں سے کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں رہتا ہے، تو کیا اس کے لئے باوضو ہونا شرط ہے یا یہ فضیلت بلا وضو انتظار کرنے والے کے لئے بھی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ ہاں وضو شرط ہے، باوضو انتظار کرنے والے کے لئے یہ فضیلت اور ثواب ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں وانما انقضی ثواب الانتظار بالحدث لانہ لا یبقی متھیئۃ للصلوٰۃ یعنی جزاء بصورت عمل ہوتی ہے اور وضو جاتے رہنے سے انتظار کا ثواب اس لئے منقطع ہو جاتا ہے کہ اس وقت میں اس کو نماز کے لئے تیاری باقی نہیں رہتی (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۴۷۹) واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا ثبوت:

(سوال ۲۲) حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدفیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مؤدبانہ خدمت اقدس میں گذارش یہ ہے کہ آپ نے اپنے فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ص ۲۱۵ ص ۲۱۶ (جدید ترتیب کے مطابق یہ سوال اسی باب میں، فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل سے فارغ ہو کر فاتحہ پڑھنا، کے عنوان سے آرہا ہے۔ مرتب) پر لکھا ہے کہ جیسے فرض نماز جماعت سے صحابہ وسلف صالحین پڑھتے تھے ویسے ہی جماعت سے امام ومقتدی مل کر دعا مانگتے تھے اس کا بندہ نے ثبوت ودلیل طلب کی تھی آپ نے جواب میں فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۲۹ تا ص ۱۳۳ (یہ سوال بھی، نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا، کے عنوان سے آرہا ہے۔ مرتب) کا حوالہ دیا احقر نے اسے دیکھا مگر اس میں بھی فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے کا ثبوت نہیں ہے، آپ سے درخواست ہے کہ صحابۂ کرام اور سلف صالحین سے اجتماعی دعا کا ثبوت ہو تو مدلل تحریر فرمائیں، آپ کا شکر گذار رہوں گا۔ بینوا توجروا۔ (از جلال آباد)؟

(الجواب) بسم الله الرحمن الرحيم حامدا ومصليا ومسلما وبالله التوفيق دعا کی بڑی فضیلت وتاکید آئی ہے، قرآن حکیم میں ہے۔

(۱) واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان.

(سورة بقره. پاره دوسرا)

ترجمہ: اور میرے بندے آپ سے میرے متعلق دریافت کریں پس بے شک میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا میں قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے۔

(۲) ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جهنم دا خرین.

(سورة مؤمن پاره نمبر ۲۴)

ترجمہ: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت (دعاء) سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔

نیز ارشاد فرمایا:

(۳) ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً انه لا یحب المعتدین.

(سوره اعراف پاره نمبر ۸)

ترجمہ: تم اپنے رب سے عاجزانہ اور خفیہ دعا کرو بے شک خدا تعالیٰ حد ادب سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

احادیث میں بھی دعاء کی بہت فضیلت اور تاکید آئی ہے۔

(۱) عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الدعاء مخ العبادة.

(مشکوة شریف ص ۱۹۴ کتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دعاء عبادت کا مغز ہے۔

(۲) عن النعمان بن بشیر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الدعاء هو العبادة ثم قرأ وقال ربکم ادعونی استجب لکم رواه احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه (مشکوة شریف ص ۱۹۴ ایضاً)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دعاء ہی عبادت ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وقال ربکم ...... اور فرمایا تمہارے رب نے مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

دعاء اللہ کے نزدیک سب سے مکرم چیز ہے، حدیث میں ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس شئی اکرم علی الله من الدعاء.

(رواه الترمذی) مشکوة شریف ص ۱۹۴ کتاب الدعوات.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک دعاء سے بڑھ کر

کوئی معزز اور مکرم چیز نہیں ہے۔

جب بندہ دعاء کرتا ہے تو اللہ کو حیا آتی ہے کہ اس کا ہاتھ خالی لوٹادے، حدیث میں ہے۔

عن سلمان رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفراً رواه الترمذی (مشکوة شریف کتاب الدعوات ص ۱۹۵)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارا رب شرم والا اور کریم ہے اپنے بندے سے شرم کرتا ہے جب وہ اپنے ہاتھوں کو اس کے سامنے اٹھاتا ہے کہ ان کو خالی واپس لوٹادے۔

جس کو دعا کی توفیق ہوجاتی ہے اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں حدیث میں ہے۔

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من فتح له منکم باب الدعاء فتحت له ابواب الرحمة (مشکوة شریف ص ۱۹۵ ایضاً)

ترجمہ: حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جس کے لئے دعاء کا دروازہ کھل گیا تو اس کے لئے رحمت کا دروازہ کھل گیا۔

بندوں کو دعاء کا حکم دیا گیا ہے، حدیث میں ہے۔

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فعلیکم عباد الله بالدعاء (مشکوة شریف ص ۱۹۵ ایضاً)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے اللہ کی بندو دعاء کو لازم کرلو۔

دعاء کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرے اور فارغ ہوکر ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لے حدیث میں ہے۔

عن مالک بن یسار رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سألتم الله فاسئلوه بطون اکفکم ولا تسئلوه بظهورها وفی روایة ابن عباس رضی الله عنه قال سلوا الله ببطون اکفکم ولا تسألوه بظهورها فاذا فرغتم فامسحوا بها وجوهکم رواه ابو داؤد.

(مشکوة شریف ایضاً ص ۱۹۵)

ترجمہ: حضرت مالک بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم اللہ سے دعا کرو تو ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے کرو ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کیا کرو اور ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو پس جب دعاء سے فارغ ہوجاؤ تو ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرلو۔

دعاء میں ہاتھ اٹھانا حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی۔

عن السائب بن یزید عن ابیه ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا دعا فرفع یدیه مسح

وجهه بيديه .

(مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات ص ۱۹۶)

ترجمہ: حضرت سائبؓ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعاء فرماتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھاتے اور فارغ ہوتے تو ان دونوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے۔

عن عمر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهما وجهه رواه الترمذی.

(مشکوٰۃ شریف کتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے دونوں ہاتھ دعاء میں اٹھاتے تھے تو جب تک ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرۂ انور پر نہ پھیر لیتے نیچے نہ اتارتے۔

دعاء میں ہاتھ اٹھانا قبولیت دعاء کی علامت ہے حدیث میں ہے۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من عبد یرفع یدیه حتی یبدو ابطه یسأل اللہ مسئلة الا اتاها ایاه ما لم یعجل قالوا یارسول اللہ وکیف عجلته قال فیقول قد سألت وسألت فلم اعط شیئاً.

(ترمذی شریف ص ۲۲۰ کتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی بندہ یہاں تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرے کہ اس کی بغلیں ظاہر ہوں اور اللہ سے سوال کرے تو اللہ اس کی مراد پوری کرتا ہے جب تک جلدی نہ کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اس کے جلدی کرنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کہے "میں نے سوال کیا اور سوال کیا اور مجھے کوئی چیز نہیں ملی"۔

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا کی بہت اہمیت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود بھی دعا کا حکم فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے دعاء کو عبادت کا مغز فرمایا ہے، عبادت کی حقیقت خضوع وتذلل ہے جو دعا میں کامل طور پر موجود ہے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے میں اپنی عبدیت اور ذلت واحتیاج کا ایسا مظاہرہ ہے جو کسی اور طریقہ میں نظر نہیں آتا، دور ہی سے دیکھنے والا ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے والے کو محتاج سمجھتا ہے، کیونکہ جو محتاج ہوتا ہے وہ ہی دست سوال دراز کرتا ہے، الغرض دعاء میں مکمل طور پر اپنی عبدیت اور احتیاج کا اظہار ہے اور اللہ رب العزت کی معبودیت اور صمدیت اور قادر مطلق ومعطی ہونے کا اقرار ہے اس لئے دعاء کو مخ العبادۃ فرمایا گیا ہے اور اس کی اہمیت وفضائل بیان کئے گئے ہیں جن میں سے کچھ اوپر بیان ہوئے۔

احادیث میں مختلف مواقع کی دعائیں بیان کی گئی ہیں جو مخفی نہیں ہے، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ نماز جو افضل العبادۃ ہے اس کے بعد دعا کرنے کے سلسلہ میں احادیث رسول میں کیا ہدایات ہیں۔

تحقیق کرنے سے روز روشن کی طرح یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ نماز کے بعد دعا کی خاص اہمیت ہے دعا کی قبولیت کا وقت ہے دعا نہ کرنے پر وعید ہے اور خود نبی کریم ﷺ کا بھی یہی عمل ہے قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

نماز کے بعد دعا اور اس کی ترغیب اور مقبولیت کا وقت احادیث کی روشنی میں۔

(۱) عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال له اوصیک یا معاذ لا تدعن دبر کل صلوٰۃ ان تقول اللهم اعنی علیٰ ذکرک وشکرک وحسن عبادتک رواه احمد وابو داؤد والنسائی بسند قوی کذا فی بلوغ المرام وقال الزیلعی فی تخریجه قال النووی فی الخلاصة اسناده صحیح .

(اعلاء السنن ج۳ ص ۲۰۲ باب الانحراف بعد السلام وکیفیة وسنیة الدعآ والذکر بعد الصلاۃ) (بلوغ المرام ص ۳۷)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ سے ارشاد فرمایا کہ تم کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑو دعا یہ ہے اللهم اعنی علی ذکرک شکرک وحسن عبادتک.

(۲) عن ابی امامة رضی اللہ عنہ قال قیل یا رسول اللہ ای الدعا اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبر الصلوٰت المکتوبات ، رواه الترمذی .

(مشکوٰۃ شریف ص ۸۹ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رات کے آخری حصہ کی دعاء اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔

کتاب "دلیل الطالب علی ارجح المطالب" (مصنفہ مولانا نواب صدیق حسن صاحبؒ) میں یہ دونوں حدیثیں بیان فرمانے کے بعد لکھا ہے "وایں ہر دو حدیث دلالت وارد برآں کہ دعا بعد فریضہ می باید یہ دونوں حدیثیں نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں (ص ۳۲۳)

حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق السنی نے کتاب "عمل یوم واللیلہ" میں حدیث نقل کی ہے۔

(۳) حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید الیاسی حدثنا عبدالعزیز بن عبدالرحمن القرشی من حفیف عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوة ثم یقول اللّٰهم الٰهی واله ابراهیم واسحاق ویعقوب واله جبریل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عن الفقر فانی متمسکن الا کان حقاً علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیه خائبین (عمل الیوم واللیلة ص ۳۸، ص ۳۹)

ترجمہ: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جو بندہ نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتا ہے پھر یوں دعا کرتا ہے اللهم الٰهی واله ابراهیم واسحاق ویعقوب واله جبریل و میکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عن الفقر فانی متمسکن تو اللہ پر یہ حق ہے کہ اس کے دونوں

ہاتھوں کو نا کام (اور خالی) واپس نہ کرے۔

اس حدیث کو علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے بھی اسی سلسلہ کے ایک استفتاء کے جواب میں نقل فرمایا ہے اور حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے "اگر یوں کہا جاوے کہ اس روایت کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمن ہے اور وہ متکلم فیہ ہے چنانچہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مصرح ہے تو کہا جائے گا کہ حدیث ضعیف اثبات استحباب کے لئے کافی ہے چنانچہ ابن ہمام فتح القدیر کی کتاب الجنائز میں لکھتے ہیں والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتھیٰ واللہ اعلم (بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۱۳۱ حوالہ اسی سوال کے شروع میں ہے۔)

یہ بھی خیال رہے کہ اس حدیث کو اور اس جیسی دوسری احادیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور خود غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں "بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہوگئے" (اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۱۷ء)

نماز کے بعد دعا نہ کرنے پر وعید

عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ مثنی مثنی فی کل رکعتین وتخشع وتمسکن وتقنع یدیک یقول ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونھما وجھک وتقول یا رب یا رب ومن لم یفعل ذلک فھو کذا وکذا.

(ترمذی شریف ص ۵۰ ج ۱ باب ماجاء فی التخشع فی الصلوۃ)

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز دو رکعت ہے ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے اور خشوع اور عاجزی اور مسکینی ہے اور دونوں ہاتھوں کا اپنے رب کی طرف اٹھانا اس حالت میں کہ تم کہو یا رب یا رب (اے میرے رب اے میرے رب) اور جس نے ایسا نہیں کیا وہ ایسا ویسا ہے۔

ترمذی شریف کی شرح الکوکب الدری میں ہے:

وھذا یثبت الدعاء بعد الصلوۃ برفع یدیہ کما ھو المعمول وانکار الجھلۃ علیہ مردود.

(الکوکب الدری ص ۱۷۱ ج ۱ ایضاً)

ترجمہ: اس حدیث میں لفظ مستقبلا سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نماز کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے یہی معمول ہے اور اس پر جہلاء کا انکار مردود ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا بہ نفس نفیس نماز کے بعد دعا کرنا اور مختلف دعاؤں کا آپ سے منقول ہونا، احادیث کی روشنی میں۔

(۱) عن وراد ... قال املی علی المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ فی کتاب الی معاویۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر کل صلوۃ مکتوبۃ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا

ینفع ذاالجد منک الجد.

(بخاری شریف ص ۱۱۷ ج ۱ باب الذکر بعد الصلوۃ) (ابو داؤد شریف ص ۲۱۸ ج ۱) (باب مایقول الرجل اذا سلم) (مشکوۃ شریف ص ۸۸ ایضاً) (بلوغ المرام ص ۳۷ صفۃ الصلاۃ)

ترجمہ: حضرت وراد سے روایت ہے ... حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد پڑھتے تھے

(۲) عن ام سلمۃ رضی اللہ عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اذا صلی الصبح حین یسلم اللھم انی اسئلک علماً نافعاً ورزقاً طیباً وعملاً متقبلا رواہ احمد و ابن ماجہ قال فی النیل ورجالہ ثقات. (اعلاء السنن ص ۲۰۲، ص ۲۰۳ حصہ سوم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھ لیتے تو سلام پھیر کر یہ دعا کرتے اللھم انی اسئلک علماً نافعاً ورزقاً طیباً وعملاً متقبلاً اس کو احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے نیل الاوطار میں ہے کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔

(۳) عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم لم یقعد الا مقدار ما یقول اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام رواہ مسلم.

(مشکوۃ شریف ص ۸۸ باب الذکر بعد الصلوۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام پڑھنے کی مقدار بیٹھا کرتے تھے۔

(۴) عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا انصرف من صلوتہ استغفر اللہ ثلاثاً وقال اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام.

(رواہ مسلم) (بلوغ المرام ص ۳۷ باب صفۃ الصلوۃ)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تو تین مرتبہ استغفار فرماتے اور یہ دعا مانگتے اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام.

(۵) عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتعوذ بھن دبر الصلوۃ اللھم انی اعوذبک من البخل واعوذبک من الجبن واعوذبک من ان ارد الی ارذل العمر واعوذبک من فتنۃ الدنیا واعوذبک من عذاب القبر. رواہ البخاری. (بلوغ المرام ص ۳۷)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز کے بعد ان الفاظ کے ساتھ پناہ مانگتے تھے اللھم انی اعوذبک من البخل واعوذبک من الجبن واعوذبک من ان ارد الی ارذل العمر واعوذبک من فتنۃ الدنیا واعوذبک من عذاب القبر.

(۶) عن علی رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من الصلوۃ قال اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم والمؤخر لا الہ الا انت (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۲۱۹ باب مایقول اذا سلم)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم والمؤخر لا الہ الا انت ۔

(۷) اخرج الحافظ ابو بکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن الاسود بن العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا ۔

بحوالہ مسلک السادات الی سبیل الدعوات، امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۹۸) نیز، النفائس المرغوبۃ تحت تصویب قاضی رحمت اللہ محدث راندیری ص ۳۴)

ترجمہ: اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ مڑ گئے اور آپ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور دعاء فرمائی۔

(۸) حدثنا محمد بن یحیی الاسلمی قال رأیت عبداللہ بن الزبیر رأی رجلاً رافعاً یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منھا قال لہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع حتی یفرغ من صلوتہ اخرجہ ابن ابی شیبۃ ورجالہ ثقات قالہ الحافظ السیوطی فی رسالتہ" فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین بالدعاء کذا فی رسالۃ رفع الدین فی الدعاء لمحمد بن عبدالرحمن الزبیدی الیمانی

(اعلاء السنن باب الانحراف بعد السلام و کیفیۃ وسنیۃ الدعآء والذکر بعد الصلاۃ)

ترجمہ: محمد بن یحیٰی اسلمی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب تک نماز سے فارغ نہ ہوجاتے تھے دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھاتے تھے، اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔

ان احادیث سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ دعاء فرماتے تھے اس میں کسی طالب حق کو شک وشبہ کی گنجائش نہ ہونی چاہئے اور انہی احادیث سے بطریقہ اشارۃ النص یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نماز کے بعد دعاء فرماتے تھے تو صحابہ یقیناً اس دعاء میں آپ کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، اس لئے مقام غور ہے کہ اگر کوئی مرشد کامل کسی مجلس میں ہاتھ اٹھا کر دعاء فرمائیں تو کیا مریدین مرشد کی موافقت نہیں کریں گے؟ اگر استاذ درس میں اتفاقاً ہاتھ اٹھا کر دعاء کریں تو کیا درس میں حاضر باش طلباء استاذ کا منہ تکتے رہیں گے؟ اور دعاء میں شرکت نہیں کریں گے؟ کیا یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ تو جب یہ مسلم ہے کہ یقیناً مریدین اور طلبہ ضرور بالضرور مرشد اور استاذ کی اتباع میں ہاتھ اٹھا کر دعاء میں شرکت کریں گے تو رسول مقبول رحمۃ للعالمین ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائیں اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو مجسم اطاعت اور جذبۂ اتباع سے سرشار تھے (جن کی اطاعت اور اتباع کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی ہے) وہ حضور اکرم ﷺ کا منہ دیکھتے رہے ہوں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں حضور اکرم ﷺ

کی موافقت کی سعادت حاصل نہ کی ہو نہ یہ سمجھ میں آتا ہے اور نہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ یقیناً، ضرور بالضرور صحابہؓ نے موافقت کی ہوگی اور اس سعادت کے حصول سے مجتنب نہ رہے ہوں گے اور یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعاء فرمائی تو حاضر باش صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعاء میں شرکت فرمائی۔ بخاری شریف میں ہے۔

قال یحیی بن سعید سمعت انس بن مالک قال اتی رجل اعرابی من اھل البدو الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ فقال یارسول اللہ ھلکت الماشیۃ ھلکت العیال ھلک الناس فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ یدعو ورفع الناس ایدیھم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعون الخ ۔

(بخاری شریف ج ۱ ص ۱۴۰ باب دفع الناس ایدیھم مع الامام فی الاستسقآء)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہوگئے، عیال ہلاک ہوگئے، لوگ ہلاک ہوگئے پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست اقدس کو اٹھا کر دعاء فرمائی اور تمام لوگوں نے بھی اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دعا مانگی۔

ملاحظہ فرمایئے اس حدیث میں صراحۃً ذکر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دعاء میں شرکت فرمائی لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ جب نماز کے بعد حضور ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعاء فرماتے تھے تو صحابہ بھی ضرور شرکت فرماتے تھے یہی اجتماعی دعاء ہے اور اجتماعی دعاء کے ثبوت کے لئے ان شاء اللہ یہی کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے بعد تابعین پھر ان کے بعد تبع تابعین پھر ان کے بعد اسلاف عظام اور علماء اور صلحاء امت کا اسی پر عمل رہا ہے سوائے شرذمہ قلیلہ کے کوئی اس کا منکر نہیں امت کا یہ توارث اور تعامل بھی اس کے ثبوت کے لئے قوی دلیل ہے، حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی توارث کی اہمیت کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اتفاق سلف وتوارث ایشاں اصل عظیم است در فقہ" سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔ (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ص ۸۵)

اس واضح ثبوت کے بعد بھی ثبوت کا مطالبہ کرنا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ایک بے وقوف خادم نے اپنے آقا سے کہا تھا...... ایک خادم بڑا کوتاہ فہم اور بے ڈھنگا تھا اس کی بے وقوفی اور بے عقلی سے تنگ آکر آقا نے ایک فہرست بنا کر اسے دے رکھی تھی کہ اس میں جو جو کام لکھے ہوئے ہیں انہیں کیا کر، ایک مرتبہ آقا اور غلام گھوڑے پر سفر کررہے تھے راستہ میں آقا کی شال گرگئی، آقا نے اگلی منزل پر دیکھا کہ شال نہیں ہے تو خادم نے کہا وہ تو بہت دور گرگئی ہے آقا نے کہا: اٹھائی کیوں نہیں؟ یا مجھے کیوں نہیں کہا؟ خادم نے وہ فہرست دکھلا دی اور کہا کہ بتلاؤ اس میں کہاں لکھا ہے کہ "شال گرجائے تو اٹھالینا یا کہہ دینا" یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو اس واضح ثبوت کے بعد بھی کہتے ہیں کہ ایسی حدیث دکھاؤ جس میں صراحۃً اجتماعی دعاء کا تذکرہ ہو، کیا مندرجہ بالا احادیث اور ان سے ثابت ہونے والا مضمون کافی نہیں ہے؟ ان شاء اللہ یقیناً کافی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پوری امت کا اسی پر عمل ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور محدثین عظام اور فقہاء کرام نے بھی یہی لکھا ہے فقہاء کرام وہ حضرات ہیں۔ جو بقول امام ترمذی اعلم بمعانی الحدیث ہیں اللہ نے ان کو فقہ فی الدین کی دولت سے نوازا ہے، قرآن وحدیث میں فقہ فی الدین کی تعریف فرمائی گئی ہے، حجۃ الاسلام

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بڑی عمدہ بات تحریر فرمائی ہے۔

فاما هذه الطبقة الذين هم اهل الحديث والاثر فان الاكثرين منهم انما كدهم الروايات وجمع الطرق وطلب الغريب والشاذ من الحديث الذى اكثره موضوع او مقلوب لا يراعون المتون ولا يتفهمون المعانى ولا يستنبطون سرها ولا يستخرجون ركازها وفقهها وربما عابوا الفقهاء وتناولوهم بالطعن وادعوا عليهم مخالفة السنن ولا يعلمون انهم عن مبلغ ما اوتوه من العلم قاصرون ولسوء القول فيهم آثمون .(الانصاف مع ترجمة كشاف ص ۵۳)

ترجمہ: طبقہ اہل حدیث واثر کا حال یہ ہے کہ ان میں اکثر کی کوشش روایتوں کا بیان کرنا اور سندوں کا اکٹھا کرنا اور غریب اور شاذ کو اس حدیث سے تلاش کرنا ہے جس کا اکثر موضوع یا مقلوب ہے یہ لوگ نہ الفاظ حدیث کا لحاظ کریں اور نہ معانی کو سمجھیں اور نہ ان کے راز کو استنباط کریں اور نہ ان کے دفینہ اور فقہ کو نکالیں اور بعض اوقات فقہاء پر عیب لگاویں اور طعن سے ان کو برا کہیں اور ان پر مخالفت سنت کا دعویٰ کریں اور یہ نہیں جانتے کہ جس قدر علم فقہاء کو دیا گیا ہے وہ خود اس سے قاصر ہیں اور فقہاء کو برا کہنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔

یہ ہے فقہاء کرام رحمہم اللہ کی علمی جلالت شان۔

جب محدثین اور فقہا یہی بات لکھ رہے ہیں تو کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے بلا ثبوت ہی یہ لکھ دیا ہوگا یقیناً ثبوت ہے جب ہی لکھا ہے، اب بطور نمونہ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

محدث جلیل علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

والمختار ان الامام والماموم يخفيان الذكر الا ان احتاج الى التعليم .

(فتح البارى ص ۲۶۹ ج ۲)

ترجمہ: مختار طریقہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی ذکر (دعا) آہستہ آواز سے کریں ہاں جب دعاء کی تعلیم کی ضرورت ہو تو (سیکھنے تک) جہراً دعا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

الکوکب الدری شرح ترمذی میں ہے۔

بل لا بد من اتيان الدعاء مستقلاً على حدة فيعزر تارك الدعوات بعد الصلوات ولا يعذر على تركها .(باب ما يقول اذا سلم. الكوكب الدرى ص ۲۹۱ ج ۲)

ترجمہ: بلکہ اس وقت ضروری ہوجاتا ہے کہ مستقلاً الگ دعا کی جاتی رہے اسی لئے نمازوں کے بعد تارک دعاء کو سزا دی جائے اور ترک دعا پر معذور نہ سمجھا جائے۔

حاشیہ میں ہے۔

وفى شرح شرعة الاسلام ويغتنم الدعاء بعد المكتوبة فانه مستجاب بالحديث وقد قال النبى صلى الله عليه فى حديث رواه ابن عباس من لم يفعل ذلك فهو خداج اى من لم يدع بعد الصلوة رافعا يديه الى ربه مستقبلا ببطونها الى وجهه ولم يطلب حاجته قائلاً يارب يارب فما فعله من الصلوة ناقصة عند الحق سبحانه كذا حقق فى التنوير وروى انه كان للحسن البصرى جار يحتطب على ظهره فكان

19

اذا سلم الامام خرج من المسجد سريعا فقال له الحسن يوماً يا هذا لِمَ لم تجلس ساعة ان لم تكن لك حاجة فى الاخرة افلا حاجة لك فى الدنيا قف بعد الصلوة وادع الله واسأله حمولة تحمل على ظهرها ذكره فى الخلاصة.

(حاشيه على الكوكب الدرى ص ۲۹۱ ج ۲ باب مايقول اذا سلم)

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے فرض نماز کے بعد دعاء کرنے کو غنیمت سمجھے اس لئے کہ یہ دعا مقبول ہوتی ہے حدیث کی بنا پر تحقیق کہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں جس کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کی ہے فرمایا ہے من لم یفعل ...... جس نے ایسا نہیں کیا وہ ناقص ہے (الحدیث) یعنی جس نے اپنے رب کے سامنے اپنے ہاتھ اٹھا کر ہتھیلیاں اپنے چہرہ کی طرف کرکے دعا نہ کی اور یارب یارب کہہ کر اپنی حاجات اللہ سے نہ مانگے تو نماز کے جو افعال اس نے ادا کئے ہیں وہ حق سبحانہ کے نزدیک بالکل ہیچ ہیں ایسا ہی تنویر میں ہے اور مروی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پڑوسی تھا لکڑی کا بوجھ اپنی پیٹھ پر ڈھویا کرتا تھا، امام جب سلام پھیرتا تو وہ شخص تیزی کے ساتھ مسجد سے نکل جاتا تھا ایک روز حضرت حسن بصری نے اس سے فرمایا اے شخص تھوڑی دیر کیوں نہیں بیٹھ جاتا اگر تجھے اخروی ضرورت نہیں ہے تو کیا دنیوی حاجات بھی نہیں ہیں دعاء کیا کر اور اس سے بار برداری کا جانور مانگ کہ ان کی پیٹھ پر بوجھ اٹھایا کرے، یہ خلاصہ میں مذکور ہے۔

غور کیجئے اسلاف میں یہ طریقہ رائج تھا کہ نماز کے بعد دعا کیا کرتے تھے (جس سے اجتماعی صورت خود بخود پیدا ہوجاتی ہے) جب ہی تو حضرت حسن بصریؒ نے اپنے پڑوسی کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد دعا کے لئے فرمایا، اگر دعا کا طریقہ رائج نہ ہوتا تو آپ ہرگز اسے دعا کی ترغیب نہ دیتے، حضرت ابوامامہؓ کی حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا ای الدعاء اسمع کونسی دعا زیادہ مقبول ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جوف اللیل الآخر ودبر الصلوٰت المکتوبات رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا (یہ حدیث اسی جواب میں پہلے نقل کی جاچکی ہے) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صاحب اعلاء السنن مولانا ظفر احمد تھانوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

قوله عن ابى امامة الخ قلت فيه اثبات الدعا بعد الصلوة فانه حض به ما اورده ابن القيم ان الدعاء بعد السلام من الصلوة مستقبل القبلة او المامومين فلم يكن من هديه صلى الله عليه وسلم اصلا ولا روى عنه باسناد صحيح ولا حسن اه.(زاد المعاد ص ۶۷ ج ۱)

ترجمہ: یعنی حضرت ابوامامہؓ کی اس حدیث سے نماز کے بعد دعا کا ثبوت ہوتا ہے لہٰذا جو بات علامہ ابن قیمؒ نے کہی ہے کہ سلام کے بعد قبلہ رخ ہوکر یا مقتدیوں کی طرف رخ کرکے دعا کرنا یہ حضور اکرم ﷺ کی سنت اور آپ کا طریقہ نہیں ہے یہ چیز حضور ﷺ سے نہ سند حسن کے ساتھ مروی ہے اور نہ سند صحیح کے ساتھ۔ (زاد المعاد ص ۶۷ ج ۱)

قلت قد ثبت ذلك عنه صلى الله عليه وسلم قوله وفعلا فهذا حديث ابى امامة فيه ارشاد الامة بالدعا بعد الصلوات المكتوبات .(اعلاء السنن ص ۱۹۹ ج ۳) باب الانحراف بعد السلام۔ الخ

ترجمہ: اس حدیث سے علامہ ابن قیمؒ کے دعوی کی تردید ہوتی ہے، میں کہتا ہوں نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ

کا دعاء کرنا قولاً اور فعلاً ثابت ہے اور اس حدیث میں فرض نمازوں کے بعد دعاء کی ترغیب ہے پس صلحاء کا جو معمول ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء کرتے ہیں بے اصل نہ ہوا۔ (اعلاء السنن ص ۱۹۹ ج ۳ مع حاشیہ)

حضرت ابوامامہؓ کی مذکورہ حدیث اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث (جس کا ذکر اس جواب میں پہلے آیا ہے) ان دونوں حدیثوں کو مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب ''دلیل الطالب علی ارجح المطالب'' میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

''وایں ہر دو حدیث دلالت دارد برآں کہ دعاء بعد فریضہ می باید'' یہ دونوں حدیثیں نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۳۲۳)

ظاہر ہے کہ یہ مسنونیت ہر ایک کے لئے ہے جب تمام اس سنت پر عمل کریں گے تو اجتماع ہوگا یا نہیں؟ (یہ حوالہ پہلے آچکا ہے موقع کی مناسبت سے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

يدعوا لامام جهراً لتعليم القوم ويخافته القوم اذا تعلم القوم ويخافت هو ايضا وان جهر فهو بدعة.

(فتاویٰ بزازیہ جلد اول مع الهندية كتاب الصلوة الحادى عشر فى القرأة ص ۴۲ ج ۴)

ترجمہ: امام مقتدیوں کو سکھانے کے لئے جہراً دعا کرے اور قوم آہستہ دعاء کرے اور جب مقتدی سیکھ جائیں تو مقتدی اور امام دونوں آہستہ دعاء کریں اگر زور سے دعاء کی تو یہ بدعت ہے۔

امداد الفتاح شرح نور الایضاح میں ہے۔

ثم يدعون لانفسهم وللمسلمين بالا دعية المأثوره الجامعة لقول ابى امامة قيل يارسول الله اى الدعاء اسمع قال جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات رواه الترمذى والنسائى وكان صلى الله عليه وسلم يدعو دبر كل صلوة رواه البخارى فى تاريخه الا وسط الى قوله . رافعى ايديهم حذو الصدور وبطونها مما يلى الوجه بخشوع وسكون ثم يختمون بقول سبحان ربك رب العزة عما يصفون الاية الى (قوله) ثم يمسحون بها اى بايديهم وجوههم فى آخره يعنى عند الفراغ منه لقول ابن عباس رضى الله عنهما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دعوت الله فادع بباطن كفيك ولا تدع بظهورهما فاذا فرغت فامسح بها وجهك رواه ابن ماجه ولقول ابن عمر رضى الله عنهما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رفع يده فى الدعا لم يحطهما وفى رواية لم يردهما حتى يمسح بهما وجهه رواه الترمذى.

(امداد الفتاح شرح نور الايضاح فصل فى الاذكار الواردة بعد الفرض ص ۱۳۷ ص ۳۸ !) (نور الایضاح ص ۸۵)

ترجمہ: پھر (تسبیحات کے بعد امام اور مقتدی) اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے جامع منقول دعاؤں کے ساتھ دعاء کریں حضرت ابوامامہؓ کی اس حدیث کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کونسی دعاء زیادہ قبول ہوتی

ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا، رواہ الترمذی والنسائی اور خود رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد دعاء فرماتے تھے رواہ البخاری فی تاریخہ الا وسط۔

اپنے ہاتھوں کو سینوں کے مقابل اٹھا کر اس حال میں کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں خشوع اور سکون کے ساتھ پھر سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون پڑھ کر دعاء ختم کریں پھر دعاء سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھ اپنے چہروں پر پھیر لیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی بنا پر کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم اللہ سے دعاء کرو تو اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے دعاء کرو ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو پھر جب تم فارغ ہو جاؤ تو اپنا ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر لو، رواہ ابن ماجہ، اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے دونوں ہاتھ دعاء کے لئے اٹھاتے تو جب تک اپنے چہرے پر ہاتھ نہ پھیر لیتے ان دونوں کو نیچے نہیں کرتے۔ رواہ الترمذی۔

امداد الفتاویٰ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم بعد حمد وصلوۃ کے واضح ہو کہ یہ رسالہ کتاب مسلک السادات الی سبیل الدعوات کا خلاصہ ہے جس کو علامہ فاضل شیخ محمد علی بن شیخ حسین مرحوم مفتی مالکیہ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تحریر فرمایا ہے اور اس میں عموماً احکام دعا کی تحقیق اور بالخصوص دعاء کا مستحب ہونا ہر منفرد اور امام اور جماعت کے لئے (احادیث معتبرہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے) ثابت فرمایا ہے، میں نے اس رسالہ کا خلاصہ لکھ دیا تا کہ ان بیباک لوگوں کی زبان بند ہو جائے جو دعا بعد نماز پر بدعت ہونے کا حکم کرتے ہیں اور اس تلخیص کا نام استحباب الدعوات عقیب الصلوات رکھ دیا الخ۔ یہ پورا رسالہ قابل مطالعہ ہے (امداد الفتاویٰ ص ۷۹۶ تا ص ۸۱۶ جلد نمبر ا مبوب مع حاشیہ جدیدہ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری)

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں فرائض کے بعد دعا مانگنا آنحضرت ﷺ کا طریقہ اور آپ کی سنت ہے (النفائس المرغوبة فى الدعاء بعد المكتوبة ص ۱۰) (یہ پورا رسالہ بھی قابل مطالعہ ہے)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

''امام اور مقتدی سب آہستہ آہستہ دعا مانگیں۔'' (احکام دعا ص ۱۱)

مفتاح الجنۃ میں ہے اور امام سلام سے فراغت پائے تب داہنے یا بائیں پھر کے اور جو دعا چاہے پڑھے مگر بہتر یہ ہے کہ ایک مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھے بعد اس کے دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے برابر اٹھاوے اس طرح پر کہ دونوں بغل ظاہر ہوئے اور جو حاجت چاہے اللہ سے مانگے اور چاہے تو یہ مناجات پڑھے ربنا لا تزغ قلوبنا الخ (مفتاح الجنۃ ص ۶۸ مؤلفہ مولانا شاہ کرامت علیؒ جون پوری)

نیز بہشتی گوہر میں ہے۔ مسئلہ بعد نماز (فرض) ختم کر چکنے کے دونوں ہاتھ سینے تک اٹھا کر پھیلائے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے دعا مانگے اور امام ہو تو تمام مقتدیوں کے لئے بھی اور بعد دعاء مانگ چکنے کے دونوں ہاتھ منہ پر پھیر لے۔ مقتدی خواہ اپنی اپنی دعاء مانگیں یا امام کی دعا سنائی دے تو خواہ سب آمین کہتے رہیں۔ (بہشتی گوہر ص ۱۰۶

فرض نماز کے بعد مسائل مسئلہ نمبر ۶)

نیز بہشتی گوہر میں ہے:۔

مسئلہ: جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں جیسے ظہر مغرب عشاء ان کے بعد بہت دیر تک دعاء نہ مانگے بلکہ مختصر دعاء مانگ کر ان سنتوں کے پڑھنے میں مشغول ہوجاوے، اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں جیسے فجر وعصر ان کے بعد جتنی دیر تک چاہے دعاء مانگے اور امام ہو تو مقتدیوں کی طرف داہنی یا بائیں طرف کو منہ پھیر کر بیٹھ جائے اس کے بعد دعا مانگے بشرطیکہ کوئی مسبوق مقابلہ میں نماز نہ پڑھ رہا ہو۔

حاشیہ میں عالمگیری سے عبارت نقل کی ہے ويستقبل القوم بوجهه اذا لم يكن بحذائه مسبوق فان كان ينحرف يمنة اويسرة والصيف والشتاء سواء هو الصحيح وفي الحجة الا مام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء يشرع فى السنة ولا يشتغل بادعية طويلة (بہشتی گوہر ص ۳۶ فرض نماز کے بعض مسائل)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب دامت برکاتہم (رحمہ اللہ) نے بڑی عمدہ بات تحریر فرمائی ہے۔ "یا مثلاً شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو عبادت اجتماعی طور پر ادا کی گئی ہے اس کے بعد تو دعا اجتماعی طور پر کی جائے مگر جو عبادت الگ الگ ادا کی گئی ہے اس کے بعد دعا بھی انفرادی طور پر ہونی چاہئے۔ (بینات، اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۱۸)

مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوگیا کہ فتاویٰ رحیمیہ کا فتویٰ بحمدہ تعالیٰ احادیث اور فقہ اور اسلاف کے تعامل کے موافق ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ سید عبد الرحیم لاجپوری ثم راندیری غفر اللہ ولوالدیہ ۱۲ رجب المرجب ۱۴۰۷ھ۔

مؤذن کو دعا شروع کرتے وقت اللّٰھم آمین کہنے کا پابند بنانا:

(سوال ۲۳) میں ایک مسجد میں مؤذن ہوں مسجد کے متولی صاحب مجھے کہتے ہیں کہ امام صاحب جمعہ کی نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں تو اللّٰھم آمین کہو اور جب امام صاحب دعاء سے فارغ ہو جائیں تو برحمتک یا ارحم الراحمین کہا کرو جب کہ دعا جہراً ہوتی ہے تو متولی صاحب مجھے جو کہتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے؟ اور وہ مجھے اس کا پابند بنا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز کے بعد دعا سراً مانگنا چاہئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۲۶ تا ص ۳۳۲ ج ۳ (جدید ترتیب کے مطابق اس باب میں فرض نماز کے بعد امام جہراً دعا مانگے یا سراً عنوان کے تحت دیکھیں ص۔۔ مرتب) مقتدی دعا شروع اور ختم کرنے میں امام کا پابند نہیں ہیں امام سے پہلے بھی دعا شروع کر سکتے ہیں اور امام دعا ختم کرلے اس کے بعد بھی دعا مانگ سکتے ہیں لہذا سوال میں درج شدہ جملے کہنے کی ضرورت نہیں ہے، (۱) موذن کو اس کا پابند بنانا اور اس پر یہ ذمہ داری ڈالنا زیادتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) فى المنية ان كان فى صلاة لا تطوع بعدها فان شاء انحرف عن يمينه أو يساره أو ذهب الى حوائجه او استقبل الناس بوجهه وان كان بعدها تطوع وقام يصليه يتقدم او يتأخر او ينحرف يميناً أو شمالاً او يذهب الى بيته فيتطوع ثمة شامى آخر صفة الصلاة قبيل فصل فى القراة ج ۱ ص ۴۹۶

عید کے دن خطبہ کے بعد اہتمام والتزام سے دعا مانگنا:

(سوال ۲۴) احقر کے یہاں عیدگاہ میں عیدین کی نماز میں ایک دعا نماز کے بعد اور دوسری دعا خطبہ کے بعد بڑے اہتمام والتزام سے ہوتی ہے بندہ نے امسال خطبہ کے بعد کی دعا ختم کرنے کی کوشش کی جس سے ناواقف عوام میں خلجان ہے تو اہتمام والتزام سے خطبہ کے بعد دعا کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) عید کے دن عید کی نماز یا خطبہ کے بعد موقع کی تعیین وتخصیص کے ساتھ کسی حدیث میں دعا کا ذکر نہیں ملتا، البتہ عید کے خطبہ میں دعا کا ثبوت ملتا ہے اور اس پر ہر جگہ ماشاء اللہ عمل ہو رہا ہے جب خطبہ میں دعاء ماثورہ وغیرہ بڑے اہتمام سے پڑھی جاتی ہے تو خطبہ کی بعد اجتماعی دعاء کا اہتمام والتزام کا کیا موقعہ ہے؟ لہذا خطبہ کے بعد اہتمام والتزام سے دعا کرنا بے اصل اور خلاف سنت ہے، عید کی نماز کے بعد مختصراً دعا کرنے کی گنجائش ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت ہے اور نصوص عام ہیں، اس مسئلہ سے متعلق ایک فتویٰ، فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۸۱ تا ص ۸۲ پر چھپ چکا ہے، وہ بھی ملاحظہ کرلیا جائے (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں بعنوان عید کی نماز کے بعد دعا کرنا کے تحت دیکھ لیا جائے ص۔۔ مرتب)۔ فقط واللہ اعلم۔

فجر اور عصر میں امام سلام پھیرنے کے بعد دعا کے لئے کس طرف رخ کر کے بیٹھے:

(سوال ۲۵) جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ نہیں ہے جیسے عصر اور فجر، ان نمازوں میں امام کس طرف رخ کرکے بیٹھے؟ دائیں طرف یا بائیں طرف یا مقتدیوں کی طرف؟ ہمارے یہاں اس بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، خالد کہتا ہے داہنی طرف رخ کر کے بیٹھے، حامد کہتا ہے مقتدیوں کی طرف اور حامد کو اپنی بات پر اصرار ہے کس کا قول صحیح ہے، حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں جزاکم اللہ فقط، بینوا توجروا۔

(الجواب) داہنی طرف رخ کرکے بیٹھنا اولیٰ ہے مگر اس پر مداومت نہ کرے گا ہے بائیں طرف بھی مڑ کر بیٹھے تاکہ لوگ داہنی طرف رخ کر کے بیٹھنے کو ضروری نہ سمجھ لیں اور سامنے کوئی مقتدی نماز نہ پڑھ رہا ہو تو مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا بھی جائز ہے حضور ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے عن سمرة بن جندب رضى الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى صلوة اقبل علينا بوجهه رواه البخارى عن البراء قال كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا ان نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه قال فسمعته يقول رب قنى عذابك يوم تبعث او تجمع عبادك، رواه مسلم. (مشكوة شريف باب الدعآء فى التشهد ص ۸۷)

مراقی الفلاح میں ہے وعقب الفرض ان لم يكن بعده نافلة يستقبل (الناس) ان شاء ان لم يكن فى مقابلة مصل لما فى الصحيحين كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا صلى اقبل علينا بوجهه ، وان شاء الا مام انحرف عن يساره جعل القبلة عن يمينه وان شاء انحرف عن يمينه وجعل القبله عن يساره وهذا اولىٰ لما فى مسلم كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا ان نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه ... الخ (مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ۱۷۱ باب

الامامة فصل فی صفة الا ذکار)

مذکورہ حدیثوں اور عبارت سے ثابت ہوا کہ تینوں طرح بیٹھنا درست ہے، البتہ دائیں طرف متوجہ ہونا اولیٰ ہے لیکن کسی ایک کا التزام و اصرار صحیح نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ، لا یجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلوته یریٰ ان حقاً علیه ان لا ینصرف الا عن یمینه لقد رأیت رسول الله صلی الله علیه سلم کثیراً ینصرف عن یساره ، متفق علیه، مشکوۃ ص ۸۷۔

یعنی تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے کہ (داہنی طرف ہی مڑنے کو لازم اور ضروری سمجھے) بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو بسا اوقات بائیں طرف مڑتے ہوئے بھی دیکھا، مرقات شرح مشکوۃ میں ہے وفیه ان من اصر علی امر مندوب وجعله عزما ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة او منکر ۔ یعنی جو شخص امر مندوب (مستحب) پر ایسا اصرار کرے کہ اس کو لازم (اور واجب) سمجھ لے اور (کبھی) رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان ایسے شخص کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا (جب مستحب پر اصرار کا یہ حال ہے) تو جو شخص بدعت او منکر پر اصرار کرے اس کا کیا حال ہوگا، مرقات شرح مشکوۃ باب الدعآء فی التشھد ج ۲ ص ۳۵۳ مطبع امدادیہ ملتان، فتاویٰ رحیمیہ۔ ج۶ ص ۵۷ فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۴۔۱۳۵ فقط واللہ اعلم۔

فرض نماز کے بعد دعا جہراً مانگے یا سراً؟

(سوال ۲۶) فرض نماز کے بعد دعا زور سے مانگنی چاہئے یا آہستہ سے؟ شریعت کے اصول کے مطابق کتاب کے نام کی تعیین کے ساتھ بتلائیں؟

(الجواب) حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں مسلک میں امام اور منفرد کے لئے دعا آہستہ مانگنا مستحب ہے، شیخ منصور بن ادریس رقم طراز ہیں والدعاء سراً افضل منه جهراً لقوله تعالیٰ ادعوا ربکم تضر عاً وخفیةً لانه اقرب الیٰ الا خلاص ویکرہ رفع الصوت به فی الصلوۃ وغیر ها الا الحاج فانه رفع الصوت له افضل لحدیث افضل الحجب العج والثج (ترجمہ) اور دعا سری (آہستہ) افضل ہے، جہری کی بہ نسبت، اس لئے کہ ارشاد خداوندی ہے ادعوا ربکم تضر عاو خفیه (کہ تم اپنے رب کو پکارو یعنی اپنے رب سے مانگو آہ و زاری کے ساتھ دھیمی آواز سے) اس لئے کہ سری دعا میں اخلاص زیادہ ہے اور (شیخ منصور بن ادریس نے فرمایا کہ) نماز کے اندر اور نماز کے باہر جہراً دعا پڑھنا مکروہ ہے مگر حاجی اس حکم سے مستثنیٰ ہے، کہ حدیث کی رو سے حاجی کے لئے لبیک وغیرہ دعاؤں میں بلند آواز کرنا افضل ہے۔ (مسلک السادات الیٰ سبیل الدعوات)

مالکی اور شافعی علماء زور سے دعا، مانگنے کی اس لئے اجازت دیتے ہیں کہ حاضرین محفوظ کر لیں (یعنی یاد کرلیں) یا آمین کہہ سکیں، مگر اس شرط سے کہ کسی نماز پڑھنے والے کو تکلیف نہ پہنچتی ہو، اگر مصلیوں کی نماز میں اس سے خلل پڑتا ہو تو کسی کے نزدیک بھی دعا جہراً جائز نہیں ہے اماموں کو چاہئے کہ مکروہ اور ناجائز کا ارتکاب کر کے گنہگار نہ بنیں، سنت طریقہ کے خلاف رواج قائم رکھنا گناہ کا کام ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نماز کے بعد آواز سے دعا مانگنا:

(سوال ۲۷) بہت سی جگہ نماز کے بعد امام زور زور سے دعا مانگتا ہے، مسبوق وغیرہ نماز پڑھنے والوں کو بہت تشویش ہوتی ہے، نماز میں غلطی ہو جاتی ہے تو کیا اس طرح دعا مانگنے کی شرعاً ممانعت نہیں ہے؟

(الجواب) آہستہ اور پست آواز سے دعا مانگنا افضل ہے، مصلی دعا یاد کر لیں یا دعائیہ جملہ ختم ہونے پر آمین کہہ سکیں اس غرض سے ذرا آواز سے دعا مانگی جائے تو کوئی حرج نہیں وہ بھی اس شرط سے کہ نمازیوں کا حرج نہ ہو، اس طرح دعا مانگنا کہ نمازیوں کو تشویش ہو، نماز میں خلل واقع ہو اور غلطی ہو جائے اس طرح دعا مانگنا جائز نہیں ہے، امام گنہگار ہوتا ہے اور جو لوگ امام کو اس طرح دعا مانگنے پر مجبور کرتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں (روح المعانی ج ۸ ص ۱۳۲)(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نماز کے بعد دعا آہستہ مانگے یا زور سے:

(سوال ۲۸) فرض با جماعت کے بعد دعا آہستہ مانگے یا زور سے۔ اگر آہستہ کا حکم ہے تو کس قدر؟ اور اگر زور سے مانگنے کا حکم ہے تو کس قدر؟ دونوں میں کون سا افضل ہے؟ حدیث میں نماز کے بعد کس قدر دعائیں مانگنا وارد ہے؟ وہ سنے بغیر کس طرح مروی ہیں؟ لہذا افضل کیا ہے؟ مطلع فرمائیں۔

(الجواب) سری دعا افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کر لے جائز ہے، ہمیشہ جہری دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے۔(۲) حدیثوں میں جس طرح دعاء کے متعلق روایتیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا پڑھی ایسے ہی یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا لیکن جس طرح رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کی روایتوں سے جہر نہیں ثابت ہوتا۔ دعا کی روایتوں سے بھی جہر نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نماز کے بعد کونسی دعا پڑھی جائے:

(سوال ۲۹) ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد جن میں فرض کے بعد سنن و نوافل پڑھے جاتے ہیں دعا اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والا کرام کے ساتھ دوسری دعائیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے امام صاحب منع فرماتے ہیں اور خلاف سنت بتلاتے ہیں اور دلیل میں فتاویٰ عالمگیری کی عبارت پیش فرماتے

---

(۱) من هنا جمع بکراهة رفع الصوت به وفی الانتصاف حسبک فی تعین الاسرار فی القرانه فی الآیة بالتضرع لاخلال به کالا خلال بالضراعة الی الله تعالیٰ وان دعآء لا تضرع فیه ولا خشوع لقلیل الجدوی فکذالک دعآء لا خفیة فیه ولا وقار یصحبه وتری کثیرا من اهل زمانک یعتمدون الصراخ فی الدعآء خصوصاً فی الجوامع حتیٰ یعظم اللغط ویشتد وتسک المسامع وتستد ولا یدرون أنهم جمعوا بین بدعتین رفع الصوت فی الدعآء کون ذلک فی المسجد سورة اعراف تحت ادعوا ربکم تضرعا.

(۲) وفصل آخرون فقالوا الا خفآء افضل عند خوف الریآء والاجهار افضل عند عدم خوفه واولیٰ منه القول بتقدیم الاخفآء علی الجهر فیما اذا اخیف الریآء، أو کان فی الجهر تشوش علی نحو مصل أو نائم أو قاری او مشتغل بعلم شرعی وبتقدیم الجهر علی الا خفآء فیما اذا خلا عن ذلک وکان بینه قصد تعلیم جاهل روح المعانی سورة اعراف تحت قوله ادعوا ربکم تضرعا ج۸ ص ۲۰۸.

ہیں کہ الإمام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء يشرع في السنة ولا يشتغل بادعية طويلة (جب امام ظہر، مغرب، عشاء کی نماز سے فارغ ہو تو سنت شروع کردے اور طویل دعاؤں میں مشغول نہ ہو لہٰذا اس کی تفصیل فرمائیں؟

(الجواب) ظہر، مغرب اور عشاء کی فرض نماز کے بعد اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام کے ساتھ چند دوسرے اذکار ماثورہ پڑھنا جائز بلکہ بہتر ہے، خلاف سنت نہیں ہے، اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا رات کے آخری حصہ کی اور فرض نماز کے بعد کی دعا، دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ تم کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑنا، دعا یہ ہے اللهم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک.

کتاب ”دلیل الطالب علی ارجح المطالب“ میں یہ دو حدیثیں بیان فرمانے کے بعد لکھا ہے ”وایں ہر دو حدیث دلالت دارد برآں کہ دعا بعد فریضہ می باید (یہ دونوں حدیثیں نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں) (ص ۳۲۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ نے وہ کلمات یاد کئے ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے؟ فرمایا ہاں! آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے:- سبحان ربک رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين (مجمع الزوائد ص ۲۰۱ باب ما يقول من الذكر الدعآء عقيب الصلاة) بخاری شریف میں ہے آنحضرت ﷺ ہر فرض نماز کے بعد لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منک الجد“ پڑھتے تھے (ج ۱ ص ۱۱۷ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

فجر اور مغرب سب سے فارغ ہوکر اسی نشست میں دس مرتبہ لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير پڑھنے کی بھی بہت فضیلت احادیث میں آئی ہے۔

اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرض نماز کے بعد استغفر اللہ تین بار اور۔

فرض نماز کے بعد مسنون دعاء:

(سوال ۳۰) فرض نماز کے بعد دعاء اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام ہی پڑھنا مسنون ہے۔ یا اس کی جگہ اور کوئی دعا پڑھنے سے بھی سنت ادا ہوجائے گی۔ ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ اللهم انت السلام ہی پڑھنے سے سنت ادا ہوگی۔ اور کوئی دعا پڑھنے سے سنت ادا نہ ہوگی، بلکہ خلاف سنت کہا جائے گا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) بے شک فرائض کے بعد ”اللهم انت السلام“ والی دعاء مسنون اور افضل ہے۔ اس لئے اکثر اسی کو پڑھا جاتا ہے۔ لیکن دوسری دعاء اور درود شریف پڑھنے سے بلکہ اس قدر خاموش بیٹھنے سے بھی سنت ادا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا کسی دوسری دعاء کو خلاف سنت کہنا صحیح نہیں ہے فالمسنون القعود بهذ المقدار سواء قرأ هذا الدعاء او

دعاء آخر اوصلى على النبي صلى الله عليه وسلم او سكت (رسائل الاركان ص ۱۳۳ فصل فی النوافل الراتبة مع الفرائض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

فجر اور عصر میں امام دعاء کے لئے کس طرف منہ کرے؟:

(سوال ۳۱) فجر اور عصر کی نماز کے سلام پھیرنے کے بعد امام کو کس طرف منہ کرکے بیٹھنا افضل ہے؟

(الجواب) سیدھی طرف مڑکر بیٹھنا افضل ہے لیکن اس پر مداومت نہ کرے گاہے گاہے بائیں طرف بھی مڑکر بیٹھے تاکہ سیدھی طرف مڑکر بیٹھنے کو لوگ ضروری نہ سمجھ لیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ۔ لا يجعل احد كم للشيطان شيئا من صلوته يرى ان حقا عليه ان لا ينصرف الا عن يمينه لقدر أيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره (متفق عليه) یعنی: تم لوگ ایسا نہ کرو کہ اپنی نماز میں کچھ حصہ شیطان کے لئے کرلو کہ سمجھنے لگو یہ لازم اور فرض ہے کہ صرف داہنی جانب ہی کو مڑے۔ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو بسا اوقات بائیں طرف مڑتے ہوئے دیکھا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۸۷ باب الدعآء فی التشهد) وفيه ان من اصر على امر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطان من الا ضلال فكيف من اصر على بدعة او منكر. (مرقاة شرح مشكوٰة ايضاً ص ۳۵۳ ج ۲ مطبع امدادیہ ملتان)

ترجمہ:- جو کوئی امر مندوب یا مستحب پر ایسا اصرار کرے کہ اس کو واجب اور لازم کرلے اور کبھی جواز اور رخصت پر عمل نہ کرے۔ تو بے شک ایسے شخص کو گمراہ کرنے میں شیطان کامیاب ہوگیا (جب مستحب کا یہ حال ہو کہ اصرار کرنا اور ضرورت سے زیادہ اہمیت گمراہی ہو تو غور کرو) جو شخص بدعت اور فعل منکر پر اصرار کرے گا۔ اس کا کیا حکم ہوگا۔ اور صاحب مجمع البحار نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان المندوب ينقلب مكروها اذا خيف ان يرفع عن رتبته.

ترجمہ:- بے شک کسی امر مستحب کو اس کے مرتبہ سے بڑھا دیا جائے۔ یعنی اسے ضروری سمجھ لیا جائے اعتقاداً یا عملاً تو وہ مکروہ ہوجاتا ہے۔ (ج ۲ ص ۲۲۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اللهم انت السلام اور لا اله الا الله وغیرہ چند وظائف نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ والاولى ان يأتي بهذه الاذكار قبل الرواتب فانه جاء في بعض الاذكار ما يدل على ذلک نصاً.

(ترجمہ) اولیٰ یہ ہے کہ ان اذکار کو سنتوں سے پہلے پڑھ لیا کریں کیونکہ بعض اذکار کے متعلق ایسے ارشادات موجود ہیں جو صراحت سے اس پر دلالت کرتے ہیں۔ (اذكار الصلاة وهيئاتها المندوب اليها، اذكار مابعد الصلاة حجة الله البالغہ ج ۲ ص ۴۹)

الغرض بہت سی دعائیں اور وظائف ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد ان کے پڑھنے کی فضیلت احادیث شریف میں وارد ہوئی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام اوراد ہر نماز کے بعد پڑھے جائیں بلکہ ان میں سے بعض کا پڑھ لینا ادائیگی سنت کے لئے کافی ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”ظاہر آنست کہ فعل آنحضرت ﷺ ہم بریں نمط بودہ نہ آں کہ بر جمیع دعوات در جمیع اوقات مواظبت نمودہ (شرح سفر السعادۃ ص ۱۱۸)

الحاصل اللھم انت السلام الخ کے ساتھ دوسری دعائیں ملائی جاسکتی ہیں ۔اگر سنت پڑھنے میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ ایسی ہی تاخیر ہے جیسے گھر جا کر سنتوں کے پڑھنے میں ہوتی ہے ایسی تاخیر سے ثواب میں کمی نہیں آتی ،حضرت شاہ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ سنت پڑھنے میں تعجیل کا حکم ،سنت سے پہلے آیت الکرسی اور ایسے دوسرے اذکار کے مخالف نہیں ہے ۔(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۹۸) باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔

البتہ طویل طویل دعائیں پڑھنے کی امام کو عادت نہ بنالینی چاہئے جس سے سنت میں تاخیر ہو (اور نمازی پر بھی گراں گزرے) فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے ۔زیادہ تفصیل کے لئے دیکھئے "النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعد المکتوبۃ" فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

نماز با جماعت کے بعد اردو میں دعا مانگنا:

(سوال) نماز با جماعت کے بعد اردو میں دعا مانگنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا ۔

(الجواب) نماز با جماعت کے بعد عربی میں مسنون ہے دوسری زبان میں خلاف فضل ہے لہٰذا اس کی عادت نہ کی جائے ۔ واللہ اعلم

دعاء ماثورہ میں اضافہ:

(سوال ۳۲) فرض نماز کے بعد اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام ۔ میں بعض امام ومنک السلام کے بعد والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام بڑھا دیتے ہیں ۔کیا یہ جائز ہے؟

(الجواب) فرض نماز کے بعد کی مسنون ادعیہ میں اپنی طرف سے ان الفاظ کے اضافہ کی عادت خلاف سنت ہے ۔حضرت علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ ومنک السلام کے بعد مذکورہ الفاظ کی زیادتی کی گئی ہے یہ حدیث سے ثابت نہیں بے اصل ہے واعظین کی ایجاد ہے قال الشیخ الجزری رحمہ اللہ فی تصحیح المصابیح واما یزاد بعد قولہ ومنک السلام من نحو والیک یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا دارک دار السلام فلا اصل لہ بل مختلق بعض القصاص (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۵۸ ایضاً) (مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل سے فارغ ہوکر فاتحہ پڑھنا (دعاء ثانی)

(سوال ۳۳) ظہر ،مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد دعا مانگنے کے دو طریقے دیکھے جاتے ہیں ۔پہلا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد امام ومقتدی مل کر اللھم انت السلام الخ کے ساتھ دوسری چند ادعیۂ ماثورہ (مگر زیادہ طویل نہیں) مانگی جاتی ہیں ۔اس کے بعد سنن ونوافل مسجد میں یا گھر جا کر پڑھ کر خود بخود دعا کر لیتے ہیں ،امام ومقتدی جمع ہوکر دعا نہیں کی جاتی ۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض کے بعد فقط اللھم انت السلام الخ والی دعا مانگی جاتی ہے ،پھر سنن وغیرہ مسجد میں پڑھ کر امام ومقتدی اکٹھے ہوکر الفاتحہ کہہ کر جماعت سے دعاء کی جاتی ہے ،اس سے مصلی کو بڑی تشویش ہوتی ہے ،اس طریقہ کو (سنن کے بعد مل کر زور زور سے دعا کرنے کو) ضروری سمجھا جاتا ہے ۔بڑے اہتمام ،التزام اور

پابندیوں سے کیا جاتا ہے ،کبھی بھی فوت نہ ہو ،امام کے ساتھ شرط کی جاتی ہے کہ اس طرح فاتحہ پڑھنا ہوگا ۔مذکورہ طریقہ کے ثبوت میں آیت قرآنی فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب (آپ جب فارغ ہوں تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب کی طرف ہی رغبت کرو) اور حدیث رسول ﷺ الدعاء مخ العبادۃ (دعا عبادت کا مغز ہے) پیش کرتے ہیں اور پہلے طریقہ والے کو تارک فاتحہ ،منکر دعا ،وہابی ،بدعقیدہ کہتے ہیں اور اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھتے ہیں ،ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ۔ان دونوں میں مطابق سنت کون سا طریقہ ہے پہلا یا دوسرا؟

(الجواب) مسنون یہ ہے کہ جس طرح فرض نماز جماعت سے پڑھی دعا بھی جماعت کے ساتھ کی جائے یعنی امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگیں اور جس طرح سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھی ہیں دعا بھی الگ الگ مانگیں ۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں دونوں طریقوں میں سے پہلا طریقہ مسنون اور مطابق سنت ہے ،دوسرا طریقہ خلاف سنت ،بے اصل ،منگھڑت اور بلا دلیل ہے ۔الگ الگ سنتیں اور نفل پڑھنے کے بعد سب کا اکٹھا ہونا اور اکٹھے ہوکر دعا مانگنا نہ آنحضرت ﷺ کے کسی عمل اور فرمان سے ثابت ہے نہ صحابہؓ وتابعینؒ ،تبع تابعینؒ اور ائمہ دین میں سے کسی کے قول وعمل سے ثابت ہے آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور سلف صالحین (رضی اللہ عنہم) کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز جماعت سے ادا فرما کر دعا بھی جماعت کے ساتھ (امام اور مقتدی سب مل کر) مانگا کرتے تھے اور پھر سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھا کرتے تو دعا بھی الگ الگ مانگا کرتے تھے ۔احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سنن گھر جا کر پڑھتے تھے اور صحابہؓ کو بھی یہی ہدایت فرماتے ،ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسجد بنی عبدالاشہل میں نماز مغرب ادا فرمائی ۔نماز کے بعد دیکھا کہ جماعت میں شریک ہونے والے مسجد ہی میں سنتیں اور نفلیں پڑھ رہے ہیں ۔فرمایا یہ نمازیں تو گھر میں پڑھنے کی ہیں (ابوداؤد) اور ترمذی ونسائی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۵)(۱)

بہرحال جب یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ اکثر وبیشتر سنتیں گھر جا کر ادا فرماتے تھے تو امام ومقتدی مل کر با جماعت دعا مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔کیا سنتیں گھر میں پڑھ کر دوبارہ مسجد میں جمع ہوتے تھے؟ اور جماعت کے ساتھ دعا مانگا کرتے تھے ۔دعاء مانگنے کے لئے دولت خانہ سے مسجد میں آنا تو درکنار واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی مصلحت یا ضرورت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو مسجد میں سنتیں پڑھنے کا اتفاق ہوا تب بھی آپ ﷺ نے مقتدیوں کے ساتھ مل کر دعا نہیں فرمائی بلکہ آنحضرت ﷺ سنتوں میں مشغول رہتے اور مقتدی اپنی اپنی نمازوں سے فارغ ہوکر آنحضرت ﷺ کی فراغت کا انتظار کئے بغیر ایک ایک کر کے چلے جاتے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بعد نماز مغرب سنتوں میں اتنی طویل قرأت فرماتے تھے کہ مصلی مسجد میں سے چلے جاتے تھے (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۱ باب رکعتی المغرب این تصلیان

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القرأۃ فی الرکعتین بعد المغرب حتی یتفرق اھل المسجد .

اور حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا ۔

(۱) عن کعب بن عجرۃ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی مسجد بنی عبدالاشھل وصلی فیہ المغرب فلما قضوا صلوتھم راٰھم یسبحون بعدھا فقال ھذہ صلوٰۃ البیوت . باب السنن وفضلھا)

آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر نماز میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ مسجد میں سوائے آپ ﷺ کے کوئی باقی نہ رہا۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۰۱ باب التطوع فی المسجد)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ سنن کے بعد امام و مقتدی مل کر دعا مانگنے کا دستور تھا ہی نہیں لہٰذا یہ دستور اور طریقہ خلاف سنت ہے اس کو ترک کرنا لازم ہے، اس لئے کہ قبولیت عمل کے لئے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ وہ مطابق سنت ہو۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ آیت کریمہ لیبلوکم ایکم احسن عملاً کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لان العمل اذا کان خالصاً غیر صواب لم یقبل وکذلک اذا کان صواباً غیر خالص فالخالص ان یکون لوجہ اللہ والصواب ان یکون علی السنۃ" یعنی جو عمل خالص (خالص خدا کے لئے) ہو مگر صواب (مطابق سنت) نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہے، اس طرح جو عمل صواب (مطابق سنت) ہو مگر خالص نہ ہو وہ بھی مقبول نہیں ہوتا عمل وہی مقبول ہوتا ہے جو خالص ہو اور صواب یعنی مطابق سنت بھی ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۴۳) (العبودیہ ص ۱۹۔۲۰)

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے۔ لا یستقیم قول وعمل ونیۃ الا بموافقۃ السنۃ (کوئی قول و عمل اور نیت ٹھیک نہیں ہوتی جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنت کے مطابق نہ ہو) (تلبیس ابلیس ص ۹)

حضرت غوث الاعظمؒ کا ارشاد ہے ولا عمل بلا اخلاص واصابۃ السنۃ (اور کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا بغیر اخلاص اور سنت کی موافقت کے۔ (الفتح الربانی م ۲ ص ۱۴)

حضرت احمد بن الحواریؒ فرماتے ہیں کہ من عمل عملاً بلا اتباع سنۃ فباطل عملہ یعنی جو بھی عمل سنت کی اتباع کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل ہے (الاعتصام ج ۱ ص ۱۱۴)

حضرت امام غزالی کا ارشاد ہے "اگر تم کوئی کام بدون حکم شارع علیہ السلام کے کرو اگرچہ وہ بشکل عبادت ہی ہو تو وہ عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے۔" (خط حضرت امام غزالیؒ بنام خاص شاگرد خود ص ۷)

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ "سعادت دارین سرور کونین ﷺ کی اتباع پر موقوف ہے، جہنم سے نجات اور دخول بسنت سید الابرار قدوۃ الانبیاء ﷺ کی اطاعت پر موقوف ہے، اسی طرح خدا کی رضا مندی رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے، توبہ، زہد و تقویٰ، توکل و تبتل آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے بغیر مقبول نہیں ہے اور ذکر و فکر، ذوق و شوق آنحضرت ﷺ سے تعلق کے بغیر نا قابل اعتبار ہے (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) (مکتوب نمبر ۱۰ بنام خواجہ محمد دیناز)

اور فرماتے ہیں کہ "سنت نبوی کی روشنی کے بغیر صراط مستقیم دشوار ہے اور راہ نبوت اختیار کئے بغیر حصول نجات محض خیال ہے۔" (مکتوب نمبر ۲۲ بنام محمد حنیفؒ)

ایک بزرگ کا ارشاد ہے:۔

(۱)
بہ زہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفٰے ﷺ

(ترجمہ) پرہیز گاری و پارسائی اور سچائی اور صفائی میں کوشش کر لیکن آنحضرت ﷺ سے آگے نہ بڑھ"

مطلب یہ کہ جیسا اور جتنا کیا ہے ایسا اور اتنا کر اپنی طرف سے زیادتی نہ کر۔

(۲)
خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

جو شخص پیغمبر ﷺ سے الٹی راہ اختیار کرے گا وہ کبھی منزل مقصود پر پہنچ نہ سکے گا۔

(۳)
پندار سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز برپئے مصطفٰے

سعدی۔ ایسا گمان ہرگز نہ کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلے بغیر صراط مستقیم اور صفائی کا راستہ پا سکو گے۔

حضرت ابو العالیہ جلیل القدر تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں علیکم بالامر الاول الذی کانوا علیہ قبل ان یفترقوا (تم پر وہ پہلا طریقہ واجب ہے کہ جس پر اہل ایمان پھوٹ پڑنے سے پہلے متفق تھے) (تلبیس ابلیس ص ۸)

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اصبر نفسک علی السنۃ وقف حیث وقف القوم وقل بما قالوا وکف عما کفوا عنہ واسلک سبیل سلفک الصالحین. طریقہ سنت پر اپنے آپ کو مضبوطی سے جمائے رکھو۔ جہاں قوم (جماعت صحابہ) ٹھیر گئی تم بھی ٹھہر جاؤ۔ جو ان بزرگوں نے فرمایا وہی تم بھی کہو۔ جس کے بیان سے یہ حضرات رک گئے تم بھی رک جاؤ (عقل نہ چلاؤ) اور اپنے سلف صالحین کے راستہ پر چلتے رہو۔ (تلبیس ابلیس)

حضرت علامہ ابن الحاج کا فرمان ہے فنحن متبعون لا مبتدعون فحیث وقف سلفنا وقفنا. یعنی ہم سلف صالحین (صحابہؓ وغیرہم) کی پیری کرنے والے ہیں، ایجاد کرنے والے نہیں ہیں تو جہاں ہمارے سلف ٹھیر گئے ہم بھی ٹھیر جائیں گے۔" (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۵۴)

اسی لئے سورج گہن کی نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے کہ ثابت ہے اور چاند گرہن کی نماز الگ الگ پڑھی جاتی ہے کہ جماعت ثابت نہیں ہے۔

عید الاضحیٰ کے روز عیدگاہ آتے جاتے زور سے تکبیر پڑھتے ہیں کہ ثابت ہے اور عید الفطر میں آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں کہ زور سے پڑھنا ثابت نہیں ہے، جمعہ کی نماز کے لئے دو اذانیں اور ایک اقامت کہی جاتی ہے کہ ثابت ہے اور عید کے لئے نہ اذان کہی جاتی ہے نہ اقامت کہ ثابت نہیں ہے۔

نماز وتر ہلال رمضان دیکھ کر باجماعت پڑھتے ہیں کہ ثابت ہے اور عید الفطر کا چاند دیکھتے ہی الگ الگ پڑھنے لگ جاتے ہیں کہ جماعت ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح فرائض کے بعد امام و مقتدی مل کر اجتماعی دعا کرتے ہیں کہ ثابت ہے اور سنن وغیرہ منفرداً پڑھ کر دعا بھی منفرداً (تنہا تنہا) مانگ لیتے ہیں کہ جماعت سے ثابت نہیں ہے۔ اس میں کیا خطا ہے؟

الغرض سوال میں جو دوسرا طریقہ بیان کیا گیا ہے اس کو امر دینی سمجھنا اور سنت کی طرح تھامے رکھنا دین میں اپنی طرف سے کمی بیشی کرنے کے مرادف ہے جو بالکل ناجائز اور گناہ ہے امیر المومنین حضرت علیؓ نے عید کے روز عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے ایک آدمی کو نفل نماز پڑھنے سے روکا تو اس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین اللہ نماز پڑھنے

سے عذاب نہیں کرے گا (تو پھر مجھے نماز سے کیوں روکا جارہا ہے؟) حضرت علیؓ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ کسی کام پر ثواب نہیں دیتا جب تک رسول اللہ ﷺ نے اسے نہ کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو۔ تیری یہ نماز عبث ہوگئی اور (عبادت میں) عبث کام حرام ہے یعنی شاید خدا تجھ کو اس پر عذاب دے اس لئے کہ تو نے پیغمبر ﷺ کے خلاف کیا۔ مجالس الابرار ص ۱۲۹)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "جس نے اسلام میں نئی بات ایجاد کی اور اسے بہتر سمجھا تو اس نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو احکام خداوندی کی تبلیغ میں (معاذ اللہ) خیانت اور کمی کرنے والا ٹھیرایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم (آج میں نے دین مکمل کردیا) تو جو کام حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں دین میں داخل نہیں تھا (جس کو نہ خود آپ ﷺ نے کیا اور نہ کرنے کی ترغیب دی) وہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہوسکتا۔ فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا. (الاعتصام ج ۱ ص ۴۸)

الغرض کوئی بھی انفرادی یا اجتماعی کام جس طرح سید الانبیاء محبوب رب العالمین ﷺ نے کیا ہے اسی طرح کرنا اطاعت اور فرمانبرداری ہے اور جس قدر مشابہت بڑھتی رہے گی اس کام کی فضیلت بڑھتی رہے گی اور اس میں کمال پیدا ہوتا رہے گا اور جتنا وہ مشابہت اور ہو بہو ہونے سے ہٹتا رہے گا ناقص ہوتا رہے گا اور بالکل ہٹا ہوا ہوگا تو بدعت وضلالت ہوگا۔

اشراق اور چاشت کی نفلیں بہت فضیلت رکھتی ہیں مگر آنحضرت ﷺ نے بلا جماعت کے تنہا اپنے دولت کدہ میں یہ نفلیں پڑھی ہیں۔ ان کو اعلان ومظاہرہ کے ساتھ مسجد میں پڑھا جائے یا ان کے لئے جماعت کی جائے تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے عاشق رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو بدعت فرمایا ہے۔ عن مجاهد قال دخلت انا وعروة بن الزبير المسجد فاذا عبد الله بن عمر جالس الى حجرة عائشة واذا اناس يصلون فى المسجد صلوة الضحىٰ قال فسألناه عن صلوتهم فقال بدعة (بخاری شریف ابواب العمرة باب كم اعتمر النبى صلى الله عليه وسلم ج ۱ ص ۲۳۸ وادا!!) عن ابن عمر انه قال فى الضحىٰ هى بدعة فمحمول على ان صلوتها فى المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة. (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۴۹ باب استحباب صلوة الضحىٰ الخ)

حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے ان كان ولا بد ففى بيوتكم (اگر تمہیں (نماز چاشت) پڑھنی ہی ہے تو اپنے گھروں میں پڑھو) (فتح الباری ج ۳ ص ۴۴۳ ابواب العمرۃ باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابن مسعودؓ کو خبر دی گئی کہ ایک جماعت مغرب کے بعد بیٹھتی ہے۔ ایک شخص کہتا ہے اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو اتنی بار سبحان اللہ اور اتنی بار الحمد للہ کہو، وہ لوگ کہتے جاتے ہیں۔ سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ جو کچھ وہ کر رہے تھے اس کو سنا اور دیکھا۔ پھر فرمایا۔ میں عبداللہ بن مسعود ہوں اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے نہایت تاریک بدعت ہے جس میں تم مبتلا ہو ورنہ یہ کہو کہ تم اتنے بڑے صاحب علم ہو کہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ سے بھی بڑھ گئے ہو، پھر ان کو مسجد سے نکال دیا۔ (مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۲۵) (الاعتصام ج ۲ ص ۱۶۵)

دیکھئے۔ ان تسبیحات کے پڑھنے میں کوئی اختلاف یا قابل مواخذہ بات نہیں ہے۔ مگر پڑھنے کا طریقہ اور اس کا التزام خلاف سنت تھا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے اس کو بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔

اسی لئے امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ "عبادات میں مخصوص کیفیات اور مخصوص طریقے اور اوقات مقرر کرلینا جو شریعت میں وارد نہیں ہیں بدعت اور ناجائز ہے (الاعتصام ج ۱ ص ۴۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ کام جس کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ترغیب نہ ہو اس کی ترغیب اور جس کا وقت مقرر نہ ہو اس کا وقت مقرر کرلینا سنت سید الانام ﷺ کے خلاف ہے اور مخالفت سنت حرام ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۹۹) ولان ذكر الله تعالىٰ اذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت اوبشئى دون شئى لم يكن مشروعاً حيث لم يرد الشرع به لانه خلاف المشروع (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹ باب العيدين تحت قوله غير مكبر و متنفل قبلها)

اور حضرت امام قرطبی فرماتے ہیں کہ "کسی عبادت کو خاص کرلینا کسی وقت یا کسی جگہ کے ساتھ جس کے لئے نبی ﷺ کی کوئی حدیث یا حکم نہیں ہے ممنوع ہے اور اس کو عقیدہ بنالینا حرام ہے۔"

اسی لئے فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ عیدین، شب برأت اور رمضان کی اخیری دس رات اور ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں میں بیدار رہ کر عبادت کرنا مستحب ہے، مگر اس کے لئے مسجدوں میں جمع ہونا مکروہ ہے کیونکہ نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام سے (رضی اللہ عنہم) ومن المندوبات احياء ليالى العشر عن رمضان وليلتى العيدين وليالى عشر ذى الحجة وليلة النصف من شعبان كما وردت به الاحاديث وذكرها فى الترغيب والترهيب مفصلة والمراد باحياء الليل قيامه' وظاهره الاستيعاب ويجوزان يراد غالبه ويكره الاجتماع على احياء ليلة من هذه الليالى فى المساجد. (بحر الرائق ج ۲ ص ۵۲ باب الوتر والنوافل تحت قوله وندب الاربع قبل العصر الخ)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں "افسوس ہزار افسوس بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلا موجود نیست دریں طریقہ علیہ احداث نمودہ اند ونماز تہجد را بجماعت میگزارند، اطراف وجوانب در آنوقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند وبجمعیت تمام ادامی نمایند وایں عمل مکروہ است بکراہت تحریمہ" (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۴۴ مکتوب نمبر ۱۳۱) (ترجمہ) افسوس ہزار افسوس کہ جن بدعات کا دوسرے بزرگوں کے سلسلوں میں بالکل وجود نہیں ہے اس عظیم الشان طریقہ (نقش بندیہ) میں پیدا کردی گئی ہیں اور نماز تہجد جماعت سے پڑھتے ہیں، اس وقت آس پاس کے لوگ جمع ہوکر تہجد ادا کرتے ہیں اور بڑی جماعت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمی۔"

دیکھئے! نماز تہجد اکیلے پڑھنے کے بجائے جماعت سے پڑھنے کا دستور بنالیا گیا، تو امام ربانی نے سخت ممانعت فرمائی اور اس کو مکروہ تحریمی ٹھیرایا۔

سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعاء کے ثبوت کے لئے آیت قرآنی فاذا فرغت فانصب اور مذکورہ حدیث (الدعاء مخ العبادۃ) پیش کرنا جہالت کی دلیل ہے، نماز کے بعد دعا کا کون منکر ہے؟ سوال تو سنن کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنے کے متعلق ہے، اس کے لئے آیت قرآنی اور حدیث صحیح تو درکنار، حدیث ضعیف بھی پیش نہیں

کر سکتے ، اگر آیت مذکورہ سنن کے بعد دعاء اجتماعی کے متعلق ہے تو پھر آنحضرت ﷺ فرائض ادا کر کے حجرۂ مبارکہ میں کیوں تشریف لے جاتے تھے؟

ایسے بے اصل اور بلا دلیل خلاف سنت طریقہ کو اسلامی عقیدہ اور اہل سنت والجماعت کے علامت اور شعار بنالینا اور نہ کرنے والے کو منکر دعا ، وہابی ، بدعقیدہ اور اہل سنت والجماعت سے خارج بتلانا کہاں کی شریعت اور کہاں کی سنت اور کہاں کا انصاف ہے؟؟؟

بے شک یہ وہی زمانہ آ گیا ہے جس کی پیشنگوئی تیرہ سو سال پہلے آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی ہو چکی ہے کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ شائع شدہ بدعت کو سنت ٹھیرالیا جائے گا اگر تم اس میں تغیر کرو گے تو کہیں گے کہ سنت میں تغیر کر رہے ہو ، تمہیں منکر سنت کے نام سے مشہور کریں گے۔

(۱) حدیث میں سونے اور جاگنے کے وقت کی دعائیں آئی ہیں اور ثابت ہیں اور
(۲) گھر سے نکلتے وقت اور گھر میں داخل ہوتے وقت پڑھنے کی دعائیں۔
(۳) مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا۔
(۴) کھانے سے پہلے اور اس کے بعد پڑھنے کی دعاء۔
(۵) صبح شام پڑھنے کی دعا۔
(۶) وضو سے پہلے اور بعد میں اور درمیان میں پڑھنے کی دعا۔
(۷) چاند دیکھنے اور چاند سورج گرہن کی دعا۔
(۸) کپڑے پہننے کی دعا۔
(۹) سفر میں جاتے وقت اور واپس آتے وقت کی دعا۔
(۱۰) وداع کرنے کی دعاء۔

مبارک بادی ، تیمار داری ، ماتم پرسی اور حدیہ ہے کہ جماع سے پہلے اور جماع کے بعد اور بیت الخلا میں جانے سے قبل اور نکلنے کے بعد پڑھنے کی دعائیں بھی آئی ہیں۔

الحاصل صبح سے شام تک سینکڑوں دعائیں پڑھنی مسنون ہیں ، انہیں کوئی نہیں پڑھتا ، کسی کو یاد بھی نہیں ہیں اور اس کی کسی کو فکر بھی نہیں ہے۔ فکر ہے تو بدعت کی یا مسنون دعائیں چھوڑ کر غیر مسنون ، غیر ثابت اور خلاف سنت امور کرنے کرانے اور انہیں قائم رکھنے کی جان توڑ کوشش کی جاتی ہے ، افسوس یہ وہی زمانہ آ گیا ہے جس کی پیشنگوئی حضرت ابن عباسؓ نے فرمائی ہے۔ لا یاتی علی الناس زمان الا اماتوا فیہ سنۃ واحیوا بدعۃ. یعنی ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ سنت طریقے کو نیست و نابود کریں گے اور بدعت کو زندہ اور جاری کریں گے (غنیۃ الطالبین ص ۵۸)

رخصت کرنے کے وقت جس طرح نہایت ضروری اور اہم نصیحتیں کی جاتی ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جوامع کو نصیحتیں فرمائیں ان میں سب سے زیادہ اہم وصیت یہ ہے۔ آپ نے فرمایا (ﷺ) میرے بعد بہت کچھ اختلافات رونما ہوں گے۔ پس تم پر لازم اور ضروری ہے کہ میری سنت (میرے طریقہ) کو اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو (جو من جانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں مضبوطی سے سنبھالے رکھو اس کو دانتوں اور کونچلیوں سے پکڑ لو۔ نئی باتوں

20

سے جو ایجاد کی جائیں پوری احتیاط برتو اور ان سے قطعاً الگ رہو کیونکہ ہر ایجاد کردہ فعل بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام)

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے سلف صالحین کسی ایک چیز کو برداشت نہیں کرتے تھے جو سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی معمولی فعل معلوم ہوتا ہو۔ مثلاً:۔

حضرت عمارہ بن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے دیکھا تو بددعا فرمائی کہ خدا خراب کرے ان دونوں چھوٹے چھوٹے نکمے ہاتھوں کو۔ پھر فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کو بھی خطبہ دیتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔ حضرت عمارہ نے انگشت شہادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کبھی بھی اس سے زیادہ نہیں کیا کرتے تھے ، یعنی ہاتھوں کو حرکت نہیں دیا کرتے تھے بلکہ ضرورت ہوتی تھی تو انگشت شہادت سے اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۸ باب ماجاء فی کراھیۃ رفع الایدی علی المنبر)

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے نے نماز میں سورۂ فاتحہ کی ابتداء میں بسم اللہ زور سے پڑھی تو حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے فرمایا بیٹا! بدعت ہے اس سے احتیاط برتو۔ بدعت کے پاس بھی مت جاؤ صحابہ میں سے کسی کو بھی بدعت سے زیادہ دوسری کسی چیز سے بغض رکھتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا" (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الحمد ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

میں نے آنحضرت ﷺ پھر حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ زور سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الحمد ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

حضرت امام نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی۔ اس نے کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ حضرت عبداللہ نے فوراً ٹوکا۔ والسلام علی رسول اللہ کی زیادتی کو ناپسند فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا آنحضرت ﷺ نے اس طرح پڑھنے کی تعلیم نہیں دی آپ نے (صرف) الحمد للہ علی کل حال پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔ ترمذی .باب مایقول العاطس اذا عطس ج. ۲ ص ۱۰۳

حضرت ابو مالک الاشجعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد طارقؓ سے پوچھا کہ آپ نے رسول خدا ﷺ ، حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے پیچھے نماز پڑھی ہے؟ کیا یہ حضرات نماز صبح میں دعاء قنوت پڑھتے تھے؟ جواب دیا کہ " بیٹا " بدعت ہے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۳ باب فی ترک القنوت) (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۳۲)

ایک بنیادی نکتہ جو کبھی فراموش نہ ہونا چاہئے:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق ہیں۔ ان کے جذبات و رجحانات صراط مستقیم کے مقدس نشانات اور دین کامل کی عملی تصویریں ہیں۔ کیونکہ دین حق کے بانی حضرت حق جل مجدہ نے اپنے کلام پاک میں شہادت دی ہے کہ یہی ہیں راہ راست پر۔ اولئک ھم الراشدون (سورہ حجرات ع ۱) یہی ہیں وہ پاک نفوس

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ ایمان کو ان کے دلوں میں سجا دیا ہے۔ کفر فسق اور معصیت سے بہت سخت اور شدید نفرت ان کے اندر پیدا کر دی ہے (سورۂ حجرات ع۱) پرہیزگاری پر ان کو پختہ کر دیا ہے۔ کلمۂ تقوے ان کے لئے لازم کر دیا ہے اور ان پر چپکا دیا ہے۔ یہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے سب سے زیادہ مستحق اور اس کے پورے اہل ہیں۔ سورہ فتح ع۳۔

غور فرمائیے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر شہادت کس کی ہوسکتی ہے۔ ان شہادتوں کا بار بار مطالعہ کیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ جب یہ اکابر خلاف سنت معمولی سی بات کو بھی بدعت فرما دیتے ہیں اور بدعت سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ کسی چیز سے اتنی نفرت نہیں کرتے تو ایک صاحب ایمان کے لئے کہاں گنجائش نکلتی ہے کہ وہ کسی بدعت کو اختیار کرے اور اس کو وظیفہ عمل بنالے (معاذ اللہ) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بدعت سے نفرت حب صحابہ کی علامت ہوگی اور جس قدر صحابہ کرام سے زیادہ محبت ہوگی اتنی ہی زیادہ بدعت سے نفرت ہوگی۔ حق تعالیٰ اپنے حبیب کے وسیلے سے ہمیں اچھی سمجھ، سنت کی حقیقی محبت اور بدعت سے حقیقی نفرت عطا فرمائے آمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

(سوال ۳۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فرض نمازوں کے بعد امام کے ساتھ مقتدیوں کا اجتماعی حیثیت سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کسی صحیح یا ضعیف حدیث یا کسی دلیل سے ثابت ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں اس کے متعلق بہت اختلاف ہو رہا ہے جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ (از بنگلہ دیش)

(الجواب) فرض نمازوں کے بعد دعا مسنونہ میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا منقول اور ثابت ہے، احقر کے بزرگوں میں محدث حضرت سید قاضی رحمت اللہ لاجپوری ثم راندیری رحمہ اللہ نے غیر مقلدین کے اعتراضات کے سلسلہ میں چند رسائل لکھے ہیں، منجملہ ان کے ایک رسالہ "ترتیب المسائل علی اقوی الدلائل" کے آخر میں خاص اسی موضوع پر ایک فتویٰ نقل فرمایا ہے، جس پر بڑے بڑے علمائے کرام مقلدین و غیر مقلدین کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں، اس کو ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

حضرت مولانا سید قاضی رحمت اللہ صاحب محدث راندیرا اپنے رسالہ کے اختتام پر ارقام فرماتے ہیں:۔

"اب میں رسالہ کو ختم کرتا ہوں، ایک ضروری مسئلہ کثیر الوقوع پر اور وہ مسئلہ بعد نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ہے، جس کو علمائے احناف اور غیر مقلدین بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں اور سب نے اپنے اپنے دستخط اس پر کر دیئے اور مستحب ثابت کر دیا ہے وہ مسئلہ بعینہا نقل کر کے پیش نظر ناظرین کئے دیتا ہوں، چونکہ وہ زبان فارسی میں ہے اور عوام اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں، لہٰذا اس کا ترجمہ اردو میں خاکسار نے کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو اور اس کا اجر عند اللہ چاہتا ہوں۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔"

استفسار:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا دعا میں بعد ادائے

نماز کے جیسا کہ معمول اماموں کا ہے، احادیث قولیہ یا فعلیہ سے ثابت ہے یا نہ۔ ہر چند کہ اس کو فقہاء مستحسن لکھتے ہیں اور احادیث سے مطلق دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا ثابت ہے، لیکن اس بارہ میں خاص طور پر بھی کوئی حدیث وارد ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک حدیث وارد ہے، چنانچہ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنیؒ نے کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لکھا ہے۔ حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید الیالسی حدثنا عبد العزیز بن عبدالرحمن القرشی عن حفید، عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوۃ ثم یقول اللھم الھی واله ابراھیم واسحاق ویعقوب واله جبریل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی ممسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبین۔ اگر یوں کہا جاوے کہ اس روایت کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن ہے اور وہ متکلم فیہ ہے، چنانچہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مصرح ہے تو کہا جاوے گا کہ حدیث ضعیف اثبات استحباب کے لئے کافی ہے، چنانچہ ابن ہمام فتح القدیر کی کتاب الجنائز میں لکھتے ہیں:۔ والا ستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتھی۔ واللہ اعلم۔

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی (ابو الحسنات محمد عبدالحی ۱۲۸۱) (محمد سعد اللہ)

یہ جواب صحیح اور یہ رائے قوی ہے اور تائید کرتی ہے اس کی وہ حدیث جس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے اسود العامری سے وہ اپنے باپ سے قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا۔ الحدیث۔ پس ثابت ہوا بعد نماز مفروضہ کے ہاتھوں کا اٹھانا دعا میں سید الانبیاء اور پیشوائے اتقیاء ﷺ سے چنانچہ علماء از کیا پر پوشیدہ نہیں ہے۔ حررہ السید شریف حسین عفا اللہ عنہ فی الدارین۔ (سید شریف حسین ۱۲۸۸) (حسبنا اللہ حفیظ اللہ) (محمد عبدالرب) (سید احمد حسین ۱۲۸۶) (سید محمد نذیر حسین ۱۲۸)

جیسا کہ حدیث سے جو جواب میں مذکور ہوئی ہے رفع یدین بعد نماز کے دعا میں ثابت ہے اسی طرح اس حدیث سے کہ ابن ماجہ قزوینی میں مرقوم ہے اس سے بھی ثابت ہے:۔ حدثنا ابو بکر بن ابی شیبہ ثنا شبابۃ بن سوار ثنا شعبۃ حدثنی عبداللہ بن سعید عن انس بن ابی انس عن عبداللہ بن نافع بن العمیاء عن عبداللہ بن الحارث عن المطلب یعنی ابن ابی وداعۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ وتشھد فی کل رکعتین وتباس و تمسکن وتقنع وتقول اللھم اغفرلی فمن لم یفعل ذلک فھی خداج قولہ تقنع من باب الافعال ای ترفع یدیک بعد الصلوۃ وقت الدعاء ۱۲۔

تقریر مولانا و مرشدنا حاجی الحرمین الشریفین المہاجر فی سبیل اللہ تعالیٰ محمد اسحاق المشہور فی الآفاق المحدث الدھلوی مولداً والمکی مضجعاً غفر اللہ لی ولہ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کی ومنہ حدیث الدعاء تقنع یدیک ای ترفعھما (نھایۃ الجزری) ومنہ

حدیث الدعاء تقنع یدیک ای ترفعهما الی الله بالدعاء (مجمع البحار) لیکن اس حدیث کی اسناد میں عبداللہ بن نافع بن العمیاء ہے اور یہ مجہول ہے چنانچہ تقریب میں مرقوم ہے مجہول من الثالثة لیکن جہالت راوی سے حدیث موضوع نہیں ہوتی ہے، البتہ ضعیف ہوتی ہے اور عمل کرنا حدیث ضعیف کے ساتھ فضائل اعمال میں جائز ہے، اتفاقاً، چنانچہ ملا علی قاری نے رسالہ فضل شعبان میں لکھا ہے۔ قلت جهالة بعض الرواة لا تقتضی کون الحدیث موضوعاً کذا نکارة الالفاظ فینبغی ان یحکم بانه ضعیف ثم یعمل بالضعیف فی فضائل الاعمال اتفاقاً و در بعضے احکام عمل بحدیث ضعیف جائز ہے، بعضوں کے نزدیک اس وقت کہ اس میں احتیاط ہو، چنانچہ شامی میں مسطور ہے قال السیوطی ویعمل به ایضا فی الاحکام اذا کان فیه احتیاط، اور جب کہ رفع یدین وقت دعا کے مطلقاً حدیث صحیح سے ثابت ہے لہذا عمل کرنا حدیث ضعیف مذکور کے ساتھ جائز ہے اور جس وقت اعتقاد سنت عمل کا نہ ہو بلکہ استحباب کا ہو تو بھی عمل حدیث ضعیف کے ساتھ جائز اور صحیح ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ حدیث ضعیف شدید ضعیف نہ ہو یعنی کذاب اور متهم بالکذب نہ ہو گو مجہول ہو، چنانچہ درمختار میں مذکور ہے۔ شرط العمل بالحدیث الضعیف عدم شدة ضعفه وان یدخل تحت اصل عام وان لا یعتقد سنیة ذلک الحدیث۔ اور شامی میں مسطور ہے، شدید الضعف هو الذی لا یخلو طریق من طرقه عن کذاب او متهم بالکذب قاله ابن حجر اور شامی میں ہے ای سنیة العمل به پس اس سے معلوم ہوا کہ عمل کرنا حدیث ضعیف مذکور کے ساتھ استحباب ثابت کرنے کے لئے جائز ہے اس واسطے کہ حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہوتا ہے، چنانچہ مجیب نے اپنے جواب میں لکھا ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد عالم عفی عنہ ۱۲۸۳ھ (از ترتیب المسائل علی اقوی الدلائل ص ۶۲، ۶۳، ۶۴)

عید کی نماز کے بعد دعا کرنا:

(استفتاء ۳۵) ہمارے گاؤں میں ہمارے ہم وطن ایک عالم اور حافظ افریقہ سے آئے ہیں، رمضان المبارک میں جامع مسجد میں پنجگانہ نماز اور تراویح پڑھاتے رہے، عید کی نماز بھی انہوں نے پڑھائی، افریقہ کے دستور کے موافق عید کے خطبہ کے بعد منبر سے اتر کر نیچے بیٹھے اور دعا کرنا شروع کی، اس اثناء میں گاؤں کے ایک مولوی صاحب غضبناک ہو کر منبر پر بیٹھے اور امام صاحب سے کہا کہ دعا بند کرو مگر انہوں نے دعا جاری رکھی اور جلد ختم کر دی، اس کے بعد مولوی صاحب نے کہا کہ عید کی نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی ہے خطبہ کے بعد آپ نے دعا نہیں کی، لہذا یہ بدعت ہے، اس پر بجائے عید کی خوشی اور مسرت کے ناراضگی اور کدورت کی فضا پیدا ہو گئی، سمجھدار لوگوں نے کہا کہ سب کے سامنے اس طرح توہین آمیز لہجہ میں کہنے کی ضرورت نہیں تھی، بعد میں تنہائی میں یا علماء کی مجلس میں کہتے، الحاصل ان کا یہ طریقہ سزاوار ہے یا نہیں؟ شرعی ہدایات اس سلسلہ میں کیا ہے؟ جواب عنایت فرمایا کر مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حوالموفق للصواب:۔ ہمارے اکابر عید کے موقع کی مستقلاً اجتماعی دعا کے متعلق مختلف الرائے ہیں، بعض تو اس کے ثبوت کے قائل ہی نہیں چنانچہ امام المحققین علامہ ابو الحسنات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ روایات حدیث سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عید سے فراغت کر کے خطبہ پڑھتے تھے اور

اس کے بعد معاودت فرماتے تھے (واپس لوٹتے تھے) اور بعد نماز یا بعد خطبہ کے دعا مانگنا آپ سے ثابت نہیں اور اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام سے اس کا ثبوت نظر سے نہیں گذرا (مجموعہ فتاویٰ قدیم ج ۱ ص ۱۲۰)

رئیس المحدثین حضرت علامہ انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

''قول حضرت ام عطیہؓ کہ ہمیں حکم تھا حیض والی عورتیں بھی عیدگاہ کی طرف نکلیں تا کہ مردوں کے ساتھ تکبیریں کہیں اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوں۔ الی قولہ۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عید کے بعد دعا ہوتی تھی، جس طرح پانچ وقت نماز کے بعد ہوتی ہے اور اس بارے میں اطلاقات سے تمسک واستدلال صحیح نہیں کیونکہ ان سے استدلال کی گنجائش اس وقت ہوتی ہے کہ وہاں خاص موقع ومقام میں کوئی دوسری بات موجود نہ ہو، اور یہاں دوسری صورت موجود ہے کہ عید کی نماز نو سال تک ہوتی رہی (کل اٹھارہ نمازیں ہوئیں) کسی نے بھی نماز کے بعد دعا نقل نہیں کی لہذا عام اطلاقات سے کہ عام نمازوں کے بعد دعا ثابت ہے، یہاں خاص عید کی نماز کے بعد دعا ثابت نہیں کر سکتے ۔ الی قولہ۔ دوسرے یہ کہ یہاں (عید کی نماز میں) نماز وخطبہ کا اتصال مطلوب ہے اس لئے ان کے درمیان دعا نہ ہونی چاہئے (کہ اس سے نماز وخطبہ میں انقطاع اور فصل لازم آتا ہے) اور حدیث میں جو ذکر دعا ودعوت اور اس میں عورتوں کی شرکت کا ہوا ہے اس سے مراد وہ اذکار ہیں جو خطبہ اور وعظ ونصیحت کے ضمن میں ہوتے ہیں، کیونکہ دعا ودعوت عام ہے الخ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۶۲) (العرف الشذی ص ۲۴۱) (انوار الباری شرح صحیح بخاری اردو ج ۸ ص ۹۰۔۹۱)

اور امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

''بعد نماز عید کے دعا مانگنا نبی ﷺ اور ان کے اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول نہیں اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہذا بغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے۔'' (علم الفقہ ج ۲ ص ۱۷۱)

اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فتوی سے دعا کی اجازت معلوم ہوتی ہے مگر آپ تعین موقع کے ثبوت کے قائل نہیں ہیں، فرماتے ہیں۔ ''عید کے بعد دعا مانگنے کافی الجملہ تو ثبوت ہے، مگر تعین موقع کے ساتھ ثبوت نہیں کہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقع پر (نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد) دعا مانگنے میں مضائقہ نہیں ہے۔'' (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۵۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔ واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعا مانگنا بالخصوص منقول نہیں دیکھا گیا اور جو وہم سے استدلال ناتمام ہے کیونکہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کی یہ دعا کس وقت ہوتی ہے پھر محل خاص میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تام ہے ممکن ہے کہ یہ دعا وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندر عام صیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائض ہوتے ہیں) لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداع کا بھی مشکل ہے کیونکہ عمومات نصوص سے فضیلت دعا بعد الصلوٰۃ کی ثابت ہے پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کر دے اس پر بھی ملامت نہیں، بہر حال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے، دونوں جانب میں توسع ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۷۳ باب صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین)

ان مذکورہ بالا اقوال وفتاویٰ سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں :۔

(۱) نماز عیدین کے لئے کوئی مستقل اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے، خطبہ کے ضمن میں جو دعا ہوتی ہے وہی اصل دعا ہے۔

(۲) خطبہ کے بعد دعا کی گنجائش ہے (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۵۱ اور فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۷۶ کے فتوی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عادت کرلینا اور اس کو سنت طریقہ سمجھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے، چنانچہ فتاویٰ رحیمیہ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں خطبہ کی بعد دعا مانگنے کا دستور تھا، اس کو سنت طریقہ سمجھتے تھے اور اس کے خلاف کرنے پر تیار نہیں تھے)

(۳) نماز عید کے بعد دعا کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، تاکیدی حکم نہیں ہے (امداد الفتاویٰ)

لہٰذا صورت مسئولہ میں مجمع عام میں جو کچھ ہوا ہے غلط ہوا، جنہوں نے یہ نازیبا حرکت کی ہے ان کی ذمہ اس کی تلافی لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۵ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ۔

فرض نماز کے بعد امام جہراً دعا مانگے یا سراً:

(سوال ۳۶) بعد نماز پنجگانہ امام کے لئے مستحب اور مسنون جہراً دعا مانگنا ہے یا سراً؟ عام طور پر لوگ جہراً دعا کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ امام کی دعا پر آمین آمین کہنے کو فضیلت کی چیز سمجھتے ہیں، جو امام سراً دعا مانگتا ہے اس سے ناخوش ہوتے ہیں۔ اور اعتراض کرتے ہیں کہ ہم کو آمین کہنے سے محروم کیا جاتا ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی کے مل کر دعا مانگنے کی بڑی فضیلت ہے۔ اور اس کا مسنون اور افضل طریقہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آہستہ دعا مانگیں یہ طریقہ اخلاص سے پر، خشوع وخضوع، عاجزی والا و نیز دل پر اثر انداز قبولیت کے قریب اور ریاکاری سے دور ہے۔ دعا میں اصل اخفاء ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفية ، انه لا يحب المعتدين (قرآن مجید)

یعنی اے بندو اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے رہو۔ زور سے دعا کرنا حد سے تجاوز کرنا ہے اور بے شک خداوند قدوس حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

مذکورہ آیت میں اللہ عزوجل نے دعا کے دو آداب بیان فرمائے (۱) دعا عاجزی اور گریہ وزاری کے ساتھ ہونی چاہئے (۲) دعا آہستہ آہستہ مانگنی چاہئے۔

حضرت زکریا علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی طریقہ تھا کما قال اللہ تعالیٰ اذ نادیٰ ربه نداءً خفياً یعنی (زکریا علیہ السلام نے) پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔

نیز حدیث شریف میں ہے۔ خیر الدعا الخفی .بہتر دعا خفی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔

یا ایها الناس اربعوا علی انفسکم انکم لیس تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعاً وقريباًوهو معكم (بخاری شریف ج ۲ باب غزوة خيبر ص ۶۰۵ ،مسلم شريف باب استحباب حفض الصوت بالذكر الخ ج ۲ ص ۳۴۶)

اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو تم اس ذات کو نہیں پکار رہے، جو بہری اور غائب ہے تم تو سمیع اور قریب ذات کو پکار رہے ہو اور وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔

تفسیر کبیر میں علامہ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واعلم ان الا خفاء معتبر فی الدعاء يدل عليه وجوه (اول) هذه الا ية (ای ادعوا ربكم الخ) فانها تدل على انه تعالیٰ امر بالدعاء مقروناً بالا خفاء وظاهر الا مر للوجوب فان لم يحصل الوجوب فلا اقل من كونه ندباً ثم قال تعالیٰ بعده' انه لا يحب المعتدين والا ظهر ان المراد انه' لا يحب المعتدين فی ترک هذين الا مرين المذكورين وهما التضرع والا خفاء فان الله تعالیٰ لا يحبه ومحبة الله عبارة عن الثواب فكان المعنى ان من ترك فى الدعاء التضرع والا خفاء فان الله لا يثيبه البتة ولا يحسن اليه ومن كان كذلك كان من اهل العقاب لا محالة فظهر ان قوله تعالیٰ انه' لا يحب المعتدين كالتهديد الشديد على ترك التضرع والا خفاء فى الدعا . التفسير ج ۴ ص ۳۴۷ سورة اعراف تحت قوله وادعوربكم تضرعاً الخ.

علامہ رازیؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ خوب سمجھ لو کہ دعاء میں اخفاء ہی قابل عمل ہے اور اس کی چند دلیلیں ہیں (پہلی دلیل) مذکورہ آیت ادعوربکم ، الی قوله (انه' لا يحب المعتدين) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آہستہ آہستہ دعا مانگنے کا حکم فرمایا ہے اور صیغۂ امر ظاہراً وجوب کے لئے ہوتا ہے ورنہ کم از کم ندب کے لئے تو ہوگا ہی پھر بعد میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا انه' لا يحب المعتدين، اور اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ دو امر (تضرع واخفاء) میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور آیت میں لا یحب سے لا یثیبہ مراد ہے اب آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ دعا میں تضرع اور اخفاء کو چھوڑ دیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ثواب کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ سزا کے حق دار ہوں گے۔

تفسیر بیضاوی میں۔

فان الا خفاء دليل الا خلاص (ايضاً ص ۲۹۴)

آہستہ آہستہ دعا کرنا اخلاص کی دلیل (علامت) ہے (اور خدا تعالیٰ کو اخلاص والا عمل از حد محبوب ہے)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔

يستحب فى الدعاء الا خفاء ورف الصوت بالدعاء بدعة ص ۴۷.

یعنی مستحب یہ ہے کہ دعا سراً مانگی جائے بلند آواز سے دعا مانگنا بدعت ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

يدعوا الا مام جهراً لتعليم القوم ويخافته القوم اذا تعلم القوم ويخافت هو ايضاً وان جهر فهو بدعة (فتاویٰ بزازيه جلد اول مع الهنديه ج ۴ ص ۴۲ كتاب الصلاة الحادی عشر فى القرأة)

امام مقتدیوں کو سکھلانے کے لئے جہراً دعا کرے اور جب مقتدی سیکھ جائیں تو مقتدی اور امام دونوں آہستہ دعا کریں اگر زور سے دعا کی تو یہ بدعت ہے۔

معلوم ہوا کہ جہراً دعا مانگنے پر مداومت نہیں ہونی چاہئے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

والمختار ان الامام والماموم یخفیان الذکر الا ان احتاج الی التعلیم فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۹

یعنی مختار طریقہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی ذکر (دعا) آہستہ آواز سے کریں، ہاں جب دعا کے سکھانے کی ضرورت ہو پھر (سیکھنے تک) مضائقہ نہیں۔

عالمگیری میں ہے۔

والسنة ان یخفی صوته بالدعاء کذا فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۴۸ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج.

یعنی سنت طریقہ یہ ہے کہ سراً دعا مانگے۔

البحرالرائق میں ہے۔

لقوله تعالیٰ انه لا یحب المعتدین ای الجاهرین بالدعاء (ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب الجنائز تحت قوله وشر قدامها)

یعنی فرمان خداوندی " انه لا یحب المعتدین " کا مطلب یہ ہے کہ زور زور سے دعا کرنے والوں کو خدا تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے۔

(تری کثیراً من اهل زمانک یعتمدون الصراخ فی الدعاء خصوصاً فی الجوامع حتی یعظم اللغط ویشتد وتستک المسامع وتستدو لایدرون انهم جمعوا بین بدعتین رفع الصوت فی الدعاء وکون ذلک فی المسجد وروی ابن جریر عن ابن جریح ان رفع الصوت بالدعاء من الاعتداء المشار الیه بقوله سبحانه انه لا یحب المعتدین. (ج۸ ص ۱۳۹ سورة اعراف تحت قوله وادعواربکم تضرعاً وخفیه الخ)

تم بہت سے اماموں کو دیکھو گے کہ وہ دعا زور زور سے مانگتے ہیں خاص کر جامع مسجدوں میں حتی کہ اتنا چیختے ہیں کہ جس کی وجہ سے (گویا) کان بہرے اور بند ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ دو بدعتوں کو جمع کر رہے ہیں (۱) زور سے دعا مانگنا (۲) مسجد میں یہ حرکت کرنا۔ ابن جریر نے ابن جریح سے نقل کیا ہے کہ دعا میں آواز بلند کرنا اس اعتدا (حد سے تجاوز کرنا) میں سے ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول انه لا یحب المعتدین سے اشارہ فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ محدثین، مفسرین اور فقہاء کے اقوال سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ سراً دعا مانگنا امام مقتدی اور منفرد ہر ایک کیلئے افضل اور مسنون ہے امام کا زور سے دعا مانگنے کی عادت بنالینا خلاف اولی اور مکروہ ہے۔ اماموں کو چاہئے کہ سنت کی عظمت اور اہمیت کو پہچانیں۔ اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ عوام اور خواہشات نفسانی

کی پیروی نہ کریں۔

اقوال مذکورہ کے علاوہ اکابرین کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

”نیز امام کا زور زور سے دعا مانگنا بھی مکروہ ہے۔ اگرچہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی ہے لیکن اس کے اختیار کرنے اور عادت بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مکروہ بہر حال مکروہ ہے۔ اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے اور اولویت اور بہتر اس کے خلاف میں ہے۔ (النفائس المرغوبہ ص ۵۰۴)

تفسیر مہائمی میں ہے۔

والافضل فی الدعاء الاخفاء فان الاخفاء دلیل الاخلاص سوٗرة اعراف تحت قوله ادعوا ربکم تضرعاً الخ.

دعاء میں اخفاء افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ طریقہ اخلاص سے قریب ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے۔

ادعواربکم الخ ای متضرعین متذللین مخفین الدعاء لیکون اقرب الی الاجابة لکون الاخفاء دلیل الاخلاص والاحتراز عن الریاء (ج ۳ ص ۱۷۷ ایضاً)

ادعواربکم الخ یعنی خشوع، خضوع، عاجزی اور آہستگی کے ساتھ دعا کرو۔ کہ یہ قبولیت کے قریب ہے۔ اس لئے کہ سراً دعا کرنا اخلاص کی علامت ہے اور ریاکاری سے دوری کی دلیل ہے۔

تفسیر فتح البیان میں ہے۔

والخفیة الاسرار به فان ذلک اقطع لعرق الریاء. (ج ۲ ص ۴۰ ایضاً)

(آیت ادعوربکم تضرعاً وخفیہ میں) خفیہ کے معنی سراً دعا کرنے کے ہیں۔ اس لئے کہ یہ (سراً دعا کرنا) ریاکاری کی رگ کو کاٹنے کے لئے بہت ہی مؤثر ہے۔

اور تفسیر مظہری میں ہے۔

ویدل علی کون ذکر السر افضل ومجمعاً علیه من الصحابة من تبعهم قول الحسن ان بین دعوة السر ودعوة العلانیة سبعون ضعفا ولقد کان المسلمون یجتهدون فی الدعاء وما یسمع لهم صوتا الاهمسا بینهم وبین ربهم وذلک ان الله سبحانه وتعالیٰ یقول ادعواربکم تضرعا وخفیة وان الله ذکر عبداً صالحاً ورضی فعله فقال اذ نادیٰ ربه نداء خفیاً وایضاً یدل علی فضل الذکر الخفی حدیث سعد بن ابی وقاص قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیر الذکر الخفی وخیر الرزق مایکفی اه.

سری، ذکر افضل ہے۔ صحابہ اور تابعین کا اسی پر اتفاق رہا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سری دعاء اور جہری دعا میں ستر درجہ کا فرق ہے۔ مسلمان بہت لگن سے دعا کرتے تھے۔ مگر ان کی آواز قطعاً سنائی نہیں دیتی تھی۔ صرف لبوں کی سرسراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ادعوربکم تضرعاً وخفیة اور عبد صالح

(حضرت زکریا علیہ السلام) کے تذکرہ میں فرمایا۔ اذ نادی ربہ نداء خفیاً. حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین ذکر دعاء خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدر کفایت ہو۔ (مرتبہ تفسیر مظہری ج۴ ص ۳۱۷ ایضاً) ھکذا فی تفسیر روح المعانی ج۸ ص ۱۳۹ ایضاً)

اسی وجہ سے امت کے ائمہ اربعہ میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دعا سراً ہی افضل ہے۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ میں۔ "مسلک السادات الی سبیل الدعوات"

(جس کو علامہ فاضل شیخ محمد علی بن شیخ حسین مرحوم مفتی مالکیہ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تالیف فرمایا) کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں۔

اعلم انہ لا خلاف بان المذاھب الاربعة فی ندب الدعاء سراً للامام والفذ وا جاز المالکیة والشافعیة جھر الا مام بہ لتعلیم الماموین او تامینھم علی دعائہ. امداد الفتاویٰ ج ا ص ۵۴۹.

خوب سمجھ لیجئے کہ مذاہب اربعہ (حنفیہ، شافعیہ مالکیہ، حنابلہ) اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ (نماز کے بعد) آہستہ دعا مانگنا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ امام کے لئے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ دعاء پر آمین کہہ سکیں۔

اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اما الدعاء فیسر بہ بلا خلاف نووی (ج ا ص ۳۱۱ ایضاً)

یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ دعا سراً کرنی چاہئے۔

اخیر میں مفتی اعظم (پاکستان) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔ سب سے بڑا مفسدہ یہ ہے کہ امام بآواز دعائیہ کلمات پڑھتا ہے۔ اور عام طور پر بہت سے لوگ مسبوق ہوتے ہیں۔ جو باقی ماندہ نماز کی ادائیگی میں مشغول ہیں۔ ان کی نماز میں خلل آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کسی سے یہ صورت منقول نہیں کہ نماز کے بعد وہ (امام) دعا کرے اور مقتدی صرف آمین کہتے رہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ طریقۂ مروجہ قرآن کے بتلائے ہوئے طریقہ کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کی سنت کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے عام حالات میں اس سے اجتناب کر کے امام ومقتدی سب آہستہ آہستہ دعاء مانگیں۔ ہاں کسی خاص موقعہ پر جہاں مذکورہ مفاسد نہ ہوں کوئی ایک جہراً دعاء کرے اور دوسرے آمین کہیں۔ اس میں بھی مضائقہ نہیں۔ (احکام دعا ص ۱۱)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

بدعت کی جڑ یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی مصلحت سمجھ کر خلاف سلف صالحین ونصوص واردہ کوئی فعل اختیار کر لیا جائے۔ بدعت دفعۃً نہیں آتی۔ اسی طرح آہستہ آہستہ آتی ہے۔ اہل فہم پہلے سے ہی سمجھ جاتے ہیں اور روک دیتے ہیں۔ دوسرے لوگ بعد میں متنبہ ہوتے ہیں۔ (الورد الشذی علی جامع الترمذی ص ۷۰)

اماموں کو چاہئے مذکورہ اقوال میں غور وتدبر کریں۔ مقتدیوں کو بھی امام کو جہراً دعا کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ ہر ایک کی دعا سنتا ہے۔ عربی میں یاد نہ ہو تو فارسی میں اردو میں گجراتی وغیرہ میں جو اس کی زبان

ہو۔ اسی زبان میں دعا مانگے خدا تعالیٰ ہماری عبادات کو بدعات اور مکروہات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

مساجد کے امام مقتدی اور مقتدر علماء غفلت برتتے رہے تو یہ بدعت جڑ پکڑ جائے گی اور سنت کی نورانیت اور دعا کی برکات سے امت محروم ہو جائے گی۔

اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واجتناب از آم درسم بدعت تا از بدعت حسنہ دررنگ بدعت سیۂ احتراز نماید بوی ازیں دولت بمشام جاں او نرسد وایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائی بدعت غرق گشتہ است وبظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از دفع بدعت زند وباحیای سنت لب کشاید اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہای بدعت اند ومحو کنندہائے سنت بدعتہا پہن شدہ تعامل خلق دانستہ، بجواز بلکہ باستحسان آں فتویٰ مید ہند ومردم را بدعت دلالت مینمایند چہ می گویند اگر ضلالۃ شیوع پیدا کند وباطل متعارف شود تعامل گردد مگر نمی داند کہ تعامل دلیل استحسان نیست تعاملی کہ معتبرست ہمانست کہ از صدر اول آمدہ است یا با جماع جمیع مردم حاصل گشتہ کما ذکر فی الفتاویٰ الغیاثیہ الخ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۱۰۳ جلد ثانی مکتوب ص ۵۴)

جب تک بدعت حسنہ سے بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں تب تک اس دولت (سنت کی نورانیت) کی بوجان کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔ آج بات مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کی اندھیروں میں گھرا ہوا ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت دور کرنے کا دم مارے۔ اور سنت کے زندہ کرنے کا دعویٰ کرے۔

اس زمانہ کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے ہیں اور سنتوں کو محو کرتے ہیں۔ شائع اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اگر گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف ومشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں۔ تعامل جو معتبر ہے وہ وہ ہے جو صدر اول سے آیا ہے۔ یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا۔ جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے۔ الخ ترجمہ مکتوبات م ۵۴ ص ۷۰ ادفتر دوم فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہٗ ولوالدیہ مؤرخہ ۲ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ۔

فتاویٰ رحیمیہ کے ایک فتوے پر اشکال اور اس کا جواب:

(سوال ۳۷) آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۱ وص ۲۴۲ یہ سوال (جدید ترتیب کے مطابق اس باب میں دعاء ماثورہ میں اضافہ کے عنوان سے ہے ۵۹ مرتب) گذرا ہے جلد اول میں ہے۔

(الجواب) فرض نماز کے بعد کی مسنون ادعیہ میں اپنی طرف سے ان الفاظ (والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام) کے اضافہ کی عادت خلاف سنت ہے...... الخ۔

مگر نظام الفتاویٰ ص ۱۶۵ میں ہے۔ اس کو دعا میں بعد نماز کے شامل کر لینا ناجائز ونادرست یا خلاف تعلیم نبوی علیہ السلام نہ ہوگا۔ اب آپ کی کیا رائے ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ رحیمیہ کا فتویٰ احتیاط پرمبنی ہے، دعائے ماثورہ کے درمیان اضافہ یارد وبدل پسندیدہ نہیں ہے، رسول مقبول ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو دعا تعلیم فرمائی جس میں بنبیک الذی ارسلت کے الفاظ تھے، صحابی نے بغرض تعظیم لفظ نبی کی جگہ لفظ رسول یعنی برسولک الذی ارسلت پڑھا تو فوراً روک دیا گیا اور اپنے تعلیم فرمودہ کلمات کہنے کی ہدایت فرمائی (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۷۵ باب ماجاء فی الدعا اذا آوی الی فراشہ)

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، فرماتے ہیں۔

دعاء ماثورہ کے جتنے الفاظ حدیثوں میں ثابت اور منقول ہوں اس کو انہیں الفاظ پر رکھنا چاہئے (الی قولہ) اسی طرح کسی دعاء ماثورہ میں اپنی طرف سے یہ اضافہ مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ عفا اللہ عنہ (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۰۔۱۱)

آپ کا دوسرا فتویٰ۔

(سوال) اذان کی دعا میں والفضیلۃ کے بعد الدرجۃ الرفیعۃ اور بعد وعدتہ کے وارزقنا شفاعتہ بڑھانے کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) الدرجۃ الرفیعۃ اور وارزقنا شفاعتہ یوم القیامۃ کا ثبوت نہیں ہے، پس غیر ثابت الفاظ کو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھے تو مضائقہ بھی نہیں (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۲)

یہ موقع انفرادی دعا کا ہے اور فرائض کے بعد کا موقعہ اجتماعی دعا کا موقعہ ہے اور عوام سے غیر ثابت کلمات کے بارے میں عدم اعتقاد کی توقع رکھنا مشکل ہے بلکہ وہ تو اس کو مسنون ہی سمجھیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دعا نماز کے بعد کرے، خطبہ کے بعد ثابت نہیں:

(سوال ۳۸) نماز عید کے بعد دعا مانگے یا خطبہ کے بعد؟ ہمارے یہاں خطبہ کے بعد دعا کی جاتی ہے۔ صحیح کیا ہے؟

(الجواب) آپ کے یہاں عیدگاہ میں خطبہ کے بعد دعا ہوتی ہے یہ بے اصل اور خلاف سنت ہے۔ اجتماعی دعا کا وقت نماز عید کے بعد ہے نہ خطبہ کے بعد۔ امام کو چاہئے کہ نماز کے بعد مختصر دعا کرے ثانی خطبہ میں بھی دعا ہوتی ہے۔ عید کی مخصوص دعا وہی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دعاء ثانی (فاتحہ) کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۹) بعد سلام مسنون ہمارے یہاں موریشش (MAURITIUS) میں بہت سی مساجد میں تقریباً سوسوا سو سال سے نمازوں کے بعد دعاء ثانی کرنے کا اور نماز جنازہ کے بعد بالالتزام فاتحہ پڑھنے کا دستور چلا آرہا ہے، ایک ایسی ہی مسجد میں ایک نوجوان عالم کو امام مقرر کیا گیا اور ان کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی کہ وہ دعاء ثانی کریں گے چھ ماہ تک وہ اس شرط پر عمل پیرا رہے اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے میں اس رواج پر عمل نہیں کروں گا، لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اس پر عمل کرتے آرہے ہیں پھر یہ کیونکر بدعت ہوسکتا ہے اور امام کو دعاء ثانی (فاتحہ) کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ امام صاحب ان کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں متولی حیران وپریشان ہے کہ مسلمانوں میں اس کی وجہ سے اختلاف رونما ہوجائے گا اور آپس میں جھگڑوں کی وجہ سے مسلمانوں کا وقار مجروح ہوگا اس لئے متولی کی رائے یہ ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے آپس میں پھوٹ اور اختلاف مت ڈالو اور پہلے سے دعاء ثانی کا جو طریقہ

چلا آرہا ہے اس پر عمل کرتے رہو نجات کا دارومدار اسلام کے پانچ ارکان پر ہے، دعاء ثانی کرنے نہ کرنے پر نہیں۔

محترم مفتی صاحب آپ کی تصنیف لطیف فتاویٰ رحیمیہ ہمارے پاس ہے ہم اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں اس مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے تاہم لوگ اپنی بات پر مصر ہیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا متولی حق بجانب ہے؟ اور لوگوں کا یہ کہنا کہ ہمارے باپ دادا یہ عمل کرتے آئے ہیں ان کی یہ بات صحیح ہے؟ امید ہے کہ مفصل جواب مرحمت فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، بے شک آپ کے یہاں موریشش میں سوسوا سو سال سے سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعاء کا رواج ہوگا اور نماز جنازہ سے فارغ ہوکر بالالتزام ہمیشہ فاتحہ پڑھنے کا بھی دستور باپ دادا سے چلا آتا ہوگا مگر بھائی یہ کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اور اس کا سہارا لینا آپ کے شایان شان نہیں، یہ تو اہل باطل کا شیوہ ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ اس کو بیان فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔

(۱) واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباء نا او لو کان آباء ھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون (سورہ بقرہ پ)

یعنی: اور جب ان (مشرک) لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم (اپنے پیغمبر کے پاس) بھیجا ہے اس کے مطابق چلو تو (جواب میں) کہتے ہیں (کہ نہیں) بلکہ ہم تو اسی (طریقہ) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اگرچہ ان کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت اور شرعی دلیل رکھتے ہوں (سورۂ بقرہ)

(۲) واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ آباءنا (سورہ مائدہ پ ۶)

یعنی: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرو (یعنی شرعی دلیل معلوم کرو) تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو عمل کرتے ہوئے پایا ہے۔ (سورۂ مائدہ)

(۳) ونذر ماکان یعبد آباء نا (سورۂ اعراف پ ۸)

یعنی: (مشرک بت پرستی کی مخالفت کے جواب میں کہتے ہیں۔ کیا) جن کو ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں؟ (سورۂ اعراف)

(۴) اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیہ آباء نا (سورہ یونس پ ۱۱)

یعنی: (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا گیا) کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹادو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ (سورۂ یونس)

(۵) اتنھانا ان نعبد ما یعبد آباء نا (سورہ ہود پ ۱۲)

یعنی: (حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا) کیا تم ہم کو ان چیزوں کی عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے (بڑے) باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ (سورۂ ہود)

(۶) ان نترک ما یعبد آباء نا (سورہ ہود پ ۱۲)

یعنی: (حضرت شعیب علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا۔ کیا) ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت

ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔(سورۂ ہود)

(۷)واذا قیل لھم اتبعو ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما وجدنا علیہ آباء نا (سورۃ لقمان پ ۲۱)

یعنی: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس کا اتباع کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے (سورۂ لقمان)

(۸)بل قالوا انا وجد نا آبائنا علیٰ امۃ وانا علیٰ اثارھم مھتدون ٭ سورۃ زخرف پ ۲۵)

یعنی: بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔(سورۂ زخرف)

(۹)وکذلک انا وجدنا آباء نا علیٰ امۃ وانا علیٰ اثارھم مقتدون (سورۃ زخرف پ ۲۵)

یعنی: اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہیں کے قدم بقدم چلے جارہے ہیں۔(سورۂ زخرف)

آپ کے مناسب شان تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ...... اور اولوالامر اور ورثۃ الانبیاء علماء مجتہدین اور ائمہ دین کی اطاعت اور پیروی کریں مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اولوالامر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور مجتہدین عظام کی پیروی ضروری ہے۔رسول مقبول ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ہے۔علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ.

یعنی: میرے طریقہ کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑلو، جو نئی نئی باتیں ایجاد کی جائیں گی ان سے احتراز کرو، اس لئے کہ ہر وہ نئی رسم جو (دین کے نام پر) ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۷، ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵ مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

احادیث میں سونے اور جاگنے کے وقت کی دعا منقول ہے، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا بھی مذکور ہے، ہم بستری سے پہلے ہم بستری کے بعد کی دعا بھی موجود ہے، بیت الخلاء میں جانے سے قبل اور نکلنے کے بعد کی دعا بھی ثابت ومنقول ہے تو سنن ونوافل کے بعد کی دعا کیوں منقول نہیں؟ اگر ثابت ہوتی تو ضرور منقول ہوتی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرض نمازوں کے بعد کی سنن اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جاکر پڑھتے تھے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی آپ کی اتباع کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں میں سنتیں ادا فرماتے تھے اور نماز سے فراغت کے بعد گھر میں ہی دعا کرتے تھے سب کا مسجد میں واپس آکر دعا کرنا کہیں منقول نہیں، کبھی کسی وجہ سے مسجد میں آنحضور ﷺ اور صحابۂ کرامؓ نے سنن ونوافل ادا فرمائی ہیں مگر دعا سب نے مل کر مانگی ہو یہ کہیں ثابت نہیں، صحابہؓ اپنی اپنی نمازیں پڑھ کر منتشر ہوجاتے تھے چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ بعد نماز مغرب سنتوں میں اتنی طویل قرأت پڑھتے تھے کہ مصلی حضرات مسجد سے چلے جاتے تھے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القرأۃ فی الرکعتین بعد المغرب حتی یتفرق اھل المسجد (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۹۱ باب رکعتی

المغرب این تصلیان) اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک رات میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا آپ عشاء کی نماز کے بعد نماز میں مشغول رہے حتیٰ کہ مسجد میں بجز آنحضرت ﷺ کے کوئی باقی نہیں رہا (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۰۱ باب التطوع فی المساجد)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنتوں کے بعد امام ومقتدیوں کے مل کر دعا کرنے کا دستور تھا ہی نہیں، لہٰذا اس طریقہ کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں اس لئے اس کو پکڑے رہنا اور اس پر اصرار کرنا اور امام کو اس کا پابند بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

عمل وہی مقبول ہے جو خالص ہونے کے ساتھ صواب یعنی سنت کے موافق بھی ہو حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں لا یستقیم قول ولا عمل ونیۃ الا بموافقۃ السنۃ (تلبیس ابلیس ص ۱)

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں ولا عمل بالا اخلاص واصابۃ السنۃ یعنی کوئی عمل بلا اخلاص اور سنت کی موافقت کے مقبول نہیں ہوتا (الفتح الربانی ص ۱۴ مجلس نمبر ۲)

مشہور بزرگ حضرت احمد بن الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں من عمل عملاً بلا اتباع سنۃ فعملہ باطل جو عمل بھی سنت کی موافقت کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل ہوگا (کتاب الاعتصام ج ۱ ص ۱۱۴)

مولانا! کب تک مصلحت کا سہارا لیتے رہیں گے؟ بے شک فتنہ سے بچنا ضروری ہے اس لئے نرمی اور عقل سے کام نہ لیں اور بتدریج صحیح مسئلہ کی اشاعت کی جائے اور نمازیوں کو جمع کرکے فتوی سنایا جائے، بار بار سنایا جائے اور حکمت عملی کے ساتھ سب کو متفق کرنے کی کوشش کی جائے جب امام اور متولی اسے معمولی بات سمجھ کر اور فتنہ کا خوف بتلا کر خلاف سنت طریقہ کو پکڑے رہیں گے تو کیا اس کے مٹانے کے لئے آسمان سے فرشتے آئیں گے؟ کس کا انتظار ہے؟ سوا سو سال تو ہوچکے خدارا سنت کی قدر پہچانیے اور بدعت کی نحوست کو سمجھئے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

ترجمہ: جس نے نبی کریم ﷺ کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا۔اے سعدی! یہ خیال مت کر کہ سیدھا راستہ محمد مصطفےٰ ﷺ کی اتباع کے بغیر حاصل ہوسکتا ہے

بہ زہد وورع کوش وصدق وصفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

لہٰذا اس سنت کو زندہ کرنے کی پوری کوشش کیجئے، حدیث میں ہے کہ مردہ (مٹی ہوئی) سنت کو زندہ کرنے والا سو شہیدوں کے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔کون مسلمان ہوگا جس کو سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرنے کی تمنا نہ ہوگی، نیز حدیث میں ہے من احییٰ سنتی فقد احیانی ومن احیانی کان معی فی الجنۃ، جس نے میری سنت کو زندہ

کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا (ترمذی شریف ج۲ ص ۹۲) نیز حدیث میں ہے من حفظ سنتي اكرمه الله باربع خصال، المحبة في قلوب البررة، والهيبة في قلوب الفجرة والسعة في الرزق، والثقة في الدين. یعنی جس نے میری سنت کی حفاظت کی تو خدا تعالیٰ چار باتوں سے اس کی تکریم کرے گا (۱) پاک باز لوگوں (بزرگوں) کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دے گا (۲) بدکار (بدمعاش) لوگوں کے دلوں میں ہیبت پیدا کردے گا (۳) رزق کو فراخ کردے گا (۴) اور دین میں پختگی نصیب فرمائے گا ۔(شرح شرعة الاسلام ص ۸ سید علی زادہ)

امام زہری کا مقولہ ہے الاعتصام بالسنة نجاة سنت کو مضبوط پکڑنے میں نجات ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے ان السنة مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها غرق. یعنی سنت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کے مانند ہے جو اس میں سوار ہوگیا (وہ گمراہی سے) بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہوگیا (یعنی گمراہی کی گڑھے میں گرگیا۔)

خدا تعالیٰ سب کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اور طریقۂ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے آمین یارب العالمین. فقط واللہ اعلم.

دعا کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟:

(سوال ۴۰) نماز کے بعد دعا مانگنے کے وقت ہاتھ کھلے رکھے جائیں یا ملا کر؟ بغل کھلی رکھے یا بند؟ یعنی کہنیاں پہلو سے علیحدہ رکھے یا ملی ہوئی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھا کر دعا کرے اور دونوں کے درمیان قدرے فاصلہ ہو ملا کر رکھنا خلاف اولیٰ ہے (فيكون بينهما الاذكار بعد الصلوة فرجة) (درمختار) (قوله فيكون بينهما فرجة) اى وان قلت قنية (شامی ج ۱ ص ۴۷۴) فقط واللہ اعلم بالصواب.

فرض نماز کے بعد دعا کی مقدار:

(سوال ۴۱) ہمارے یہاں امام صاحب بعد نماز فجر وعصر دعاء میں ذرا طول کرتے ہیں اور ظہر ومغرب اور عشاء میں فرض نماز کے بعد تین چار دعائیں مانگتے ہیں، نیز عید کی نماز کے بعد بھی طویل دعا مانگتے ہیں، اس کے متعلق تحریر فرما دیں کہ مسنون کیا ہے؟

(الجواب) فجر اور عصر کی نماز کے بعد (یعنی جن نمازوں کے بعد سنت وغیرہ نہیں) کمزور بیمار اور کام کاج والے مصلیوں کی رعایت کرکے طویل دعا کی گنجائش ہے اور ظہر ومغرب اور عشاء کی نماز (یعنی جن نمازوں کے بعد سنت وغیرہ ہیں ان) کے بعد معمولی درجہ کی دعا مانگے یعنی اللّٰھم انت السلام الخ کے ساتھ بعض دعائے ماثورہ ملالینا اولیٰ ہے۔

چونکہ جمعہ کی نماز کے بعد بھی سنتیں ہیں لہذا معمولی درجہ کی دعا کرنی چاہئے، مزید تفصیل ودلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ گجراتی حصہ اول ص ۱۱۸۔ اور انگریزی ج ۱ ص ۱۵۲۔ اور اردو ج ۱ ص ۲۰۳ (جدید ترتیب کے مطابق، اسی باب میں فرض نماز کے بعد کون سی دعآء پڑھی جائے کے عنوان سے دیکھیں۔ مرتب)

ایسے ہی عیدین کی نماز کے بعد خطبہ ہے پس مختصر سی دعاء کی گنجائش ہے، دعاء میں طوالت ہونے کی صورت میں نماز وخطبہ کے مابین اتصال نہ رہے گا بلکہ فاصلہ ہوجاوے گا، حالانکہ نماز وخطبہ میں اتصال مطلوب ومسنون ہے، عیدین کے اجتماع میں جس دعا کی اہمیت وضرورت ہے وہ تو خطبہ میں پڑھ دی جاتی ہے، عیدین کی نماز کے بعد دعاء کے اہتمام کا حکم نہیں بلکہ خطبۂ عید کے بعد تو دعا کا ثبوت ہی نہیں، ملاحظہ ہو مجموعۂ فتاوی قدیم جلد اول ص ۱۴۴، عدم ثبوت دعاء بعد نماز عیدین یا خطبہ آں از آنحضرت ﷺ وصحابہ کرام وتابعین عظام مؤلفہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ علم الفقہ حصہ دوم ص ۳۲۶، از مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، العرف الشذی شرح ترمذی جلد اول ص ۲۴۱ از علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فیض الباری شرح بخاری جلد دوم ص ۳۶۲ میں ہے۔ ويدعون بدعائهم اى بدعائهم للمؤمنين في خلال الخطبة لانه لم يثبت عنه صلى الله عليه وسلم بعد صلاة العيد دعاء فالسنة الخاصة في ذلك قاضية على عموم الاحاديث في الاذكار بعد الصلوات. فقط

فجر وعصر کی نماز کے بعد قبل دعائے امام چلے جانا:

(سوال ۴۲) فجر وعصر میں بعد سلام امام اپنی دعا پوری کرکے (قبل اس کے کہ امام دعا سے فارغ ہو) چلے جانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بلا عذر اس طرح لوٹنا خلاف سنت ہے اور مکروہ تنزیہی ہے، اور اس کی عادت بنالینا گناہ ہے، عن انس ان النبى صلى الله عليه وسلم حضهم على الصلوة ونهاهم ان ينصرفوا قبل انصرافه من الصلوة یعنی نہی کرد از یں کہ برگردند پیش از برگشتن وے ﷺ از نماز خود چنانکہ پیشتر از حضرت سلام بدہند واز نماز برآیند یا بعد از سلام دادن پیشتر از آں کہ آں حضرت برخیزد برخیزند وبروند ومنتظر ذکر ودعا نہ نشینند ونہی برمعنی اول تحریمی وبر ثانی تنزیہی است۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۴۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بعد نماز جمعہ دعاء:

(سوال ۴۳) جمعہ کی فرض نماز کے بعد دعائے ماثور کے ساتھ قرآن وحدیث کی دیگر دعاء ملا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بعد نماز جمعہ دعائے ماثور کے ساتھ دیگر دعاء شامل کرسکتے ہیں لیکن مختصر ہونا چاہئے تطویل کرکے لوگوں کو تنگ کرنا اور سنن رواتب کی ادائیگی میں تاخیر کرنا مناسب نہیں کیونکہ بڑے مجمع میں کمزور، بیمار، کام کاج والے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، امام کو اس کا لحاظ چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز باجماعت کے بعد اردو میں دعاء مانگنا:

(سوال ۴۴) نماز باجماعت کے بعد اردو میں دعآء مانگنا کیسا ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز باجماعت کے بعد دعاء عربی میں مسنون ہے دوسری زبان میں خلاف افضل ہے لہذا اسی کی عادت نہ کی جائے۔(۱) فقط واللہ اعلم.

ولهذا كان الدعاء بالعربية اقرب الى الاجابة فلا يقع غيرها من الالسن في الرضا والمحبة لها موقع كلام العرب او وظاهر التعليل ان الدعاء بغير العربية خلاف الاولى شامى صفة الصلاة مطلب فى الدعاء بغير العربية ج ۱ ص ۳۸۶.

کتاب الجمعہ

کچھ لوگ جمعہ کی نماز ادا نہ کرسکے تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟:

(سوال ۴۵) جماعت خانہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ جمعہ کی نماز باجماعت ادا نہ کرسکے، پھر ان لوگوں کو خیال ہوا کہ ظہر کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کرلیں، لیکن امام صاحب نے کہا کہ مسجد میں دوسری جماعت نہیں کرسکتے، اور کہا کہ تم سب لوگ ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کرلو، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا امام کی بات درست ہے؟ کیا مسجد میں دوسری جماعت نہیں کرسکتے؟ اگر جمعہ کی نماز ادا کرنا ہو تو اس کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو لوگ جمعہ پڑھنے سے رہ گئے ہیں وہ دوسری جماعت نہیں کرسکتے، مکروہ تحریمی ہے، البتہ دوسری مسجد جہاں جمعہ نہ ہوا ہو وہاں جاکر باقاعدہ خطبہ دے کر نماز جمعہ ادا کرسکتے ہیں، یا کسی مکان میں (۱) پڑھ سکتے ہیں، ظہر پڑھیں تو تنہا تنہا پڑھیں، شہر اور قصبات میں جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے ظہر کی نماز مسجد میں یا مکان میں باجماعت ادا کرنا ممنوع ہے، دیہات میں جہاں جمعہ ادا کرنا درست نہیں ہے ظہر باجماعت پڑھنے کا حکم ہے، مالابد منہ میں ہے۔ معذور ومسجون را روز جمعہ نماز ظہر باجماعت گذاردن مکروہ است (ص ۵۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اذان جمعہ کے بعد غیر مسلم ملازم کو دوکان پر بٹھا کر دوکان کھلی رکھنا:

(سوال ۴۶) جمعہ کی اذان سے پہلے میں مسجد چلا جاتا ہوں مگر دوکان کھلی رہتی ہے غیر مسلم ملازم مال فروخت کرتا ہے، اس میں کوئی قباحت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) غیر مسلم ملازم جس پر اذان جمعہ سن کر سعی واجب نہیں ہے وہ آپ کی دوکان کھلی رکھے تو ناجائز نہیں ہے۔ وقدخص منه من لا جمعة عليه ذكره المصنف (درمختار) والحاصل ان الدليل خص من وجوب السعی جماعة كالمريض والمسافر الخ (شامی ج ۴ ص ۱۸۲ باب بيع الفاسد تحت مطلب فی البيع المكروه) لیکن احتیاط اور جمعہ کی فضیلت کا تقاضہ یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ دوکان بند کردی جائے تاکہ غافل قسم کے لوگوں کو اس سے غلط فہمی نہ ہو۔ دوکان بند رکھنے میں جمعہ کے دن کی عظمت اور شان وشوکت میں اضافہ ہوگا، مدارس اسلامیہ بھی بند رہتے ہیں تو اگر ایک گھنٹہ دوکان بند رہے گی تو کیا نقصان ہوجائے گا ذلكم خير لكم ان كنتم تعلمون (سورۂ جمعہ پارہ نمبر ۲۸) فقط واللہ اعلم۔

پہلی اذان جمعہ کے بعد امام کہاں بیٹھے؟:

(سوال ۴۷) امام صاحب جمعہ کی اذان کے بعد محراب اور منبر کے پاس نہیں بیٹھتے، مسجد کے حجرہ میں یا برآمدہ میں بیٹھتے ہیں اور وہاں سنت ونوافل پڑھتے ہیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آتے ہیں، تو بہتر کیا ہے، وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام جمعہ کے لئے مستحب اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے حجرہ میں رہیں، حجرہ نہ ہو تو منبر کے دائیں

جانب کسی مخصوص جگہ میں بیٹھیں، جہاں سکون ہو اور وہیں سنت وغیرہ پڑھیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آئیں۔ آپ ﷺ عین خطبہ کے وقت اپنے حجرۂ مبارکہ سے (جو منبر کے دائیں جانب تھا) نکل کر منبر پر تشریف لاتے تھے آپ ﷺ کے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا اور اس زمانہ میں بھی حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفا وکرامۃ) کے خطیب اس پر عمل کرتے ہیں اور خطبہ کے وقت آتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ اذا خرج الامام فلا صلوة ولا كلام.
ترجمہ: جب امام خطبہ کے لئے حجرہ سے نکلے اسی وقت سے نماز اور کلام منع ہے حدیث میں اذا قام کا لفظ نہیں ہے اذا خرج کا لفظ ہے، اس میں بھی اشارہ ہے کہ خطیب کی جگہ محراب نہیں بلکہ محراب سے دور اور عوام سے الگ مخصوص جگہ ہے۔

روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ مبارکہ میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما خطبہ سے پہلے منبر کے قریب وعظ فرماتے، جب امیر المؤمنین خطبہ کے لئے اپنے حجرہ سے نکلتے تو فوراً بند کردیتے (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۰۸ ص ۲۸۸) (مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۴۹) (موضوعات کبیر ملا علی قاری ص ۱۴) (اصابه فی تذكرة الاصحابه ج ۱ ص ۱۸۴) (اقامة الحجة ص ۵). اور تفسیر مواہب الرحمٰن میں ہے۔ امام کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ خطبہ کے وقت برآمد ہو (یعنی نکلے) جیسے آنحضرت ﷺ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفائے راشدین کرتے تھے (تفسیر مواہب الرحمٰن ج ۶ ص ۲۰۹ سورۂ جمعہ)

اسی لئے فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں ومن السنة جلوسه فی مخدعه عن يمين المنبر (درمختار) یعنی خطیب کے لئے مسنون یہ ہے کہ منبر کی دائیں جانب حجرہ میں بیٹھے (درمختار) حجرہ نہ ہو تو اس طرف کے کونے میں بیٹھے، دائیں جانب سکون کی جگہ نہ ہو تو جہاں سکون ہو وہاں بیٹھے، خطیب کے لئے خطبہ سے پہلے کی سنتیں محراب میں پڑھنا مکروہ ہے۔ شامی میں ہے (قوله عن يمين المنبر) قيد لمخدعه قال فی البحر فان لم يكن ففی جهته او ناحيته وتكره صلاته فی المحراب قبل الخطبة (شامی ج ۱ ص ۷۶۰ باب الجمعة)

آپ کے یہاں کے امام صاحب کا عمل مطابق سنت ہے، آج کل یہ سنت متروک العمل ہے، حق تعالیٰ اماموں کو اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت عثمانی کہنا:

(سوال ۴۸) جمعہ کے دن پہلی اذان منارہ پر ہوتی ہے، غیر مقلدین اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ بدعت عثمانی (رضی اللہ عنہ) ہے اور ناجائز ہے، یہ اذان حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی، کیا ان کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رسول مقبول ﷺ کے مبارک زمانہ میں مسلمان کم تھے ایک اذان جو منبر کے پاس ہوتی تھی وہ کافی تھی، بعد میں مسلمان دور دور تک پھیل گئے تو اذان منبری کافی نہ رہی اس لئے حضرت عثمانؓ کے زمانہ مبارکہ میں صحابہؓ کے اجماع سے پہلی اذان کا اضافہ ہوا، اور اجماع حجت شرعیہ ہے، نیز حضرت عثمانؓ خلفائے راشدین مہدیین میں سے ہیں اور رسول مقبول ﷺ نے خلفائے راشدین کے طریقہ کو سنت فرمایا۔ فعليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين. الحديث (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

تفسیر مواہب الرحمان میں ہے۔ یا یھا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ. اے ایمان والو جب اذان دی جاوے واسطے نماز کے ف یعنی نماز جمعہ کے واسطے اذان دی جاوے اور یہ پہلی اذان ہے اور اس سے مراد وہ اذان ہے جب خطبہ پڑھنے کے واسطے خطیب منبر پر بیٹھے تو اس کے روبرو کھڑے ہو کر اذان کہی جاوے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں بھی جمعہ کے واسطے یہی پہلی اذان تھی پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں بھی جمعہ کے واسطے یہی پہلی اذان تھی، پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں لوگوں کی کثرت ہوگئی اور آبادی بھی دور تک بڑھ گئی تو آپ نے مقام زوراء پر ایک اذان بڑھائی کہ اس کے سنتے ہی لوگ خرید وفروخت چھوڑتے اور جمعہ کے واسطے متوجہ ہوتے تھے، پھر جب خطیب منبر پر بیٹھتا تو بدستور سابق اس کے سامنے دوبارہ اذان دی جاتی پھر بعد فراغت خطبہ کے نماز کے واسطے اقامت کہی جاتی وہ بھی اذان کہلاتی ہے اور اس وقت سے اسی طرح معمول رہا اور اس زمانہ میں اصحاب مہاجرین وانصار بہت موجود تھے مگر کسی نے مخالفت نہیں کی تو یہ بھی سنت معمول ہوگئی، کیونکہ حدیث میں آیا ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی۔ الحدیث۔ یعنی تم لوگ اپنے اوپر لازم کرو میرے طریقہ سنت کو، اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقہ سنت کو اور دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور خبردار بچے رہو ایسی باتوں سے جو نئی نکالی گئی ہیں کیونکہ دین میں ہرنئی بات گمراہی ہے اور ہر ایک گمراہی دوزخ میں گئی ہے۔ الی قولہ۔ پس حاصل یہ کہ جمعہ کے روز پہلے منارہ پر اذان دینا جائز ہے، بعد اس کے خطیب کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دی جاوے (تفسیر مواہب الرحمان ج ٦ ص ٢٠٣ سورہ جمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحت جمعہ کے لئے اذن عام والے مسئلہ پر ایک مفتی صاحب کا اشکال اور اس کا مفصل جواب!:

(سوال ٤٩) سیدی وسید المؤمنین حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بعد سلام مسنون بخیر ہوں۔ کافی دنوں سے خبر سن رکھی تھی کہ حضرت والا نے بھائی صاحب کی معرفت فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم احقر کے لئے بطور ہدیہ ارسال فرمایا ہے، آج وہ ہدیہ پرخلوص موصول ہوا، کس قدر خلوص سے آپ نے وہ ہدیہ بھیجا ہے کہ اور تمام کتابوں کا مطالعہ چھوڑ کر اسی کو دیکھنے میں لگ گیا، تقریباً تین ربع سے زیادہ ٢٤ گھنٹے میں دیکھ لیا، بہت سی چیزیں دیکھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدارین خیراً۔

فتاویٰ رحیمیہ ج ٣ ص ٥٩ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں کیا بمبئی کی گودی میں کھڑے ہوئے جہاز میں جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ کے عنوان سے دیکھیں ص ٩٠ مرتب) کے مسئلہ۔ بمبئی کے رہنے والے حاجیوں کو گودی میں ٹھہرے ہوئے جہاز میں مقیم ٹھہرا کر اتمام صلوٰۃ کا حکم دیا گیا، اس لئے کہ گودی فناء شہر میں واقع ہے لیکن جمعہ پڑھنے سے اس لئے روکا گیا کہ جہاز میں اذن عام نہیں ہے اور شرائط جمعہ میں سے اذن عام ہے جو یہاں مفقود ہے۔

شامی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ صحیح ہونا چاہئے بلکہ ان پر فرض ہونا چاہئے، کیونکہ اذن عام کی شرط شامی میں وہاں بتائی گئی ہے جہاں جمعہ فقط ایک جگہ ہوتا ہے تاکہ کسی کا جمعہ فوت نہ ہو مگر جہاں تعدد جمعہ کا رواج ہو اور چند جگہ ہوتا ہو وہاں پر یہ شرط نہ پائی جائے تب بھی ان لوگوں پر جمعہ فرض رہے گا بشرطیکہ دوسری شرائط پائی جائیں

اس لئے کہ اس صورت میں اذن عام نہ ہونے کے باوجود بھی لوگ جمعہ دوسری جگہ پڑھ سکیں گے اور بمبئی کا بھی یہی حال ہے۔ قلت وینبغی ان یکون محل النزاع مااذا کانت لا تقام الافی محل واحد اما لو تعددت فلا لانہ لا یتحقق التفویت کما افادہ التعلیل. پھر فتاویٰ دارالعلوم جلد پنجم ص ١٠٦ میں بھی مع حاشیہ کے یہی دیکھا کہ جمعہ ان لوگوں پر فرض ہونا چاہئے، باقی حضرت والا بھی خدا کے فضل سے علمی قوت کم نہیں رکھتے، ہوسکتا ہے کہ شامی رحمہ اللہ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی رائے دلائل کے اعتبار سے آپ کے نزدیک کمزور ہو ۔فقط والسلام۔

(الجواب) وباللہ التوفیق: مکرمی جانب مولانا صاحب۔ زیدت معالیکم بعد سلام مسنون! عافیت طرفین مطلوب ہے۔ کافی دن ہوئے آپ کا عقیدت مندانہ مکتوب گرامی موصول شدہ کاشف احوال ہوا تھا، شوق اور توجہ سے آپ نے فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم کا مطالعہ کیا، اس قدردانی کا تہ دل سے شکرگذار ہوں۔ آپ نے جمعہ کے اذن عام والے مسئلہ پر نظر ثانی کی ضرورت بتلائی ہے، اس کا بھی ممنون ہوں مگر بھائی فتویٰ خدا کے فضل سے صحیح ہے، اصلاح کا محتاج نہیں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی توجیہ اکثر متون وشروح کے خلاف ہے، دوسری جگہ یا دوسری مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو اذن عام شرط ہے ورنہ شرط نہیں ہے، ان کی یہ تحقیق مجروح معلوم ہوتی ہے، اذن عام کی شرط علی الاطلاق ہے اور یہی منشاء شرع کے مطابق ہے، نماز جمعہ ایک مخصوص اور مہتمم بالشان عبادت ہے، شعائر اسلام اور شعائر دین بھی ہے، اس کو دوسری عبادتوں کی طرح ادا نہ کیا جائے، نماز جمعہ کی چند خصوصیات ہیں اس کے مطابق ادا کی جائے تو صحیح ہوگی ورنہ ظہر ادا کرنا ہوگی۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصر (یعنی بڑی آبادی) میں ادا کی جائے، چھوٹی آبادی اس کے شایان شان نہیں اس لئے چھوٹے گاؤں میں ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی۔

(٢) اجازت امیر (یا اس کے نائب کی) شرط ہے بلا اجازت ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی۔ ظہر لازم ہے۔

(٣) وقت ظہر میں ادا کی جائے، وقت نکل جانے کے بعد ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی ظہر ادا کرنا لازم ہے۔

(٤) خطبہ شرط ہے، بلا خطبہ ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی۔

(٥) جماعت شرط ہے، بلا جماعت ادا کرنا اس کے شایان شان نہیں ہے اس لئے صحیح نہ ہوگی۔

(٦) اذن عام شرط ہے یعنی علی الاعلان اور علی سبیل الاشتہار اور علی الاظہار ادا کی جائے، چھپ کر ادا کرنا اس کے شایان شان نہیں اس لئے ادا نہ ہوگی نمازیوں کو آنے کی روک ٹوک اذن عام کے خلاف ہے، اس لئے جیل خانوں میں جمعہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح نہ ہونے کی وجہ اذن عام کا فقدان ہے، کسی نے یہ نہیں لکھا کہ شہر میں دوسری جگہ جمعہ نہیں ہوتا اس لئے جیل خانوں میں جمعہ صحیح نہیں کیا جس جگہ جیل خانہ ہوتا ہے اس شہر میں جمعہ نہیں ہوتا ہے؟ ضرور ہوتا ہے اور متعدد جگہ ہوتا ہے، لہٰذا اذن عام کی شرط مطلق ہے، دوسری جگہ جمعہ ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ حضرت عارف باللہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ان کے دوسرے فتوے سے ٹکرا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(سوال ٤٤١) ایک قلعہ میں آمد ورفت کے لئے عام اجازت نہیں ہے، اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس قلعہ میں جمعہ جائز نہیں ہے، باہر جائز ہے جہاں عام لوگ شریک ہوجائیں۔

(الجواب) اذن عام بے شک صحت جمعہ کے لئے شرط ہے پس جب کہ اس قلعہ میں عام نمازیوں کو اجازت نہیں ہے تو وہاں جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ کذا فی الدر المختار الشامی وغیرہما (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج ۵ ص ۹۰)

یہ فتویٰ فتاویٰ رحیمیہ کے عین مطابق ہے، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے زمانہ میں تعدد جمعہ کا رواج تھا، پھر آپ نے ایسا فتویٰ کیوں دیا؟

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ تعلیم الاسلام میں لکھتے ہیں۔ ''پانچویں شرط اذن عام ہے، اذن کے معنی اجازت کے ہیں، اذن سے مطلب یہ ہے کہ سب کو اجازت ہو، جو چاہے آ کر نماز میں شریک ہو سکے، ایسی جگہ جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی کہ وہاں خاص لوگ آ سکتے ہوں اور ہر شخص کو آنے کی اجازت نہ ہو (تعلیم الاسلام ص ۴۷ حصہ چہارم) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو معلوم تھا کہ دہلی وغیرہ تمام شہروں میں متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہے، اس کے باوجود آپ نے مطلق فتویٰ دیا، دوسری جگہ جمعہ نہ ہونے کی قید نہیں لگائی، اور یہی صحیح ہے۔

امام اہل سنت والجماعت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب قدس سرہٗ نے بھی دوسری جگہ نماز نہ ہونے کی قید نہیں لگائی۔ فرماتے ہیں۔ ''عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ کا پڑھنا کسی خاص مقام میں چھپ کر نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں (علم الفقہ ج ۲ ص ۱۱۶)

اس میں بھی دوسری جگہ جمعہ نہ ہونے کی قید نہیں ہے، اور مولانا کے زمانہ میں بھی تعدد جمعہ کا رواج تھا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو: ''عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ کا پڑھنا'' پس کسی خاص مقام میں چھپ کر نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں، اگر کسی ایسے مقام میں نماز جمعہ پڑھی جائے جہاں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو یا جمعہ کے روز مسجد کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو نماز نہ ہوگی۔ (بہشتی گوہر ص ۹۳) حضرت قدس سرہٗ کے زمانہ میں بھی تعدد جمعہ کا عام دستور تھا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:۔ حسب قواعد شرعیہ جیل میں اجازت عامہ نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز واجب نہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۳۰۸)

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب قدس سرہٗ (سابق شیخ الحدیث وصدر مفتی مدرسہ امینیہ دہلی) ارقام فرماتے ہیں۔ ''جمعہ قائم کرنا اسلامی شعار ہے اس کو اعلان اور شہرت کے ساتھ قائم کرنا چاہئے، چنانچہ خود سلطان وقت اپنے محل کے دروازے بند کرا کر جمعہ کی نماز پڑھنا چاہے تو درست نہیں۔ ہاں اگر اذن عام ہو تو جائز ہو جائے گی (فلاح) اسی بنا پر جیل خانہ میں بھی جمعہ جائز نہیں (نور الاصباح ترجمہ نور الایضاح ص ۱۲۵)

نیز ارقام فرماتے ہیں۔ پانچویں شرط۔ اذن عام۔ یعنی ایسی جگہ جہاں پہنچنے کی سب کو اجازت ہو، جو چاہے نماز میں آ کر شریک ہو سکے، اگر خاص لوگ آ سکتے ہیں اور ہر شخص کو آنے کی اجازت نہ ہو وہاں نماز جمعہ صحیح نہیں ہے، جیل خانہ میں قیدیوں پر نماز جمعہ واجب نہیں ہوتی اور اگر پڑھیں تو جیل خانہ میں نماز جمعہ صحیح بھی نہ ہوگی۔ (حاشیہ)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ امداد الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(الجواب) جب اذن عام ہو تو درست ہے ورنہ باہر نکل کر میدان میں پڑھ لیں (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۸۳ باب صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ کراچی)

والا ذن العام هذا الشرط لم يذكر فى الهداية ولا اثر له فى ظاهر الرواية وانما هو مذكور فى النوادر ومشى عليه اصحاب المتون واستبط ذلك من قوله تعالىٰ يا يها الذين امنوا اذا نودى للصلوٰة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله . فان النداء للاشتهار وفيه نظر ولا يخفىٰ. معنى الا ذن العام ان لا يمنع احداً ممن يصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى يصلى فى الجمعة وهو يحصل بفتح ابواب الجامع فلو دخل امير خصاً او قصراً واغلق بابه وصلى با صحابه لم تنعقد كذافى الكافى وغيره (عمدة الرعاية فى حل شرح الوقاية باب صلوٰة الجمعة).

السآدس الا ذن العام حتى لو ان السلطان اوالا مير اذا اغلق باب قصره وصلى فيه بحشمه لا تجوز جمعته وان فتحه واذن للناس بالدخول جازت سواء دخلوا اولاو ذلك لما مرمن غير مرة انها شرعت بخصوصيات لا تجوز بدونها والا ذن العام والا داء علىٰ سبيل الشهرة من جملة تلك الخصوصيات فلا تجوز بدونه (فصل فى صلوة الجمعة كبيرى ص ۵۱۸)

والسادس من تلك الشروط الاذن العام وهو ان يفتح باب الجامع ويؤذن للناس حتى لو اجتمعوا فى الجامع واغلقو ابابه وصلوا فيه الجمعة لا يجوز وكذا السلطان لواغلق باب قصره وصلى فيه بحشمه لا يجوز لا نها من شعائر الا سلام وخصائص الدين فلا بد من اقامتها على طريق والا شتهار وان فتح باب قصره واذن للناس بالدخول فيه يجوز سواء دخلوا اولا لكن يكره لعدم قضاء حق المسجد الجامع (مجالس الا برار ص ۵۹۵ و ص ۵۹۶ مجلس نمبر ۴۹)

ومنها الا ذن العام حتى لو غلق الا مام باب حصنه وصلى مع رفقائه لم يجزء فى فتح القدير ان اغلق باب المدينة لم يجز و فيه تأمل فانه لاينا فى الا ذن العام لمن فى البلدوا مامن خارج البلد فالظاهر انهم لا يجيئون لا قامة الجمعة بل ربما يجيئون للشرو الفساد وهذا الشرط ايضاً لا يوجد فى كتب الشافعية وجه قولنا ان مبنى الجمعة على الا شتهار لانه من شعائر الا سلام والمسلمين ولا اشتهار من دون الأ ذن فتأ مل (فصل فى الجمعة رسائل الا ركان ص ۱۱۵، ص ۱۱۴)

(قوله والا ذن العام) اى شرط صحتها الا داء على سبيل الا شتهار الى قوله . وفى المحيط فان فتح باب قصره واذن للناس بالدخول جاز ويكره لانه لم يقض حق المسجد الجامع وعللوا بانها من شعائر الا سلام وخصائص الدين . فيجب اقامتها على سبيل الا شتهار . الى قوله. ولم يذكر هذا الشرط صاحب الهداية لانه غير مذكور فى ظاهر الرواية وانما هو رواية النوادر كمافى البدائع (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۱ باب صلوة الجمعة)

ومنها الا ذن العام وهو ان تفتح ابواب الجامع فيوذن للناس كافة حتى ان جماعة لو اجتمعوا فى الجامع واغلقوا ابواب المسجد وجمعوا لم يجزو كذا السلطان اذا اراد ان يجمع بحشمه فى داره فان فتح باب الدار واذن اذ ناً عاماً جازت صلوته شهد ها العامة ولم يشهد هكذا

فی المحیط (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۵ الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ)
ستۃ فی غیر المصلی وھی المصرا لجامع والسلطان والجماعۃ والخطبۃ والوقت والاظھار. السلطان اذا فتح باب قصرہ واذن للناس بالدخول فیہ یجوز ویکرہ لانہ ضیع حق الجامع کذا فی تبیین الحقائق (نفع المفتی والسائل ص ۱۰۵) ایضاً

قال رضی اللہ عنہ ما ذکر نا من الشرائط الخمس فی غیر المصلی و من جملۃ ذلک الاذن العام یعنی الاداء علی سبیل الاشتھار حتی ان امیراً لو اغلق ابواب الحصن وصلی فی باھلہ وعسکرہ صلوۃ الجمعۃ لا یجوز فی الجامع الصغیر لصدر الشھید. فصار ستۃ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۱۰)

(قولہ الاذن العام) لانھا من شعائر الاسلام وخصائص الدین فیجب اقامتھا علی سبیل الاشتھار ذکرہ الشیخ زین واحترز بالعام عن لاذن الخاص بجماعۃ فیہ لا تصح اقامتھا (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۴۷ باب الجمعۃ)

ششم اذن عام. (مالا بدمنہ م ص ۵۵)

وشرائط فی غیرہ المصر والجماعۃ والخطبۃ والسلطان والوقت والاذن العام حتی لو ان والیاً اغلق باب بلد وجمع بحشمہ وخدمہ ومنع الناس عن الدخول لم تجزا خذاً من اشارۃ قولہ تعالیٰ نودی للصلوۃ فانہ تشھیر الخ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲ باب الجمعہ

ومنھا ما ھو فی غیرہ کالمصر الجامع والسطان والجماعۃ والخطبۃ والوقت والاظھار حتی ان الوالی لو اغلق باب المصر وجمع فیہ بحشمہ وخدمہ ولم یأ ذن للناس بالدخول لم یجزہ (عنایۃ مع فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲ ایضاً)

(الاذن العام) لانھا من شعائر الاسلام فتو دی بالشھرۃ بین الانام وھو یحصل بفتح باب الجامع او دار السلطان او القلعۃ بلا ممانع وقد حررتہ فی شرح التنویر (در ر المنتقیٰ شرح الملتقی ص ۱۶۲)

قال فی مجمع الانھر ناقلا عن عیون المذاھب ولا یضر غلق باب القلعۃ لعدوا و عادۃ قدیمۃ لان الاذن العام حاصل لا ھلہ وغلق الباب لیس لمنع المصلی ولکن عمد غلقہ احسن (طحطاوی علی المراقی الفلاح ص ۲۹۲ ایضاً)

(والاذن العام) ای وشرط لادائھا الاذن العام لا نھا من شعائر الاسلام فیجب اقامتھا علی سبیل الاشتھار بین الانام حتی لو اغلق الامیر باب قصرہ وصلی بعسکرہ لم یجزہ ولو فتح باب قصرہ واذن بالدخول جازت مع الکراھۃ کذا ذکرہ الشمنی. وفی المبسوط ان الاذن العام ھو ان یفتح ابواب الجامع ویؤ ذن للناس حتی لو اجتمعت جماعۃ فی الجامع واغلقوا الابواب لم تجز وکذا السلطان اذا اراد ان یصلی بحشمہ فی قصرہ فان فتح بابہ واذن للناس اذناً عاماً

جازت صلوتہ شھد تھا العامۃ اولا. وان لم یفتح بابہ ولم یؤ ذن لھم بالدخول لاتجزہ لان اشتراط السلطان للمتحرز عن تفویتھا علی الناس واذا لا یحصل الا بالاذن العام وکما یحتاج العامۃ الی السلطان فی اقامتھا فالسلطان یحتاج الیھم بان یؤ ذن لھم اذناً عاماً فبھذا یعتدل النظر من الجانبین (شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۲۵ باب الجمعہ)

وذکر فی النوادر شرطاً آخر لم یذکرہ فی ظاھر الروایۃ وھو اداء الجمعۃ بطریق الاشتھار حتی ان امیراً لو جمع جیشہ فی الحصن واغلق الابواب وصلی بھم الجمعۃ لا تجزئھم کذا ذکر فی النوادر فانہ قال السلطان اذا صلی فی فھندرۃ والقوم مع امراء السلطان فی المسجد الجامع قال ان فتح باب دارہ واذن للعامۃ بالدخول فی فھندرۃ جاز وتکون الصلاۃ فی موضعین ولو لم یاذن للعامۃ وصلی مع جیشہ لا تجوز صلوۃ السلطان وانما کان ھذا شرطاً لان اللہ تعالیٰ شرع النداء لصلوۃ الجمعۃ بقولہ یآیھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ والنداء للاشتھار ولذا یسمی جمعۃ لا جتماع الجماعات فیھا فاقتضیٰ ان تکون الجماعات کلھا ماً ذونین بالحضور اذناً عاماً تحقیقاً لمعنی الاسم (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۹ فصل فی بیان شرائط الجمعۃ)

ان تمام عبارتوں میں اس کی تصریح ہے کہ اگر بادشاہ اپنے محل اور قلعہ میں نماز جمعہ پڑھے تو صحت جمعہ کے لئے اذن عام ضروری ہے، ظاہر ہے کہ اس شہر کی جامع مسجد میں نماز جمعہ تو ہوتی ہی ہوگی مگر اس کے باوجود قلعہ میں اقامت جمعہ کے لئے اذن عام کی شرط ہے اور بدائع الصنائع کی عبارت میں توتکون الصلوۃ فی موضعین کی تصریح ہے اور رسائل الارکان وغیرہ میں ان مبنی الجمعۃ علی الاشتھار کی صراحت ہے، لہٰذا اب تو اشکال رفع ہوجانا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر اور نماز جمعہ:

(سوال ۵۰) تبلیغی جماعت جمعہ کے وقت شہر کی ایسی مسجد میں پہنچی جہاں بستی کا ایک شخص بھی مسجد میں نہیں آیا تو اگر یہ لوگ جو مسافر شرعی ہیں جمعہ پڑھیں تو ظہر کی نماز ان کی ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ان کا جمعہ صحیح ہوجائے گا اور نماز ظہر ان کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گی مالابدمنہ میں ہے:۔ مسئلہ:۔ اگر جماعت مسافران در مصر نماز جمعہ گذارند در آنہا مقیم کسے نباشد نزد امام اعظم جمعہ صحیح باشد الخ (ص ۵۶ فصل در نماز جمعہ) فقط واللہ اعلم۔

پچیس سو کی بستی ہے وہاں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟

(سوال ۵۱) ایک دیہات کی آبادی پچیس سو ہے قصبہ پانچ میل دوری پر ہے تو ہماری بستی میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) آپ کی بستی شہر یا قصبہ ہو یا قصبہ نما بڑا گاؤں ہو اور اہل حرفہ (جن کی اکثر و بیشتر ضرورت ہوتی ہے) موجود ہوں اور لوگوں کے حوائج ضروریہ پورے ہوتے ہوں اور خورد و نوش کا سامان اور کپڑا وغیرہ بکتا ہو تو جمعہ صحیح ہوگا ورنہ جمعہ پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی، ظہر پڑھنا لازم ہوگا، اگر ہمت اور شوق ہو تو قریب کے شہر میں جا کر جمعہ ادا کریں۔

رسائل الارکان میں علامہ بحر العلوم ارقام فرماتے ہیں فالقابل للفتوی فی مذھبنا الروایة المختارة للبلخی وکان مطلع الاسرار ابی قدس سرہ' یفتی بان المصر موضع یندفع فیه حاجة الانسان الضروریة من الاکل بان یکون ھناک من یبیع طعاماً والکسوة الضروریة وان یکون ھناک اھل حرف یحتاج الیھم کثیراً ولا ادری ھذا کان عن اجتھادہ قدس سرہ' اووجد روایة واللہ اعلم (ص ۱۱۴ فصل فی الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسافر جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۵۲) مسافر شرعی جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں اس بارے میں اختلاف ہو رہا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسافر جمعہ کی نماز پڑھ سکتا ہے اور پڑھا بھی سکتا ہے، درمختار میں ہے:۔ ویصلح للامة فیھا (ای فی الجمعة) من صلح لغیرھا فجازت لمسافر وعبد ومریض الخ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۶۴ باب الجمعة) شامی میں ہے: ان المسافر لما التزم الجمعة صارت واجبة علیه ولذاصحت امامته' فیھا (شامی ج ۱ ص ۷۶۷ باب الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نمبر ۱ اذان اول کے بعد کاروبار کرنا نمبر ۲ سنت ادا کرنے سے پہلے دنیوی کام کرنا:

(سوال ۵۳) میں عطر فروش ہوں اور عطر کی پیٹی اٹھا کر ادھر ادھر پھیری پھرتا ہوں، جمعہ کی دن جمعہ کی پہلی اذان کے بعد لوگ مسجد میں زیادہ آتے ہیں، تو اس وقت عطر زیادہ بکتا ہے تو کیا اذان اول کے بعد میں اپنا کاروبار جاری رکھ سکتا ہوں جمعہ سے پہلے کی سنتیں ادا کر لیتا ہوں اور خطبہ بھی پورا سنتا ہوں اور جمعہ کی نماز کے بعد فوراً باہر آ جاتا ہوں اور کاروبار میں مشغول ہو جاتا ہوں اور جب سب لوگ نکل جاتے ہیں اس وقت بعد کی سنتیں ادا کرتا ہوں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جمعہ کی پہلی اذان سنتے ہی کاروبار بند کر کے نماز اور خطبہ کے لئے مستعد ہو جانا چاہئے، درمختار میں ہے (ووجب سعی الیھا وترک البیع) ولو مع السعی وفی المسجد اعظم وزراً والاذان الاول) فی الاصح (درمختار) (قوله وفی المسجد) او علی بابه بحر (درمختارمع شامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعة) نماز جمعہ (دو رکعت فرض) کے بعد متصلاً سنت ادا کی جائیں، دنیوی کام میں مشغول ہو کر سنت میں تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا مختصر قرأت سے چار رکعت ادا کر کے کاروبار میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ ویکرہ تاخیر السنة الا بقدر اللھم انت السلام الخ قال الحلوانی لا بأس بالفصل بالاوراد واختارہ الکمال (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۴۹۴ باب تالیف الصلوة) فقط واللہ اعلم بالصواب . ۸ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ۔

ویران عیدگاہ کو آباد کرنا اور بوقت توسیع محراب ومنبر توڑ کر وسط میں بنانا:

(سوال ۵۴) محترم جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم۔ بعد سلام مسنون! گذارش یہ ہے کہ ہمارے شہر میں ایک قدیم اور پرانی عیدگاہ ہے لیکن کئی سال سے اس کے اطراف وجوانب کا حصہ غیروں کے قبضہ میں چلا گیا تھا اور عیدگاہ ناقابل انتفاع ہو گئی تھی، اتنا ہی نہیں بلکہ عیدگاہ میں شراب نوشی اور جوے کا اڈا بن چکا تھا اور پیشاب پاخانہ سے ملوث رہتی تھی، عیدگاہ کے قریب رہنے والے چند نوجوانوں نے اس چیز کو محسوس کیا اور بڑی جدوجہد کے بعد پکی دیوار بنا دی اور غیروں کا قبضہ ختم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ فالحمد للہ علی ذلک، عیدگاہ کی توسیع کی وجہ سے محراب اور منبر کو اپنی اصلی جگہ سے ہٹا کر درمیان میں لانے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مساجد اور عیدگاہ میں امام کے کھڑے رہنے کی جگہ اور محراب بالکل وسط اور درمیان میں ہونا ضروری ہے تاکہ دونوں طرف صفیں برابر ہوں، ایک طرف بڑھ جانا باعث کراہت ہے لہٰذا محراب بالکل درمیان میں بنالی جائے اور منبر بھی محراب کے قریب ہونا چاہئے، (۱) ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

عیدین کی نماز شہر کی عیدگاہ میں ہونا سنت مؤکدہ ہے، (۲) سورت بڑا شہر ہے عیدگاہ کا کماحقہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے شہر کی تقریباً تمام چھوٹی بڑی مسجدوں میں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے اور لوگوں کو اندیر جانا پڑتا ہے، اس لئے سورت میں شہر کے مناسب عیدگاہ کا انتظام ضروری ہے، یہ قدیم عیدگاہ مسلمانوں کی عدم توجہی اور غفلت کی بنا پر کالعدم ہو گئی تھی اور اس کا کافی حصہ ناجائز قبضہ کے نذر ہو گیا تھا اور جہاں پر ہزار ہا مسلمانوں نے نماز پڑھی ہے، لاکھوں سجدے ہوئے ہیں افسوس کہ وہاں شراب نوشی اور قمار بازی کی اڈے بن گئے اور برسوں پیشاب پاخانہ کی گندگی ہوتی رہی جو اہل شہر کے لئے موجب وبال ہے۔

اللہ کے کچھ نیک بندوں کو اس کا احساس ہوا، انہوں نے اس جگہ کو ناجائز قبضہ سے چھڑایا اور گندگی سے پاک صاف کیا اور عیدگاہ کی توسیع کی، یہ حضرات فی الواقع مبارک بادی کے مستحق ہیں، مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان کا ہاتھ بٹائیں اور ان کا پورا تعاون کریں اور اس قدیم عیدگاہ کو آباد کرنے میں جدوجہد کریں، جو لوگ اس کار خیر میں دامے، درمے، قدمے، سخنے حصہ لیں گے وہ سنت زندہ کرنے کی بنا پر انشاء اللہ سو شہیدوں کے اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۴ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ۔

چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا:

(سوال ۵۵) سورت کے ایک محلہ میں ایک مسجد ویران تھی، تقریباً پانچ مہینے ہوئے اس کی مرمت کر کے آباد کی گئی ہے، مسجد کے قرب ایک بھی مسلمان کا گھر نہیں ہے، دوسرے محلوں سے لوگ اس میں نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں، مسجد بہت چھوٹی ہے تقریباً پندرہ بیس آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں جمعہ کی نماز بھی

(۱) قلت ای لأن المحراب انما بنی علامة لمحل قیام الامام لیکون قیامه وسط الصف کماھو السنة ، شامی مکروھات الصلاة ج ۱ ص ۶۰۴

(۲) والخروج الیھا ای الجبانة لصلاة العید سنة وان وسعھم المسجد الجامع ھو الصحیح. درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۷۲.

جاری کی جائے تاکہ مسجد مکمل طور پر آباد ہوجائے، تو یہاں جمعہ جاری کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکور مسجد بہت ہی چھوٹی ہے، اس کی آبادی کے لئے اتنا کافی ہے کہ پنجوقتہ اذان اور جماعت سے نماز ہوتی رہے، اقامت جمعہ پر مسجد کی آبادی موقوف نہیں ہے، اقامت جمعہ شعائر اسلام میں سے ہے اس کا مقصد عظیم یہ ہے کہ شعائر دین کا عظیم الشان مظاہرہ ہو، یہ بات تب ہی ہوسکتی ہے کہ جمعہ عظیم الشان جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے، محلے محلے چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں چھوٹی چھوٹی جماعت سے جمعہ ادا کرنے میں اقامت جمعہ کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اور دوسری مسجدوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ واقامة الجمعة من اعلام الدین فلا یجوز القول بما یؤدی الی تقلیلها (مبسوط سرخسی ج ۱ ص ۱۲۱ باب الجمعة) لہذا اس مسجد میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ کی فضیلت اور کاروبار بند کرنا:

(سوال ۵۶) جمعہ کے دن ہم دوپہر کو نماز جمعہ سے پہلے دوکان بند کردیتے ہیں، ہمیں کس وقت دوکان بند کرنا چاہئے، آج کل زوال ۴۵-۱۲ پر ہے اور اذان ایک بجے ہوتی ہے، اور خطبہ کا وقت ۱۰-۱ کا ہے۔ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) احادیث میں جمعہ کے دن کی اور جمعہ کی نماز کی بہت ہی فضیلت بیان کی گئی ہے، یہ عید کے دن کے مماثل ہے بلکہ اس سے بھی افضل ہے لہذا بہتر تو یہ ہے کہ صبح ہی سے جمعہ کی نماز کی تیاری میں مشغول ہوجائے، جلد از جلد غسل کرے، عمدہ سے عمدہ کپڑے جو اسکے پاس ہوں پہنے، خوشبو لگائے، سورۂ کہف پڑھے اور جتنی جلدی ہوسکے اذان سے پہلے ہی جامع مسجد میں پہنچ کر نوافل، صلوٰۃ التسبیح، تلاوت قرآن، ذکر واذکار اور درود شریف پڑھنے میں مشغول رہے، تو بڑی فضیلت کا مستحق ہوگا، حدیث میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یغتسل رجل یوم الجمعة ویتطهر ما استطاع من طهر ویدهن من دهنه اویمس من طیب بیته ثم یخرج فلا یفرق بین اثنین ثم یصلی ما کتب له ثم ینصت اذا تکلم الامام الا غفر له ما بینه وبین جمعة الاخریٰ. رواه البخاری یعنی جو شخص جمعہ کے دن غسل اور طہارت بقدر امکان کرے، بعد اس کے اپنے بالوں میں تیل لگائے اور خوشبو کا استعمال کرے اس کے بعد نماز کے لئے چلے اور جب مسجد میں آئے کسی آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر نہ بیٹھے، پھر جس قدر نوافل اس کی قسمت میں ہوں پڑھے اور جب امام خطبہ پڑھنے لگے تو سکوت کرے تو گذشتہ جمعہ سے اس وقت تک کے گناہ اس شخص کے معاف ہوجائیں گے، اور دوسری حدیث میں ہے کہ گذشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک اور مزید تین دن کی گناہ معاف ہوجائیں گے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۲)

اور ایک حدیث میں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من غسل یوم الجمعة واغتسل وبکر وابتکر ومشیٰ ولم یرکب ودنا من الامام واستمع ولم یلغ کان له بکل خطوة عمل سنة اجر صیامها وقیامها (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة) جو شخص جمعہ کے دن غسل کرائے (یعنی بیوی کو) اور خود بھی غسل کرے اور سویرے مسجد میں پیادہ پا جاوے سوار ہوکر نہ جائے اور امام کے قریب بیٹھے اور خطبہ غور سے سنے اور اس درمیان کوئی لغو فعل نہ کرے تو اس کو ہر قدم کے عوض ایک سال کامل کی عبادت کا ثواب ملے گا،

ایک سال کے روزوں کا اور ایک سال کی نمازوں کا (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۲ باب التنظیف والتبکیر) پھر نماز جمعہ سے فارغ ہوکر کھانا کھائے اور اس کے بعد دوکان کھولے، اس پر عمل کرنا اور صبح ہی سے دوکان بند کرنا مشکل ہو تو اذان اول سے اتنی دیر پہلے دوکان بند کردی جائے کہ سنت کے موافق غسل کرکے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اذان اول کے وقت جامع مسجد پہنچ جائے۔ (ووجب سعی الیها وترک البیع) ولو مع السعی وفی المسجد اعظم وزراً (بالاذان الاول) فی الاصح (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعة)

جمعہ کے دن کی جتنی عظمت کروگے اور سنت کے موافق نماز جمعہ کا جتنا اہتمام کروگے، اس کے موافق برکات سے نوازے جاؤگے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز کیوں صحیح نہیں؟:

(سوال ۵۷) ہمارے گاؤں میں برسوں سے جمعہ کی نماز ہوتی تھی اور جمعہ کی عظمت کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے، آٹھ دس ماہ سے ہمارے یہاں قریۂ صغیرہ ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز بند کردی گئی مگر اس کی وجہ سے وہ لوگ جو ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ مسجد میں آتے تھے ان لوگوں نے مسجد میں آنا بند کردیا، اس لئے ہمارا ارادہ ہے کہ ایسے لوگ جمعہ کی نماز کی وجہ سے مسجد میں آجایا کریں، جمعہ کی نماز شروع کردیں، کیا اس مقصد سے جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہر چیز کے کچھ اصول وقواعد ہوتے ہیں، ان اصول وقواعد کے موافق عمل کیا جائے تب ہی وہ عمل صحیح ہوتا ہے ورنہ صحیح اور قابل قبول نہیں ہوتا۔ مثلاً نابالغ لڑکا یا لڑکی اپنا نکاح خود نہیں کرسکتے اگر کریں تو نکاح صحیح نہ ہوگا کہ اپنا نکاح خود کرنے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ لڑکا طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی کہ طلاق کی صحت وقوع کے لئے بالغ کا طلاق دینا ضروری ہے، نابالغ لڑکا بالغین کا امام نہیں بن سکتا کہ امامت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، وقت سے پہلے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی، اسی طرح حج کی ادائیگی کے لئے اشہر حج ہونا اور ارکان کی ادائیگی کے لئے جو جگہیں مقرر کی گئی ہیں وہاں جاکر ارکان ادا کرنا ضروری ہے ورنہ فریضۂ حج ادا نہ ہوگا، اسی طرح نماز جمعہ کی صحت کے لئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے اس لئے چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عیدین جیسی اہم عبادات جو عظیم شعائر اسلام میں سے ہیں ادا نہیں کی جاسکتی۔ (۱) دیکھئے! میدان عرفات شہر میں داخل نہیں اس لئے وہاں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی حالانکہ لاکھوں حجاج ہوتے ہیں وہ سب ظہر پڑھتے ہیں، اسی طرح آپ کا گاؤں چھوٹا ہے شہر یا قصبہ نہیں اس لئے جمعہ یا عید کی نماز ادا نہیں کی جاسکتی، جو لوگ بے نمازی ہیں ان پر محنت کی جائے اور نماز کی اہمیت ان کے اندر پیدا کی جائے تو انشاء اللہ ظہر کی نماز بھی پڑھنا شروع کردیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ کی جماعت دوبارہ کرنا:

(سوال ۵۸) جامع مسجد میں نماز جمعہ ایسے امام نے پڑھائی جس کی قرائت ٹھیک نہ تھی بعض نے نہ پڑھی تو اب

---

(۱) قوله وشرط ادائها المصر ای شرط صحتها ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قریة ولا مفازة لقول علی رضی اللہ عنه لا جمعة ولا تشریق ولا صلاة فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع أو مدینة عظیمة رواه ابن ابی شیبة وصححه ابن حزم بحرالرائق باب صلاة الجمعة ج ۲ ص ۱۴۰.

سب دوبارہ باجماعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں!

(الجواب) جس مسجد میں ایک مرتبہ نماز جمعہ باقاعدہ ہوئی ہو وہاں دوسری مرتبہ نماز جمعہ درست نہیں۔ جنہوں نے نماز نہیں پڑھی وہ دوسری مسجد میں جاکر پڑھیں ورنہ بلا اذان اور بلا اقامت اور بغیر جماعت کے ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کرلیں (شامی ج ۱ ص ۷۶۶) (۱) واللہ اعلم بالصواب.

جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنا:

(سوال ۵۹) جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھے یا نہیں۔

(الجواب) جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت نماز پڑھنا مکروہ اور منع ہے (صلوۃ الجمعۃ رسائل الارکان ص ۶۴) وقع مما ایضاً ترجیح قول الا مام بکراھۃ النا فلۃ فی وقت الا ستواء یو مھا فافھم. (شامی ج ۱ ص ۷۷۳ آخر صلاۃ الجمعۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

گاؤں میں مسجد نہیں ہے تو نماز جمعہ صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۶۰) گاؤں میں مسجد نہیں ہے، جمعہ وعیدین کے لئے تکلیف ہے، مسجد کی بناڈالی ہے پنجگانہ نماز کہاں ادا کی جائے امام بھی نہیں اب اس گاؤں میں جمعہ وعیدین پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) وجوب اور صحت جمعہ وعیدین کے لئے شہر اور قصبہ ہونا شرط ہے مسجد کا ہونا شرط نہیں اسی طرح جائے نماز کا وقف ہونا بھی شرط نہیں گھر میں یا کرایہ کے مکان میں ادا کی جاسکتی ہے بشرطیکہ عام لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ہو، عام اجازت نہ ہوگی تو نماز جمعہ وعیدین صحیح نہ ہوگی۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۴۷۔۷۶۱) (۲)

آپ حضرات موجودہ حالت میں نماز کے لئے کوئی جگہ مقرر کرلیں اس کی صفائی رکھ کر نماز باجماعت پڑھنے کا انتظام کریں اور امامت کے لئے کسی نیک دیندار کو مقرر کرلیں نماز جمعہ وعیدین کو صحت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ امام کے علاوہ تین نمازی اور ہوں۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز جمعہ جہاں صحیح نہ ہو وہاں سے دوسری جگہ جانا کیسا ہے؟:

(سوال ۶۱) جہاں جمعہ صحیح نہیں ہے وہاں سے بالقصد دوسری جگہ جانا منع ہے ایسا فتویٰ دیا ہے تاہم جانے والے کے لئے کوئی وعید ہے؟ ہمارے یہاں سے بذریعہ ٹرین یا موٹر تیس یا چالیس میل دور سفر کر کے جمعہ کے لئے جاتے ہیں تو کیسا ہے؟

(الجواب) جس گاؤں میں جمعہ جائز نہیں وہاں سے شہر میں جمعہ کے لئے جانا لازم نہیں، ہاں جانے پر ثواب کا حق دار ہے جانے کی ممانعت نہیں۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۷۲ صلوٰۃ الجمعہ)

---

(۱) وکذا اھل مصر فاتتھم الجمعۃ فانھم یصلون الظھرو لا اقامۃ ولا جماعۃ قال فی الشامیۃ تحت قولہ وکذا اھل مصر عن المضمرات یصلون وحدانا باب الجمعۃ)

(۲) ویشترط لصحتھا سبعۃ اشیآء الا ول المصر والسابع الاذن العام من اْلا مام الخ باب الجمعۃ اگر مذکورہ جگہ شہر یا قصبہ نہیں بلکہ دیہات ہے تو جمعہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا)

ظہر وجمعہ کی سنت میں جماعت وخطبہ شروع ہو جائے:

(سوال ۶۴) ظہر و نماز جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت موکدہ پڑھنے کی حالت میں ظہر کی جماعت یا جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے تو سنت پوری کرے یا دو رکعت پر سلام پھیر دے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں دو رکعت پر سلام پھیر دے یا چار رکعت مختصر قرأت وغیرہ کے ساتھ پڑھے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پڑھے ہاں اگر تیسری رکعت شروع کردی ہو تو اختصار کے ساتھ چار رکعت پوری پڑھے (شامی ج ۱ ص ۶۶۸ ادراک الفریضۃ) فقط اللہ اعلم۔

نماز جمعہ کے قعدہ میں شرکت:

(سوال ۶۵) جمعہ کی نماز میں کوئی شخص قعدہ اخیرہ میں شامل ہوا تو دو رکعت پڑھے یا چار رکعت پوری کرے؟

(الجواب) دو رکعت جمعہ کی پڑھے۔ چار رکعت ظہر کی پڑھنے کی حاجت نہیں۔ (نورالایضاح ص ۱۳۶)

جمعہ وعیدین میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال:

(سوال ۶۶) لاؤڈ اسپیکر یعنی آلہ مکبر الصوت پر جمع وعیدین کا خطبہ اور نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) بعض علماء کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء درست اور نماز صحیح نہیں کہ ان کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی نہیں نقلی ہے۔ اگر چہ بہت سے علماء کے نزدیک اقتداء درست اور نماز صحیح ہے فاسد یا واجب الاادا نہیں لیکن ان

میں سے محتاط اور محققین علماء اس میں خرابیاں زیادہ ہونے اور نفع سے زیادہ نقصان کا پہلو غالب ہونے کی وجہ سے نماز میں اس کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے اور یہی مناسب ہے اور اسی میں سلف صالحین کی کامل اتباع ہے لہذا اسلف صالحین کے سادہ محتاط اور بابرکت طریقہ کو چھوڑ کر نماز جیسی افضل العبادات اور دین کے اہم شعار کو ایسے مخدوش اور اختلافی طریقہ کے ذریعہ ادا کرنا ہرگز مناسب نہیں اس کے استعمال پر اصرار کرنا غلطی ہے خطبہ میں بھی اس کا استعمال خطبہ کے شایان شان نہیں۔ اگر خطبہ اور قرأت کی آواز حاضرین تک پہنچ جاتی ہے تو کسی عالم کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہے کہ اس صورت میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ دور حاضر کے فتاویٰ ملاحظہ فرمایئے ذیل میں منقول ہیں۔

(۱) الجواب (ص ۱۴۷۰) یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بعض علماء اس کو فاسد کہتے ہیں اور بعض درست کہتے ہیں احوط یہی ہے کہ اس کو نماز میں ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

سعید احمد مفتی مظاہر العلوم (سہارنپور) ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ)

(۲) مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی۔ لاؤڈ اسپیکر کو نماز میں استعمال نہ کیا جائے امام کو چاہئے کہ اس کو روک دے۔ (ماہنامہ نظام کانپور۔ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۲ جون ۱۹۶۰ء)

(۳) مفتی مہدی حسن صاحب۔ الجواب۔ (۵۳۳۹) جہاں تک احتیاط کا تقاضا ہے پرانے طریقے پر نماز پڑھی اور پڑھائی جائے لاؤڈ اسپیکر نماز میں استعمال نہ کیا جائے اس میں اختلاف بھی ہے۔ ایک جماعت نادرست کہتی ہے اور ایک جائز کہتی ہے اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت کو اس طریقہ سے ادا کیا جائے کہ ہر مکتب خیال کے علماء کے نزدیک نماز صحیح اور درست ہو جائے اور جب مجمع زیادہ ہو تو پرانے طریقے کے بموجب مکبرین کے ذریعہ تکبیرات امام مقتدیوں کو پہنچائی جائیں۔ (حضرت مفتی مہدی حسن صاحب دار العلوم دیوبند ۲۳ ذی الحجہ ٭٭)

نماز جمعہ کی مسنون قرأت:

(سوال ۶۷) ہمارے یہاں امام صاحب نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرا رکوع پڑھتے ہیں اور اس کو سنت طریقہ قرار دیتے ہیں تو کیا اس طرح قرأت کرنے سے سنت ادا ہوگی؟

(الجواب) گاہے گاہے جمعہ کی رکعت اولیٰ میں سورۂ اعلیٰ اور ثانیہ میں سورۂ غاشیہ پڑھنا سنت ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی جمعہ کی رکعت اولیٰ میں سورۂ جمعہ اور رکعت ثانیہ میں سورۂ منافقون پڑھنا بھی مسنون ہے۔ لیکن جمعہ کی دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ جمعہ پڑھنا (یعنی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرا رکوع پڑھنا) جیسا کہ آپ کی امام صاحب کرتے ہیں اور اس کو مسنون طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح جمعہ کی رکعت اولیٰ میں سورۂ جمعہ کا آخری رکوع اور ثانیہ میں سورۂ منافقون کا آخری رکوع پڑھنے کو سنت کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ "زاد المعاد" میں ہے۔ ولا یستحب ان یقرء من کل سورة بعضها او یقرأ احدهما فی الرکعتین فانه خلاف السنة وجهال الائمة یداومون علیٰ ذلک. یعنی یہ طریقہ سنت اور مستحب

نہیں ہے کہ سورۂ جمعہ یا سورۂ منافقون کا کچھ کچھ حصہ پڑھا جائے یا ایک سورت میں دونوں رکعتیں پڑھی جائے (جیسا کہ دریافت کیا گیا ہے) یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ جاہل اماموں نے سنت سمجھ کر اس طور پر پڑھنے کی عادت بنالی ہے اسی کی پابندی کرتے ہیں (ص ۱۰۴ ج ۱) واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ اور جمعہ کی فجر میں کونسی سورۃ پڑھنا مسنون ہے؟:

(سوال ۶۸) نماز جمعہ اور جمعہ کی فجر کی نماز میں کوئی خاص سورت یا آیات پڑھنا سنت ہے؟ اور جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۂ سجدہ پڑھنا سنت ہے؟ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ اکثر و بیشتر فجر کی سنت کی پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص تلاوت فرماتے تھے۔ وتر کی پہلی رکعت میں گاہے گاہے سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص تلاوت فرماتے تھے اور کبھی سورۂ اخلاص کے ساتھ معوذتین بھی پڑھنا ثابت ہے۔ اسی طرح جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون اور گاہے پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ تلاوت فرماتے تھے اور جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر تلاوت فرماتے تھے۔ لہذا اسی طرح گاہے گاہے پڑھنا مسنون اور مستحب ہے۔ سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ لہذا اس پر مداومت نہ کرے کہ عوام اس کو واجب اور سنت مؤکدہ سمجھ لیں۔ "درمختار" میں ہے۔ ویکره التعیین کالسجدة وهل اتی الفجر کل جمعة بل یندب قرأتهما احیاناً. یعنی خاص سورتوں کو مقرر کرلینا جیسے یہ مقرر کرلینا کہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ ھل اتی (سورۂ دہر) کو پڑھے یہ مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ کبھی کبھی ان کو بھی پڑھ لیا کرے۔ "شامی" میں ہے فیستحب ان یقراء ذلک احیاناً تبرکاً بالماثور. نمازوں میں آنحضرت ﷺ سے جو سورتیں پڑھنی ثابت ہیں۔ کبھی کبھی برکت اور ثواب کی نیت سے ان کا پڑھنا مستحب ہے۔ (ص ۵۰۸ ج ۱ فصل فی القرأة)

کیا بمبئی کی گودی میں کھڑے ہوئے جہاز میں جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟:

(سوال ۶۹) مفتی صاحب ہم سب گذشتہ کل جمعرات کو جہاز میں سوار ہوئے ہیں اور آج جمعہ کا دن ہے۔ اب ہمارے ساتھ بمبئی کے کئی حجاج ہیں اور جہاز ابھی بمبئی میں کسٹم (گودی) میں ہے تو یہ لوگ جمعہ ادا کریں یا ظہر؟ اسی طرح قصر کریں یا پوری ادا کریں؟

(الجواب) جہاز جب تک بمبئی گودی میں کھڑا ہے اس وقت تک بمبئی والے نماز پوری ادا کریں۔ یہ لوگ ابھی اپنے وطن کی حد (احاطہ) میں ہیں جس بناء پر مقیم ہیں مسافر نہیں۔ (۱) البتہ ان پر جمعہ کی نماز نہیں کہ جمعہ کے لئے "اذن عام" ضروری ہے۔ جب جہاز والے شہر میں نہیں جاسکتے اور شہر والے جہاز میں نہیں آسکتے تو "اذن عام" کی شرط مفقود ہے اس لئے جمعہ کی نماز ان پر لازم نہیں۔ جیسے اپنے شہر کے جیل خانہ میں جو قید ہیں ان پر جمعہ کی نماز لازم نہیں کیونکہ جیل خانہ میں جانے کی عام اجازت نہیں ہے وہ ظہر کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھیں گے۔ اسی طرح بمبئی کے حجاج بھی ظہر کی

(۱) واشار الی انه مفارقة ماکان من توابع موضع الاقامة کربض المصر وهو ما حول المدینة من بیوت ومساکن فانه فی حکم المصر، شامی باب صلاة المسافر.

نماز علیحدہ علیحدہ پڑھ لیں جماعت نہ کریں۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے شہر میں ظہر کی جماعت کرنا مکروہ ہے۔ کرہ تحریماً لمعذور و مسجون ومسافر اداء ظہر بجماعة فی مصر (الدر المختار فی شروط الجمعة ص ۶۶۷ ج ۱)

جمعہ کے دن بوقت استواء نماز کا حکم:

(سوال ۷۰) حضرت مفتی صاحب۔ بعد سلام مسنون فرزند سلمہ، نے مدراس سے مجھے لکھا ہے کہ میں مظاہر حق پڑھتا ہوں جس میں ایک حدیث پڑھی جسے امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دوپہر کے وقت آفتاب ڈھلنے سے پہلے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن جمعہ کے دن (پڑھ سکتے ہیں) اوکما قال...... تو شافعی مسئلہ تو یہی ہے کہ زوال کے وقت جمعہ کے دن نفل پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ کسی بھی دن زوال کے وقت مکروہ ہے۔ لیکن ایک کتاب درمختار میں لکھا ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز جائز ہے۔ اور یہی قول ان کے شاگرد حضرت امام ابو یوسفؒ کا ہے۔ حضرت جابرؓ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے تو تم جمعہ کے دن صلوٰۃ التسبیح زوال کا وقت دیکھ دیکھ پڑھتی تھیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے زوال کے وقت بھی کچھ حرج نہیں۔ یہ حنفیہ کا فتویٰ ہے (جمعہ کے علاوہ زوال کے وقت مکروہ ہے) اس مسئلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟ رہندہ۔ از بمبئی)

(الجواب) ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک آفتاب ڈھل نہ جائے نماز پڑھنا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن عقبة بن عامر رضی الله عنه يقول ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا ان نصلی فیهن او نقبر فیهن مو تا نا حين تطلع شمس بازغة حتی تر تفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتىٰ تغرب. یعنی حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ تین وقت ہیں کہ منع فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ ہم کو اس سے کہ ہم ان میں نماز پڑھیں یا ان میں اپنے مردوں کو دفن کریں (یعنی جنازہ کی نماز پڑھیں) جس وقت آفتاب نکلنے لگے یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے جس وقت ٹھیک دوپہر ہو جائے یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے اور جس وقت کہ آفتاب غروب ہونے لگے یہاں تک کہ غروب ہو جائے (صحیح مسلم باب الاوقات التی نھی عن الصلوٰۃ فیھا ص ۲۷۶ ج ۱) اس حدیث میں ممانعت کا حکم مطلق اور عام ہے اس میں جمعہ کے دن کا استثناء نہیں ہے۔ جس حدیث میں جمعہ کے دن کا استثناء ہے وہ یہ ہے۔ عن ابی ھریرةؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة نصف النهار حتى تزول الا يوم الجمعة. یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا نماز پڑھنے سے دوپہر کے وقت یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے مگر جمعہ کے دن (منع نہیں ہے) یہ جمعہ کے دن کے استثناء والی حدیث اس درجہ کی نہیں ہے کہ عموم والی حدیث کا مقابلہ کر سکے۔ کیونکہ یہ اس کے مقابلہ میں ضعیف ہے اگر برابر کی بھی مان لی جائے تو اصول حدیث کے بموجب حدیث تحریم کو ترجیح ہوگی۔

"رسائل الارکان" میں ہے۔ وفی التعارض يقدم المحرم على المبيح واجاب الشيخ ابن

الهمام بان هذين الحديثين معارضان لحديث النهی والمحرم راجع عند المعارضة فصل فی المواقيت (ص ۶۲)

والجواب عنه ان استثناء يوم الجمعة لم يرو فی حديث صحيح وكل ماجاء فيه ضعيف بأسره قال الحافظ فی التلخيص بعد ذكر الحديث المذكور واسحق وابراهيم ضعيفان ورواه البيهقی من طريق ابی خالد الاحمر عن عبدالله شيخ من اهل المدينة عن سعيد به ورواه الاثرم بسند فيه الواقدی وهو متروک رواه البيهقی بسند آخر فيه عطاء بن عجلان وهو متروک الخ (اعلاء السنن ص ۴۳ ج ۲ كراهة الصلاة عند الاستوآء)

یعنی حضرت امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ جن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں وہ ضعیف ہیں۔ ان کے راویوں میں اسحاق و ابراہیم ہیں یہ ضعیف ہیں...... بیہقی کی روایت میں واقدی ہیں وہ متروک ہیں۔ دوسری روایت میں عطاء بن عجلان ہیں وہ بھی متروک ہیں الخ۔

پس بہ نظر قوت دلیل اصح قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ والحديث باطلاقه حجة على الشافعیؒ فی تخصيص الفرائض وغيره بمكة وحجة علىٰ ابی یوسفؒ فی اباحة النفل يوم الجمعة كتاب الصلوة باب المواقيت ج ۱ ص ۸۵ (ص ۶۸ ج ۱) شامی میں ہے (قوله الا يوم الجمعة) لمارواه الشافعیؒ فی مسنده نهى عن الصلوة نصف النهار حتى تزول الشمس الا يوم الجمعة قال الحافظ ابن حجر فی اسناده انقطاع وذكر البيهقی له شواهد ضعيفة اذاضمت قوی الخ (قوله المصحح المعتمد) اعتراض بان المتون والشروح علىٰ خلافه (قوله ونقل الحلبی) ای صاحب الحلية العلامة المحقق ابن امير الحاج عن الحاوی ای الحاوی القدسی كمارأيته فيه لكن شراح الهداية انتصروا القول الامام واجابوا عن الحديث المذكور باحاديث النهی عن الصلوة وقت الاستواء فانها محرمة (الیٰ قوله) وايضاً بان حديث النهی صحيح رواه مسلم وغيره فيقدم بصحته واتفاق الائمة على العمل به وكونه حاظراً وقد امنع علماء عن سنة الوضوء وتحية المسجد وركعتی الطواف ونحو ذلک فان الحاظر مقدم على المبيح (الیٰ قوله) ورأيت فی البدائع ايضاً مانصه وما ورد من النهی الا بمكة شاذ لا يقبل فی معارضة المشهور وكذا رواية استثناء يوم الجمعة غريب فلا يجوز تخصيص المشهور به اه ولله الحمد (ج ۱ ص ۳۴۵ كتاب الصلاة) وقد منا ايضاً ترجيح قول الامام بكراهة النافلة فی وقت الاستواء يومها (الجمعة) (شامی باب الجمعة ص ۷۷۳ ج ۱).

"مظاہر حق" میں ہے (زوال کے وقت) کراہت ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک ہر زمان اور ہر مکان میں ہے (مکہ اور جمعہ کا استثناء نہیں ہے) اور نزدیک شافعیؒ کے اور اور علماء کے کہ موافق ان کے ہیں دن جمعہ کے وقت استواء کے جائز ہے اور مکہ معظمہ میں بھی جائز ہے سب اوقات میں اور مذہب حنفیہ کا احوط ہے اس لئے کہ جب مبیح (مباح بتلانے والی حدیث) اور محرم (حرام بتلانے والی حدیث) جمع ہوں تو ترجیح محرم کو ہے واللہ اعلم (ص ۳۴۲ ج ۱) اسی میں

دوسری جگہ لکھا ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے روز بھی زوال کے وقت نماز پڑھنا درست نہیں ہے اس لئے کہ جن حدیثوں میں منع کا حکم ہے وہ مشہور (معتبر) ہیں۔اور یہ حدیث جو امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے ضعیف ہے۔ان مشہور حدیثوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور یہ بھی قاعدہ مسلمہ ہے کہ محرم راجح ہے مبیح پر ملخصاً (ص ۳۴۶ ج ۱)

یہ ہے حنفیہ کا اصلی مذہب پھر یہ کیسے لکھ دیا کہ "جمعہ کے دن صلوٰۃ التسبیح زوال کا ٹائم دیکھ دیکھ کر پڑھتی تھیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے زوال کا وقت ہونے سے بھی کچھ نہیں یہ حنفیہ کا فتویٰ ہے۔" حنفیہ کا مذہب وفتویٰ اور دلیل مسلم کی صحیح حدیث اور کتاب "رسائل الارکان" ہدایہ، بدائع، شامی اور مظاہر حق۔" کی عبارتوں سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ زوال کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔یہی حدیث صحیح سے ثابت ہے۔اور دوسرے قول کے مقابلہ میں راجح اور احوط ہے۔لہٰذا اس پر عمل کرنا چاہئے۔نماز اہم عبادتوں میں سے ہے۔اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔"شامی" میں ہے۔"لما فی مبسوط السرخسی ان الا خذبالا حتیاط فی باب العبادات واجب اھ" (ص ۱۰۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔(عبادات کے متعلق مسائل میں احتیاط والے مسئلہ پر عمل کرنا واجب ہے۔

فنائے مصر سے باہر رہنے والوں پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۷۱) راندیر کے قریب دو۲ دیہات ہیں۔اراجن اور پال دونوں جگہ کی فجر کی اذان سنائی دیتی ہے جب کہ لاؤڈ اسپیکر پردی جاتی ہے تو اس جگہ کے لوگوں پر نماز جمعہ کے لئے راندیر آنا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) جب یہ دونوں دیہات راندیر سے علیحدہ اور مستقل ہیں تو ان کے باشندوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ولا یجب علی من کان خارجه ولوسمع النداء من المصرسواء کان سواده قریبا من المصراو بعیداً علی الا صح فلا یعمل بما قیل بخلافه وان صحح .باب الجمعة(مراقی الفلاح ص ۱۰۱)

لایعمل بما قیل الخ قال فی الشرح قد علمت بنص الحدیث والا ثرو الروایة عن ائمتنا ابی حنیفة وصا حبیه واختیار المحققین من اهل الترجیح انه لا عبرة ببلو غ النداء ولا بالغلوة و ۶ میال وانه لیس بشیئی فلا علیک من مخالفة غیره وان ذکر تصحیحه فمنه مافی البدائع انه ان امکن ان یحضر الجمعة ویبیت باهله من غیر تکلف یجب علیه الخ ای لان من جاوز هذا الحد بنیة السفر کان مسافراً فلووجبت ثمه لوجبت علیٰ المسافر وهو خلاف النص .(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۹۲ ۲۹۳ ایضاً) فقط والله اعلم بالصواب .

چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا حکم:

(سوال ۷۲) میں "نواگاؤں بورجائی" میں ملازم ہوں۔مدرسہ اور امامت بھی میرے ذمہ ہے۔گاؤں میں دس۱۰ بارہ۱۲ مکان ہیں۔پہلے سے جمعہ نہیں پڑھا جاتا اور نماز عید ہوتی ہے کیا فی الحال نماز پڑھنا واجب ہے اور نماز عید واجب ہے تو نیت واجب کی کی جائے یا نفل کی؟ بعض کہتے ہیں کہ واجب کی نیت سے نماز عید صحیح نہیں ہے نفل کی نیت سے صحیح ہے تو کیا نفل کی نیت سے نماز عید پڑھے پڑھائے تو ادا ہوگی؟

(الجواب) تمہارا گاؤں چھوٹا ہے ایسے گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں۔نفل کی نیت سے بھی عید کی نماز

پڑھنے پڑھانے کی اجازت نہیں مکروہ تحریمی ہے۔"درمختار" میں ہے۔صلوة العید فی القری تکره تحریماً ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة. "شامی" میں ہے۔(قوله ما لا یصح) ای علی انه عید والا فهو نفل مکروه لا دائه بالجماعة (۷۷۵ ج ۱ باب العیدین)فقط والله اعلم بالصواب .

گاؤں قصبہ بن جائے تو نماز جمعہ وعیدین کا حکم:

(سوال ۷۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارا قصبہ "چھاپی" آج سے چار پانچ سال قبل ایک معمولی سی دیہات کی حیثیت رکھتا تھا۔مگر اب اس وقت قصبہ کے مانند ہے اور پوری اس کی آبادی تقریباً چار ہزار ہے۔اگر انگریزی اور عربی مدرسہ کے طلباء کی تعداد وشمار کی جائے تو تقریباً چھ سو ۶۰۰ کا اضافہ ہوجاتا ہے۔اس قصبہ میں مستقل بازار ہے۔جس میں ہر قسم کی اشیاء (ضروریات زندگی) فراہم ہوجاتی ہیں اور پورے بازار کی دوکانیں جو باضابطہ پنچائت کو ٹیکس ادا کرتی ہیں۔دوسو پچاس ۲۵۰ ہیں۔ریلوے اسٹیشن ہے جہاں ڈاک میل کے علاوہ سب گاڑیاں ٹھیرتی ہیں۔اور یہ قصبہ اپنے قرب وجوار کے بہت سے دیہاتوں کے لئے تھوک منڈی شمار کیا جاتا ہے۔ دیہاتی تاجر یہاں آکر ضروری اشیاء خریدتے ہیں اور اس میں پنچائت کی آفس، ڈاک گھر، ٹیلی گرام، ٹیلیفون، الیکٹرک (بجلی) بھی ہے اور پولیس تھانہ بھی اور سرکاری غیر سرکاری شفاخانے بھی اور جانوروں کا دواخانہ بھی ہے اور بینک بھی ہے۔یہاں دو مسجدیں اور ایک عربی مدرسہ ہے۔جس میں ساڑھے تین سو (۳۵۰) طلباء زیر تعلیم ہیں۔ پرائمری اور سیکنڈری اسکول ہیں۔خلاصہ یہ کہ یہاں ضروریات زندگی تجارت اور صنعت وحرفت اور جانوروں کے پرورش کے اصطبل لگے ہوئے ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جگہ پر جمعہ وعیدین واجب ہے یا نہیں؟ آج تک یہاں پر جمعہ وعیدین ادا نہیں کی جاتی ہے۔جب باہر کے علمائے کرام آتے ہیں تو اس مقام کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہاں کے لوگ ترک جمعہ کے مرتکب ہوں گے تو جمعہ وعیدین واجب ہے یا نہیں؟ جمعہ ادا نہ کرنے کی صورت میں واقعۃ ترک جمعہ کے گناہ کے مرتکب ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قصبہ اور قریہ صغیرہ ہونے کا مدار عرف پر ہے اگر فی الواقع چھاپی کی بستی قصبہ نما ہے۔اور اہل بستی اور قرب و جوار والے اسے قصبہ سمجھتے ہیں تو یہ عرفاً اور شرعاً قصبہ ہے اور قصبہ قائم مقام شہر کے ہوتا ہے۔لہٰذا یہاں پر بلاتردد نماز جمعہ وعیدین درست ہے۔وتقع فرضاً فی القصبات و القری الکبیرة التی فیها اسواق (شامی ص ۷۴۸ ج ۱ باب الجمعة) لہٰذا اس جگہ جمعہ وعیدین قائم کرنا ضروری ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں:

(سوال ۷۴) بڑودہ شہر کی آبادی سے باہر تبلیغی اجتماع رکھا ہے یہ جگہ شہر کی حد میں ہے یہاں پنڈال میں نماز جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟ چار پانچ ہزار آدمیوں کا شہر میں جانا دشوار ہے۔

(الجواب) یہ اجتماع فنائے شہر میں ہے لہٰذا پنڈال میں نماز جمعہ صحیح ہے۔صحت جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں، شہر یا فنائے شہر میں جہاں کہیں مسجد کی طرح نماز پڑھنے کی عام اجازت ہو نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے۔مگر مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔(اوفناء ه) بکسر الفاء وهوما) حوله (اتصل به) اولا کما حرره ابن الکمال

وغیرہ(لا جل مصالحہ) کد فن الموتی ورکض الخیل (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۴۹ ایضاً)

فنائے شہر یعنی شہر کے اردگرد کا کارآمد میدان جو شہر کے مفاد اور مصالح جیسے مردوں کی تدفین گھوڑ دوڑ اور فوجی اجتماع کے لئے ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحت جمعہ کے لئے کس قدر آبادی شرط ہے؟:

(سوال ۷۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت مسئلہ میں (۱) ہمارے گاؤں کی آبادی تین ہزار کی ہے۔ مسلمان تین سو ہیں۔ (۲) دو قبرستان ہیں ایک سات بیگھے کا اور دوسرا ایک بیگھے کا (۳) پانچ سات دکانیں ہیں ضروری چیزیں سورت اور بارڈولی سے منگوائی جاتی ہیں (۴) تھانہ، ریلوے، واٹر ورکس، بجلی، ندی اور بازار وغیرہ نہیں ہیں۔ (۵) سات بیگھے کا ایک تالاب ہے (۶) پورب میں بارڈولی پانچ میل پر واقع ہے۔ پچھم سورت، بلیشور بارہ میل پر ہے (۷) مدرسہ و مسجد ہے۔ نماز جمعہ وعیدین۔ باجماعت ہوتی ہے۔ مذکورہ حالات کے پیش نظر صحت جمعہ کے لئے کیا حکم ہے؟ کچھ لوگ بجائے جمعہ کے ظہر پڑھتے ہیں تو کیا یہ گنہگار ہیں؟ اگر ہیں تو کفارہ کیا ہے؟

(الجواب) جمعہ وعیدین کے لئے شہر یا قصبہ ضروری ہے۔ آپ کا گاؤں بڑا گاؤں یا قصبہ کہا جاتا ہو تو جمعہ وعیدین درست ہیں۔ مگر مذکورہ بالا صورتوں (ڈاکخانہ۔ ریلوے وغیرہ نہ ہونے سے) واضح ہوتا ہے کہ قصبہ نہیں ہے لہذا جمعہ وعیدین کی نماز صحیح نہیں ہے پڑھی جائے تو وہ ادا نہ ہوگی نفل ہو جائے گی اور نفل باجماعت پڑھنے کی کراہت اور ظہر باجماعت ترک کرنے کا گناہ ہوگا۔ اہل قریہ پر جمعہ نہیں ظہر باجماعت لازم ہے۔ نماز عید بھی واجب نہیں۔ اگر ہمت اور شوق ہو تو قرب وجوار کے قصبہ یا شہر میں جا کر پڑھنا بہتر ہے۔ واجب نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب

رویدار میں نماز جمعہ وعیدین صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۷۶) علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔ خدا پاک آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے، بخدمت اقدس عرض اینکہ ہمارے گاؤں کے قریب ایک گاؤں ہے دونوں گاؤں میں ایک ایک مسجد ہے۔ ایک گاؤں کا نام "رویدار" ہے اور دوسرے کا نام "کرمالی" ہے۔ رویدار کی آبادی پندرہ سو (۱۵۰۰) اور کرمالی کی آبادی چار سو (۴۰۰) ہے۔ رویدار میں دوا خانہ، دس ۲۰ بارہ ۱۲ دکانیں، اور چکی ہے (آٹا پیسنے کی) اور واٹر ورکس بھی ہے۔ غرض کہ ضروریات زندگی بہ سہولت میسر ہوتی ہے، مزید اینکہ یہاں نماز جمعہ وعیدین پڑھی جاتی ہے۔ مگر بعض عدم وجوب وعدم جواز کے قائل ہیں اور وہ نہیں پڑھتے۔ لہذا اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

(الجواب) تحقیق سے معلوم ہوا کہ دونوں گاؤں اسماً وعرفاً مستقل ہیں اور کسی ایک میں بھی صحت جمعہ کی شرط نہیں پائی جاتی، لہذا جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (کتبہ السید عبدالرحیم غفرلہ)

(الجواب) نمبر ۲ یہ تو ظاہر ہے کہ جمعہ کی صحت وعدم صحت کا مدار اجتماع شرائط وعدم اجتماع پر ہے پس صورت مسئولہ

(۱) ومن لا تجب علیهم الجمعة من اهل القری والبوادی لهم ان یصلوا الظهر بجماعة یوم الجمعة باذان واقامة عالمگیری. صلاة الجمعة ص ۱۴۵

(۲) وشرط ادائها المصر ای شرط صحتها ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قریة ولا مفازة الخ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۰ باب صلاة الجمعة

میں جب دو گاؤں علیحدہ علیحدہ نام کے ساتھ مشہور وموسوم ہیں اور انفرادی طور پر کسی ایک میں صحت جمعہ کی صلاحیت نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دونوں کو خواہ مخواہ ایک فرض کر کے لزوم جمعہ کا حکم لگا دیا جائے۔ کیونکہ اس میں کوئی خفا نہیں کہ حضرات فقہاء نے دو مستقل بستیوں میں جمعہ کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کا مدار فصل اور عدم فصل پر نہیں رکھا بلکہ حقیقی مدار ہر ایک بستی کی صلاحیت وعدم صلاحیت پر ہے۔ یعنی اگر ہر بستی میں صحت جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہیں تو جمعہ صحیح ہے ورنہ نہیں۔ حقیقت میں یہ بڑی اصولی غلطی ہے کہ صرف جمعہ کے شوق میں دو مستقل آبادیوں کو ایک بنانے میں پیمائش شروع ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جب یہ دو گاؤں مستقل ناموں کے ساتھ موسوم ہیں تو پھر احکام شرعیہ میں بھی ان کے استقلال کو پیش نظر رکھا جائیگا۔ البتہ اگر واقعی دو ۲ بستیاں نہیں بلکہ محلے ہیں اور دونوں محلوں کا بحیثیت مجموعی کوئی دوسرا نام ہے تو پھر یہ صرف راستوں کا فاصلہ ہی صحت جمعہ کے لئے مخل نہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں اور بظاہر نہیں ہے۔ تو یقیناً ایسی بستیوں میں جمعہ صحیح نہیں۔ فرضیت جمعہ کے حامیوں کو اس پر بے محل اور غیر شرعی اصرار کی ضرورت نہیں۔ (کتبہ عتیق الرحمٰن عثمانی)

(الجواب) نمبر ۲ از مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ اصل یہ ہے کہ عند الحنفیہ جمعہ وعیدین کی نماز شہر یا ایسے بڑے قریہ میں فرض اور صحیح ہوتی ہے۔ جس میں بازار ہو۔ جس میں ضروریات کی اشیاء مل سکتی ہوں قال فی رد المحتار نقلاً عن القهستانی وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق الخ وفیما ذکرنا اشارة الیٰ انها لا تجوز فی الصغیرة الخ وفی الدر المختار صلوة العید فی القریٰ تکره تحریماً الخ ومثله الجمعة. (شامی) پس جب کہ ہر دو مذکور بستیوں میں سے ایسی بڑی نہیں ہے کہ اس میں شرط صحت جمعہ پائی جائے تو دونوں بستیوں کو ایک سمجھ کر جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ پس جواب مذکور بالا صحیح ہے۔ فقط عزیز الرحمٰن مفتی دار العلوم۔ (از فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ص ۱۲۴۔۱۲۵ ج پنجم)

ملازمت کی وجہ سے جمعہ معاف اور ساقط نہیں ہوتا:

(استفتاء ۷۷) ایک ایسا شخص جو شب وروز کی فرض نمازوں سے ایک دو نماز ضرور پڑھ لیتا ہے۔ لیکن نماز جمعہ ضرور ادا کرتا ہے اب یہ شخص ایسی جگہ کام کرتا ہے کہ جہاں سے نماز جمعہ کا وقت نہ ملتا ہو۔ ہفتہ وار چھٹیاں ضرور ملتی ہیں۔ لیکن جمعہ کے علاوہ کسی اور دن مثلاً اتوار ہو یا منگل وغیرہ اب یہ شخص اگر جمعہ کے دن کام کرنے جاتا ہے تو نماز جمعہ چھوٹ جاتی ہے۔ اور اگر نماز جمعہ کو جاتا ہے تو جمعہ کے دن کام پر نہیں جا سکتا۔ گویا ایک دن کی آمدنی کم ہوتی ہے۔ اور شخص مذکورہ کی اقتصادی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ آیا نماز جمعہ چھوڑ دے یا جمعہ کے دن کام چھوڑ دے؟ کام چھوڑنے کے سلسلہ میں یہ بات ضرور پیش نظر رکھیں۔ کہ اگر چھٹی منظور ہوئی تو صرف آمدنی ہی کم ہوئی۔ اور اگر چھٹی منظور نہ ہوئی اور شخص مذکور چلا گیا تو آمدنی کے کم ہونے کے علاوہ اس دن اسے "غیر حاضر" سمجھا جائے گا۔ اور غیر حاضر رہنے والے کو دوسرے دن کام دینا یا نہ دینا کام دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے۔ کبھی کبھی بطور تنبیہ کام نہیں دیا جاتا۔ علاوہ ازیں سالانہ غیر حاضریوں کی تعداد شمار کی جاتی ہے۔ اور اس کا اثر کام پر پڑتا ہے۔ از راہ کرم مندرجہ بالا تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ملازمت کی وجہ سے نماز جمعہ معاف نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے جمعہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے ۔وجب السعی الیھا وترک البیع ولو مع السعی (درمختار) قولہ ترک البیع) اراد کل عمل ینافی السعی (شامی ص ۷۷۰ ج ۱ باب الجمعۃ) والاصح وجوبھا علی مکاتب ومبعض واجیر ویسقط من الاجر بحسابہ لو بعیداً (درمختار) (قولہ بحسابہ لو بعیداً) فان کان قدر ربع النھار حط عنہ ربع الاجرۃ ولیس للاجیران یطالبہ عن الربع المحطوط بمقدار باشتغالہ بالصلوٰۃ تتارخانیہ (شامی ص ۷۶۳ ج ۱ ایضاً)

مطلب یہ ہے کہ مزدور کو بھی لازم ہے کہ اذان جمعہ سنتے ہی سب کام چھوڑ چھاڑ کر نماز جمعہ کے لئے روانہ ہو جائے۔ جانے آنے میں کافی وقت صرف ہونے اور حرج ہونے کی وجہ سے تنخواہ کٹے تو اسے منظور کر لیا جائے۔ اسی میں خیر ہے۔ قولہ تعالیٰ: یآایھا الذین آمنوآ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون. ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو اللہ کی یاد یعنی نماز وخطبہ کی طرف چل پڑا کرو۔ اور خرید وفروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو مانع عن السعی ہوں) چھوڑ دیا کرو۔ یہ چل پڑنا (مشاغل کو چھوڑ کر) تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اگر تم کو کچھ سمجھ (اور دین کی قدر) ہو۔ کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا نفع فانی ہے۔ (بیان القرآن ملخصاً)

لہٰذا تنخواہ کٹوا کر جمعہ کے وقت تقریباً ایک گھنٹہ کی رخصت لے لی جائے۔ اگر اجازت نہ ملے یا ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑے۔ تو دوسری ملازمت تجویز کر لی جائے۔

قولہ تعالیٰ: واللہ خیر الرازقین. اور اللہ سب سے اچھا روزی دینے والا ہے (قرآن کریم سورۂ جمعہ)

فقط واللہ اعلم بالصوب۔

شہر میں زیادہ مسجدیں ہوں تو جمعہ کہاں ادا کیا جائے؟:

(سوال ۷۸) میرے قصبہ میں آٹھ محلے اور آٹھ مسجدیں ہیں۔ چھ مسجد والے شاہی مسجد میں جمعہ پڑھتے ہیں۔ اور دو محلے والے اپنے محلوں کی مسجد میں، پوچھنے پر وہ کہتے ہیں کہ شاہی مسجد میں نماز پڑھنے سے محلّہ کی مسجد خالی رہتی ہے ۔جس سے احترام مسجد میں خلل آتا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جمعہ کو محلّہ کی مسجد بند کر کے شاہی مسجد میں نماز پڑھے تو اس محلّہ کی مسجد کے احترام میں خلل یا نقص واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) مردوں کو نماز پنجگانہ کے واسطے مسجد میں حاضر ہونا تاکیدی امر ہے۔ محلّہ کی مسجد بحیثیت ثواب کے شاہی مسجد کے مثل ہے بدون شرعی عذر کے اس کو چھوڑنے کی اجازت نہیں چاہے ایک ہی نماز ہو۔ مگر جمعہ کی نماز محلّہ کی مسجد بند کر کے جامع مسجد میں پڑھنے کا حکم ہے۔ نمازی زیادہ ہوں، ایک مسجد میں وسعت نہ ہو یا جامع مسجد کافی دور ہو جہاں پہنچنے میں دقت ہوتی ہو تو دوسری مسجد میں جمعہ کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ بلاعذر نماز جمعہ محلّہ درمحلّہ پڑھنے میں شرعی مصلحت اور مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اسلامی شان وشوکت ختم ہو جاتی ہے نماز جمعہ کو جامعۃ الجماعات کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ محلوں کی مسجدیں بند کر دی جائیں اور ان سب کی جماعتیں یکجا جامع مسجدیں ہوں لوگ محلّہ کی

مسجدیں بند کر کے نماز جمعہ شاہی مسجد میں ادا کریں۔ اس سے احترام مسجد میں فرق آنے کا خیال غلط ہے۔ احترام وہ ہے جو منشاء شریعت کے موافق ہو اور اسلامی شان وشوکت بھی اسی میں ہے۔ پس آپ محلّہ کی مسجد بند کیجئے شاہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کیجئے منشاء شریعت پورا کرنے کا بھی ثواب آپ کو ملے گا۔ اور اسلامی شان وشوکت بڑھانے کا بھی، اور مبارک رسم کے اجراء کا ثواب قیامت تک آپ کو ملتا رہے گا ان شاء اللہ۔ (۱)

آنحضرت ﷺ (فداہ روحی) کا ارشاد ہے۔ من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہٗ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم ص ۳۳ یعنی جس نے اسلام میں کسی سنت حسنہ کو (جو منشاء شریعت کے مطابق ہو سنت سیئہ یعنی بدعت نہ ہو) جاری کیا۔ اس کو خود اس کے عمل کا ثواب بھی ملے گا۔ اور اس کے بعد جو بھی اس پر عمل کرے گا اس کا ثواب بھی اس کو ملتا رہے گا۔ اس طرح کہ عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ (صحاح) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شب جمعہ میں جماع کی فضیلت:

(سوال ۷۹) شب جمعہ میں بیوی سے صحبت افضل ہے۔ اس کی دلیل کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے۔ من غسل او اغتسل الخ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۲ باب الجمعۃ باب التنظیف والتکبیر) جس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جماع کرے جس سے عورت کو غسل کی ضرورت پیش آئے۔ قولہ غسل یوم الجمعۃ واغتسل . قال التور پشتی رحمہ اللہ تعالیٰ اختلف اھل الروایۃ فی قولہ غسل ومنھم من قال فی معناہ یطأ صاحبتہ ومنہ عبدالرحمن بن الاسود وھلال بن یساف وھما من التابعین وکانھم ذھبوا الیٰ ھذا المعنی لما فیہ من غض البصر وصیانۃ النفس عن الخواطر الخ.

وقال المظھر من غسل یوم الجمعۃ واغتسل روی بالتشدید والتخفیف فالتشدید معناہ من وطی امرأتہ الخ (التعلیق الصبیح ص ۱۲۲ ج ۲ ایضاً) قال الامام احمد غسل بالتشدید جامع اھلہ وکذالک فسرہ وکیع (زاد المعاد ص ۱۰۵ ج ۱ ایضاً) قال التور پشتی روی بالتشدید والتخفیف فان شدد فمعناہ حمل غیرہ علی الغسل بان یطأ امرأتہ وبہ قال عبدالرحمن بن الاسود وھلال وھما من التابعین کأن من قال ذلک ذھب الیٰ ان فیہ غضۃ للبصر وصیانۃ للنفس عن الخواطر التی تمنعہ من التوجہ الی اللہ بالکلیۃ الخ.

وفی حاشیۃ سید جمال الدین قال [illegible] العرب غسل بالتشدید قال کثیرانہ المجامعۃ قبل الخروج الی الصلوٰۃ لانہ مجمع غض الطرف فی الطریق یقال غسل الرجل امرأتہ بالتشدید والتخفیف اذا جامعھا وقیل بالتشدید معناہ اغسل بعد الجماع ثم اغتسل للجمعۃ فکر رلھذا المعنی.

---

(۱) ثم اقامۃ الجمعۃ فی موضعین او اکثر من مصر واحد فی جوامع الفقہ عن ابی حنیفۃ روایتان والا ظھر عنہ عدم جوازھا فی موضعین انتھی وقال شمس الائمۃ السرخسی فی المبسوط الصحیح من قول ابی حنیفۃ ومحمد جوازھا وعن ابی یوسف تجوز فی موضعین لا غیر واما من حیث جواز التعدد وعدمہ فالاول ھو الاحتیاط لأن فیہ قوی اذا لجمعۃ جامعۃ للجماعات ولم یکن فی زمن السلف تصلی الا فی موضع واحد من المصر وکون الصحیح جواز التعدد للضرورۃ للفتوی لا یمنع شرعیۃ الاحتیاط للتقوی حلبی کبیر فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ ص ۵۵۱، ۵۵۲

(مرقاۃ ص ۲۵۵ ج ۲ باب الجمعۃ) مظاہر حق میں ہے۔ من غسل الخ نہلاوے دن جمعہ کے اور نہاوے آپ الخ۔

ف:۔ نہلاوے یعنی اپنی عورت کو مراد یہ ہے کہ صحبت کرے بیوی سے الخ اور صحبت کرنی جمعہ کو بہتر اس لئے ہوئی کہ اس سے وسوسہ زنا، کا دل میں نہیں آتا۔ اور حضور نماز میں خوب ہوتا ہے (ص ۴۵۰ ج ۱ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۂ الم سجدہ اور سورۂ دہر کی قرأت:

(سوال ۸۰) جمعہ کے روز فجر کی نماز میں امام صاحب پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر پڑھتے ہیں مقتدیوں میں سے چند لوگوں کو اس سے گرانی ہوتی ہے، امام صاحب کو کہا گیا کہ اتنی طویل نماز نہ پڑھائیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ مسنون ہے اور دوسروں کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تو کیا ان کی بات صحیح ہے؟ ہر جمعہ کے دن فجر کی نماز میں یہ سورتیں پڑھنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم سجدہ اور سورہ دہر پڑھنا مسنون اور مستحب ہے مگر اس پر دوام ثابت نہیں ہے اس لئے امام کو چاہئے کہ مواظبت نہ کرے گاہے گاہے پڑھے۔ درمختار میں ہے ویکرہ التعیین کالسجدۃ وھل اتی بفجر کل جمعۃ بل یندب قرأتھما احیاناً (درمختار) مکروہ ہے معین کرنا سورت کا نماز کے لئے جیسے جمعہ کی فجر میں پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھنا، بلکہ کبھی کبھی ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۰۸ فصل فی القرأۃ) (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۲۵۲)

دار العلوم دیو بند کے سابق مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا فتویٰ۔

(الجواب) احادیث میں بے شک ایسا آیا ہے لیکن حنفیہ اس کو بعض اوقات پر حمل کرتے ہیں، اور مواظبت اس کے ساتھ پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ تعیین سورت کو کسی بھی نماز کے لئے منع فرماتے ہیں، لہذا کبھی کبھی کر لیوے تو کچھ حرج نہیں ہے دوام اس پر نہ کرے، درمختار میں ہے ویکرہ التعیین کالسجدۃ وھل اتی بفجر کل جمعۃ بل یندب قرأتھما احیانا. (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج ۲ ص ۲۱۷)

جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں کوئی خاص عذر نہ ہو تو طوال مفصل (سورہ حجرات سے سورۂ بروج تک) کی سورتوں میں سے دو سورتیں پڑھی جائیں، آیات کی۔ تعداد کے اعتبار سے خواہ ان کی تعداد چالیس آیتوں سے کم ہو یا زائد، مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے طوال مفصل کی چھوٹی سورتیں پڑھی جائیں، طویل سورت پڑھے تب بھی مقتدیوں کا خیال کرے اور چالیس سے ساٹھ آیتوں پر اکتفا کرے، والاصل ان الامام یقرء علی وجہ لا یودی الی تقلیل الجماعۃ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۵۵ فصل فی القرأۃ) لیکن رعایت حال مقتدیاں ضروراست (مالابدمنہ ص ۳۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صفوں کی درستگی کے انتظار میں نماز شروع کرنے میں تاخیر کرنا:

(سوال ۸۱) نماز جمعہ میں خطبہ کے بعد جماعت کے لئے کتنی دیر کرنا چاہئے؟ مسجد ناکافی ہے اور جمعہ کی نماز میں مصلی بہت ہوتے ہیں، صفیں درست کرنے کے لئے کچھ دیر ہو جاتی ہے، کیا صفوں کی درستگی تک انتظار کر سکتے ہیں؟ یا

فی الفور اقامت شروع کرنا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب نمازی مسجد میں آئیں تو شروع ہی سے ہر ایک قبلہ رخ بیٹھنے کا اہتمام کرے تاکہ فوراً صفیں درست ہو سکیں ادھر ادھر منتشر نہ بیٹھیں، مجالس الابرار میں ہے ویستحب للقوم ان یستقبلوا الامام عند الخطبۃ لکن الرسم الآن انھم یستقبلون القبلۃ للحرج فی تسویۃ الصفوف لکثرۃ الزحام یعنی لوگوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ خطبہ کے وقت خطیب کی طرف چہرہ کر کے بیٹھیں، لیکن اس وقت کثرت ازدحام کی وجہ سے صفوں کی درستگی میں حرج آتا ہے اس لئے قبلہ رو بیٹھتے ہیں (مجالس الابرار ص ۲۹۶ مجلس نمبر ۴۹، صغیری ص ۲۸۱ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۷ ج ۴) خطبہ کے بعد فوراً اقامت شروع کردی جائے درمختار میں ہے فاذا اتم اقیمت ویکرہ الفصل یعنی جب امام خطبہ پورہ کرے تو اقامت شروع کردی جائے اس میں فاصلہ کرنا مکروہ ہے، شامی میں ہے (قولہ اقیمت بحیث یتصل اول الاقامۃ بآخر الخطبۃ وتنتھی الاقامۃ بقیام الخطیب مقام الصلوۃ یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی اقامت شروع ہو جائے اس طرح کہ اقامت کا اول حصہ خطبہ کے آخری حصہ کے ساتھ متصل ہو اور خطیب کے مصلی (جائے نماز) پر پہنچتے پہنچتے اقامت ختم ہو جائے (درمختار و شامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعۃ)

اقامت کے ختم تک اگر صفیں درست نہ ہو سکیں تو صفوں کی درستگی تک نماز شروع کرنے میں تاخیر کر سکتے ہیں، ترمذی شریف میں ہے روی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یؤ کل رجلا باقامۃ الصفوف ولا یکبر حتی یخبر ان الصفوف قد استوت وروی عن علی رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ انھما کانا یتعاھدان ذلک ویقولان استووا یعنی حضرت عمرؓ نے صفیں درست کرنے کے لئے ایک شخص کو متعین کر دیا تھا اور جب تک آپ کو صفیں درست ہونے کی خبر نہ دی جاتی تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے، امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی روایت کر کے فرمایا ہے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بھی اس کا اہتمام کرتے تھے اور فرماتے تھے سیدھے کھڑے رہو (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۱ باب ماجاء فی اقامۃ الصفوف) مؤطا امام مالک میں روایت ہے مالک عن ابی النضر مولی عمر بن عبید اللہ عن مالک بن ابی عامر ان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کان یقول فی خطبتہ قل ما یدع ذلک اذا خطب، اذا قام الامام یخطب یوم الجمعۃ فاستمعوا وانصتوا فان للمنصت الذی لایسمع من الحظ مثل ما للمنصت السامع فاذا قامت الصلوۃ فاعدلوا الصفوف وحاذوا بالمناکب فان اعتدال الصفوف من تمام الصلوۃ ثم لا یکبر حتی یاتیہ رجال قدو کلھم بتسویۃ الصفوف فیخبرونہ ان قد استوت فیکبر (موطا امام مالک ص ۳۶ ماجاء فی انصات یوم الجمعۃ والامام یخطب)

یعنی: حضرت عثمان بن عفانؓ اکثر اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرماتے ہیں جب امام جمعہ کے دن خطبہ دے تو غور سے سنو اور خاموش رہو جس کو خطبہ سنائی نہ دے اور وہ خاموش رہے تو اسے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس شخص کو جو خطبہ سن رہا ہو اور خاموش ہو جب نماز کھڑی ہو جائے تو صفیں درست کرو اور کندھے سے کندھا ملاؤ، صفوں کی درستگی نماز کی تکمیل میں سے ہے، ثم لایکبر حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کو صفیں درست کرنے کے لئے مقرر کر رکھا تھا جب وہ آپ کو صفیں درست ہونے کی اطلاع دیتے اس وقت آپ (جمعہ کی نماز کی) تکبیر تحریمہ کہتے اور نماز شروع فرماتے

(مؤطا امام مالک ص ۳۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے دن زوال کے بعد کب اذان دی جائے:

(سوال ۸۲) زوال کے بعد مکروہ وقت کب تک رہتا ہے؟ جمعہ کی اذان کب دی جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ رحیمیہ میں ہے. قلم یا لکڑی کھڑی کر کے زوال کا وقت دیکھا جاسکتا ہے، زوال کے وقت سے آٹھ دس منٹ پہلے سے نماز موقوف کردے اور آٹھ دس منٹ بعد تک موقوف رکھے، بادلوں کے زمانے میں زوال کے وقت معلوم کرنا دشوار ہے اس لئے تقویم کے حساب سے دس بارہ منٹ پہلے نماز پڑھنے سے رک جائے اور دس بارہ منٹ بعد تک رکا رہے اس میں احتیاط ہے اور یہ جو قول ہے کہ نصف نہار شرعی سے زوال تک نماز نہ پڑھی جائے یہ مزید احتیاط پر مبنی ہے الخ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۸۴ ص ۲۸۵ جلد چہارم (جدید ترتیب کے مطابق، اوقات مکروہ میں زوال سے کتنی دیر پہلے نماز موقوف کرنا چاہئے کے عنوان سے دیکھیں منہ مرتب) لہذا جمعہ کے دن زوال سے آٹھ دس منٹ بلکہ مزید احتیاط پر عمل کرتے ہوئے بارہ تیرہ منٹ کے بعد اذان دی جائے چونکہ عموماً لوگ اذان جمعہ کے بعد سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اس لئے اذان میں تاخیر کرنا چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے دن اذان ثانی خطیب کے سامنے دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۸۳) ہمارے یہاں چند لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذان ثانی مسجد میں نہ دینا چاہئے بلکہ مسجد سے باہر جا کر دینا چاہئے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ مفصل وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جمعہ کے دن خطبہ کے وقت منبر کے قریب اذان دینے کا طریقہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے اور فقہی کتابوں میں اس اذان کے لئے ایسے الفاظ ذکر کئے گئے ہیں جن کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ یہ اذان منبر کے سامنے یا منبر کے قریب دی جائے۔

ہدایہ اولین میں ہے واذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذن بین یدی المنبر بذلک جری التوارث (ھدایہ اولین ص ۱۵۱ باب صلوۃ الجمعۃ) یعنی اور جب امام منبر پر جا کر بیٹھ جائے تو مؤذن منبر کے سامنے اذان دے یہی طریقہ متوارث ہے (ہدایہ)" بذلک جری التوارث " سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلاف سے یہ طریقہ جاری ہے کہ جمعہ کے دن اذان ثانی خطیب کے سامنے مسجد کے اندر ہی دی جاتی تھی اور کسی چیز کا توارث کے ساتھ منقل ہونا یہ اس کے ثبوت کی بہت بڑی دلیل ہے اور فقہ میں توارث کی بہت اہمیت ہے، بہت سے مسائل میں فقہاء دلیل کے طور پر یہی توارث پیش کرتے ہیں مثلاً جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضور ﷺ کے دونوں چچاؤں کا ذکر کیا جاتا ہے، اور دلیل یہی پیش کی جاتی ہے کہ یہ توارث سے ثابت ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وذکر الخلفاء الراشدین والعمین رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین مستحسن بذلک جری التوارث (عالمگیری ج ۱ ص ۴۷ ایضاً) البحر الرائق میں ہے ذکر الخلفاء الراشدین مستحسن بذلک جری التوارث ویذکر العمین (البحر الرائق ج ۲ ص ۴۷ آیا ایضاً)

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ توارث کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، اتفاق سلف وتوارث ایشاں اصل عظیم است درفقہ۔ سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ص ۸۵) یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ عبارت صرف ہدایہ اولین میں نہیں ہے بلکہ فقہ کی دیگر کتابوں میں بھی اسی طرح کی عبارت ہے، مراقی الفلاح میں ہے والاذان بین یدیہ جری بہ التوارث (کالا قامۃ) بعد الخطبۃ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۸۱ باب صلوۃ الجمعۃ) البحر الرائق میں ہے۔ (قولہ فاذا جلس علی المنبر اذن بین یدیہ واقیم بعد تمام الخطبۃ) بذلک جری التوارث والضمیر فی قولہ بین یدیہ عائد الی الخطیب الجالس. (البحر الرائق ج ۱ ص ۵۷ آیا ایضاً)

مجمع الانہر میں ہے (فاذا جلس علی المنبر اذن بین یدیہ ثانیاً) وبذلک جری التوارث (مجمع الانہر ص ۱۷۱ ج ۱ ایضاً) فتاویٰ عالمگیری میں ہے واذا جلس علی المنبر اذن بین یدیہ واقیم بعد تمام الخطبۃ بذلک جری التوارث کذا فی البحر الرائق (عالمگیری ج ۱ ص ۴۹ آیا ایضاً مع خانیۃ)

مذکورہ حوالوں میں غور کیجئے تمام حضرات یہی بیان فرمارہے ہیں کہ دوسری اذان خطیب کے سامنے ہی جائے اور طریقہ توارث کے ساتھ چلا آرہا ہے۔

درمختار میں ہے (ویؤذن) ثانیاً (بین یدیہ) ای (الخطیب) (درمختار علی رد المحتار ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعۃ) غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے" اور مؤذن اذان دے سامنے خطیب کے جب وہ منبر پر بیٹھے یعنی خطبہ پڑھنے کے لئے (غایۃ الاوطار ص ۳۸۰ ج ۱ ایضاً)

مجالس الابرار میں ہے: واذا جلس علی المنبر یؤذن المؤذن بین یدیہ الاذان الثانی واذا تم الاذان یقوم ویخطب خطبتین ترجمہ: اور جب امام منبر پر بیٹھ جاوے تو مؤذن اس کے سامنے دوسری اذان دے اور جب اذان پوری ہو جائے تو امام کھڑا ہو اور دو خطبے دے (مجالس الابرار ص ۲۹۶ مجلس نمبر ۴۹)

عینی شرح ہدایہ میں ہے: وعن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ ھو اذان المنارۃ لانہ لو اشترطوا الاذان عن المنبر یفوتہ اداء السنۃ وسماع الخطبۃ وربما یفوتہ اداء الجمعۃ اذا کان المصر بعید الاطراف یعنی حسن بن زیاد امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ (جس اذان کی وجہ سے سعی الی الجمعہ لازم ہوتی ہے وہ) منارہ والی اذان ہے اس لئے کہ اگر اذان کی شرط لگائے جو منبر کے نزدیک ہوتی ہے تو سنت کی ادائیگی اور خطبہ کا سننا فوت ہو جاتا اور جب شہر بڑا ہو تو اس صورت میں جمعہ کی نماز بھی فوت ہوسکتی ہے (عینی شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۱۲ ایضاً)

مراقی الفلاح میں ہے ویجب (ترک البیع) ...... (بالاذان الاول فی الاصح) لحصول الاعلام بہ لانہ لو انتظر الاذان الثانی الذی عند المنبر تفوتہ السنۃ وربما لا یدرک الجمعۃ لبعد محلہ وھو اختیار شمس الائمۃ الحلوانی. یعنی اصح قول کے مطابق پہلی اذان سے بیع وغیرہ کا ترک واجب ہے اس سے اعلام حاصل ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ اگر اس دوسری اذان کا جو منبر کے پاس ہوتی ہے انتظار کرے تو

سنت فوت ہونے کا خوف ہے اور (اگر) نمازی مسجد سے دور رہتا ہو تو بہت ممکن ہے کہ وہ جمعہ کی نماز بھی نہ پا سکے اور یہ شمس الائمہ حلوانی کا مختار قول ہے (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۸۲ باب الجمعۃ)

عینی شرح ہدایہ اور مراقی الفلاح کی عبارت میں ''عند المنبر'' ہے جس کے متبادر معنی اور صحیح مطلب یہی ہے کہ یہ اذان منبر کے قریب ہوگی (لفظ عند میں کوئی تاویل بھی نہیں ہو سکتی) اگر دوسری اذانوں کی طرح یہ اذان بھی مسجد میں دینا مکروہ ہوتا تو فقہاء رحمہم اللہ اس اذان کا تذکرہ کرتے وقت یقیناً اس کی بھی وضاحت فرماتے کہ یہ اذان بھی مسجد کے باہر دی جائے ''بین یدی المنبر'' ''بین یدی الخطیب'' اور ''عند المنبر'' یہ الفاظ تحریر نہ فرماتے اور در حقیقت بات یہ ہے کہ منبر والی اذان اقامت کے مانند ہے، یعنی اس اذان کا مقصد صرف حاضرین کو متوجہ کرنا ہے (غائبین کو تو پہلی اذان سے اطلاع ہو چکی ہے) کہ اب خطبہ شروع ہو رہا ہے تاکہ حاضرین اپنی اپنی انفرادی عبادت نفل تسبیح تلاوت وغیرہ ختم کر کے خطبہ سننے کے لئے متوجہ ہو جائیں، جس طرح اقامت کا مقصد حاضرین کو متوجہ کرنا ہوتا ہے کہ اب جماعت شروع ہو رہی ہے تاکہ جماعت میں شریک ہونے کے لئے صف بندی کر کے تیاری شروع کر دیں، اور اقامت مسجد میں کہنا بالاتفاق مکروہ نہیں ہے، اسی طرح یہ اذان بھی مسجد میں دینا مکروہ نہ ہوگا' چنانچہ یہی طریقہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے جیسا کہ اوپر مدلل بیان ہوا۔

ہم نے اس اذان کو اقامت کے مانند قرار دیا ہے اس کا ثبوت مندرجہ ذیل عبارتوں سے بھی ہوتا ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے والاذان بین یدیہ جری بہ التوارث (کالاقامۃ) بعد الخطبۃ (مراقی الفلاح ص ۲۸۰ ایضاً مع طحطاوی)

سعایہ میں ہے:۔ لغز ای اذان لا یستحب رفع الصوت فیہ . قال ہو الاذان الثانی یوم الجمعۃ الذی یکون بین یدی الخطیب لانہ کالاقامۃ لاعلام الحاضرین صرح بہ جماعۃ الفقہاء (سعایہ شرح شرح وقایہ ص ۳۸ ج ۲، باب الاذان، ذکر احوال المؤذن مطبوعہ پاکستان بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ص ۵۸ ج ۲)

مزید وضاحت اس طرح سمجھئے کہ جمعہ کے خطبہ کو فرض نماز کے ساتھ بڑی مشابہت ہے، فقہاء نے خطبہ کا حکم وہی بیان فرمایا ہے جو نماز کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو جو چیزیں نماز میں ممنوع ہیں وہ تمام چیزیں خطبہ میں بھی ممنوع ہیں

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: وفی النہر عن البدائع یکرہ الکلام حال الخطبۃ وکذا کل عمل یشغلہ عن سماعہا من قراءۃ قرآن او صلوۃ أو تسبیح او کتابۃ ونحوہا بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت وفی شرح الزاہدی یکرہ لمستمع الخطبۃ ما یکرہ فی الصلوۃ من اکل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلک اہ وفی الخلاصۃ کل ما حرم فی الصلوۃ حرم حال الخطبۃ. یعنی نہر میں بدائع سے نقل کیا ہے خطبہ کی حالت میں بات کرنا مکروہ ہے اور اسی طرح ہر وہ کام جو خطبہ سننے میں مخل ہو جیسے قرآن کی تلاوت، نماز پڑھنا، تسبیح پڑھنا یا کوئی چیز لکھنا اور اس کے مانند بلکہ اس پر ضروری ہے کہ متوجہ ہو کر خطبہ سنے اور خاموش رہے، شرح زاہدی میں ہے خطبہ سننے والے کے لئے وہ تمام چیزیں مکروہ ہیں جو نماز میں مکروہ ہیں یعنی کھانا پینا اور عبث حرکت کرنا اور ادھر ادھر دیکھنا اور اس کے مانند خلاصہ میں ہے جو چیزیں نماز میں حرام ہیں خطبہ کے وقت بھی حرام ہے

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۸۲ باب الجمعۃ)

یہ باتیں بھی اس پر دال ہیں کہ اس منبر والی اذان کو اقامت کے ساتھ بڑی مشابہت ہے، اس سلسلہ کا ایک مختصر جواب فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۸۶، ص ۸۷ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں ''خطبہ کے وقت دوسری اذان مسجد میں دینا'' کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ مرتب) پر شائع ہوا ہے اسے بھی ضرور ملاحظہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے بعد چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں یا چھ رکعتیں؟:

(سوال ۸۳) جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں یا چھ رکعت؟ امام صاحبؒ کے نزدیک کتنی رکعتیں ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کتنی رکعتیں؟ مفتی بہ قول کیا ہے؟ جو شخص صرف چار رکعتیں پڑھے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ظاہر روایت میں جمعہ کے بعد چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ سنت مؤکدہ ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چھ رکعتیں ہیں لہذا جمعہ کے بعد چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ سمجھ کر پڑھے اور اس کے بعد دو رکعتیں سنت غیر مؤکدہ سمجھ کر پڑھی جائیں جو چار پر اکتفاء کرتا ہے وہ قابل ملامت نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: واما السنۃ قبل الجمعۃ وبعدہا فقد ذکر فی الاصل واربع قبل الجمعۃ واربع بعدہا وکذا ذکر الکرخی وذکر الطحاوی عن ابی یوسفؒ انہ قال یصلی بعدہا ستاً وقیل ہو مذہب علی رضی اللہ عنہ وما ذکرنا انہ یصلی اربعاً مذہب ابن مسعود رضی اللہ عنہ الی قولہ. وجہ ظاہر الروایۃ ماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من کان مصلیاً بعد الجمعۃ فلیصل اربعاً وما روی من فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم فلیس فیہ ما یدل علی المواظبۃ ونحن لا نمنع من یصلی بعدہا کم شاء غیر انا نقول السنۃ بعدہا اربع رکعات لا غیر لما روینا (بدائع الصنائع ص ۲۸۵ ج ۱ فصل فی الصلاۃ المسنونۃ)

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

(سوال) کتنی نمازیں سنت مؤکدہ ہیں؟

(الجواب) ...... اور چار رکعتیں (ایک سلام سے) نماز جمعہ کے بعد ...... الخ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال) کتنی نمازیں سنت غیر مؤکدہ ہیں۔

(الجواب) ...... اور جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعتیں۔ (تعلیم الاسلام حصہ چہارم)

امداد الفتاویٰ میں ہے:۔

(سوال) جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں اور بعد کی سنتوں میں چار مؤکدہ ہیں یا دو یا سب؟

(الجواب) جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، کذا فی الدر المختار اور بعد کی چار مؤکدہ ہیں کذا فی الدر المختار (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۶۷۸، ص ۶۷۹ مطبوعہ دیوبند، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کی نماز زوال سے پہلے صحیح نہیں ہے:

(سوال ۸۵) جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے زوال ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جمعہ کے لئے زوال کا ہونا ضروری نہیں قبل از زوال بھی نماز ہوسکتی ہے مدلل اور مفصل جواب کی ضرورت ہے ان لوگوں کو اپنی بات پر بہت اصرار ہے لوگوں کو ہم خیال بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی ایک شرط وقت ہے اور وہ وقت ظہر ہے اور ظہر کا وقت آفتاب کے زوال کے بعد ہوتا ہے اسی طرح جمعہ کی نماز کا وقت بھی زوال کے بعد ہی ہوگا اس سے قبل اگر جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی تو نماز نہ ہوگی کیونکہ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اس لئے جمعہ کو اسی کے وقت میں ادا کرنا ہوگا، حضور اقدس ﷺ کے قول اور عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ جب آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ منورہ بھیجا تو فرمایا اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة. جب آفتاب ڈھل جائے تو لوگوں کو جمعہ پڑھانا (هدايه اولين ص ۱۴۸ اول باب صلوة الجمعة) (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۸ فصل فى بيان شرائط الجمعة مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ۲۷۷)

مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ بخاری حضرت انسؓ سے روایت ہے ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى الجمعة حين تميل الشمس. حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھاتے جب آفتاب ڈھل جاتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۳ باب الخطبۃ والصلوٰۃ فصل نمبر ۱)

مسلم شریف میں ہے۔ عن سلمة بن الا كوع كنا نجمع مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا زالت الشمس. حضرت سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت جمعہ کی نماز پڑھتے جب آفتاب ڈھل جاتا۔ (مسلم شریف ص ۲۸۳ ج ۱ کتاب الجمعۃ۔ فتح القدیر ص ۵۶ ج ۲)

جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اس لئے جمعہ میں ان تمام خصوصیات کی رعایت ضروری ہے جو شرعاً وارد ہیں چنانچہ فتح القدیر میں ہے ويجاب بان شرعية الجمعة مقام الظهر على خلاف القياس لانه سقوط اربع بركعتين، فتراعى الخصوصيات التى ورد الشرع بها مالم يثبت دليل على نفى اشتراطها ولم يصلها خارج الوقت فى عمره ولا بدون الخطبة فيه فثبت اشتراطها وكون الخطبة فى الوقت حتى لو خطب قبله لا يقع الشرط الخ یعنی جمعہ کی مشروعیت ظہر کی جگہ خلاف قیاس ہے اس لئے کہ جمعہ میں بجائے چار کے دو رکعتیں ہیں لہٰذا ان تمام خصوصیات کی رعایت ضروری ہے جو شرع میں وارد ہیں جب تک کہ ان کے شرط نہ ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور یہ بات محقق ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی عمر مبارک میں نہ خارج وقت جمعہ کی نماز پڑھی ہے اور نہ خطبہ کے بغیر پس بطور شرط یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور خطبہ وقت کے اندر ہو، حتی کہ اگر خطبہ وقت سے پہلے پڑھے تو شرط واقع نہ ہوگی (فتح القدیر ج ۲ ص ۵۶ صلاۃ الجمعۃ)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں بھی اسی طرح کا مضمون ہے (لقوله صلى الله عليه وسلم الخ) ولا نها شرعت على خلاف القياس لسقوط الركعتين مع الاقامة فيراعى فيها جميع الخصوصيات التى

ورد الشرع بها ولم يرو قط انه صلى الله عليه وسلم صلاها قبل الوقت ولا بعده وكذا الخلفاء الراشدون ومن بعدهم الى يومنا هذا ولو كان جائزا لفعله مرة تعليما للجواز كذا فى الحلبى وغيره یعنی: جمعہ خلاف قیاس مشروع ہے کہ مقیم ہونے کے باوجود دو رکعت پڑھنا ہے پس اس میں ان تمام خصوصیات کی رعایت ضروری ہے جو شرع میں وارد ہیں اور یہ بات کسی روایت میں نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز قبل از وقت پڑھی ہو تو یا وقت نکل جانے کے بعد پڑھی ہو اور یہی طریقہ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد والوں کا رہا ہے، اگر وقت سے پہلے (یا وقت گذر جانے کے بعد) پڑھنا جائز ہوتا تو بیان جواز کے لئے ایک مرتبہ تو پڑھتے ...... (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۷۷ باب صلوٰۃ الجمعۃ)

ان تمام باتوں کے پیش نظر فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے کہ جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ زوال کے بعد ہی پڑھی جائے، چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ اولین میں ہے ومن شرائطها الوقت فتصح فى وقت الظهر ولا تصح بعده لقوله عليه السلام اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة (هدايه اولين ص ۱۴۸ باب الجمعة)

بدائع الصنائع میں ہے: واما الوقت فمن شرائط الجمعة وهو وقت الظهر حتى لا يجوز تقديمها على زوال الشمس لماروى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه لمابعث مصعب بن عمير رضى الله عنه الى المدينة قال له اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۸ فصل فى بيان شرائط الجمعة)

الاختیار شرح المختار میں ہے: ۔ (ووقتها وقت الظهر) لحديث انس كنا نصلى الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مالت الشمس ولا نهاخلف عن الظهر وقد سقطت الظهر فتكون فى وقتها (الا ختيار لتعليل المختار ج ۱ ص ۸۳ كتاب الجمعة)

مراقی الفلاح میں ہے:۔ والثالث (وقت الظهر) لقوله صلى الله عليه وسلم اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة (فلا تصح) الجمعة (قبله وتبطل بخروجه) لفوات الشرط (مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ۲۷۷)

علامہ نووی شرح مسلم شریف میں تحریر فرماتے ہیں هذه الا حاديث ظاهرة فى تعجيل الجمعة وقد قال مالك وابو حنيفة والشافعى وجماهير العلماء من الصحابة والتابعين فمن بعدهم لا يجوز الجمعة الا بعد زوال الشمس. الى قوله. قال القاضى وروى فى هذا اشياء عن الصحابة لا يصح منها شئى الا ما عليه الجمهور وحمل الجمهور هذه الحديث على المبالغة وانهم كانوا يؤخرون الغداء والقيلولة فى هذا اليوم الى مابعد صلوة الجمعة لانهم ندابوا الى التكبير اليها فلو اشتغلوا بشئى من ذلك قبلها خافوا فوتها اوفوت التكبير.

یعنی: یہ احادیث بظاہر تعجیل جمعہ پر دلالت کرتی ہیں اور محقق بات یہ ہے کہ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ، اور جمہور علماء وصحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والے علماء سب یہی فرماتے ہیں کہ جمعہ زوال کے بعد ہی صحیح ہوتا ہے۔ الی

قولہ۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے جو کچھ مروی ہے ان میں سے کوئی چیز صحت کو نہیں پہنچتی، جمہور علماء کا جو قول ہے وہی ثابت ہے اور جمہور علماء نے ان احادیث کو مبالغہ پر حمل کیا ہے اور ان احادیث کا مقصد یہ بتایا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جمعہ کے دن دو پہر کا کھانا اور قیلولہ مؤخر کرتے تھے (اور بعد نماز جمعہ یہ کام کرتے تھے اس لئے کہ وہ حضرات جمعہ کی نماز کے لئے بہت جلد جاتے تھے اگر کھانے وغیرہ میں مشغول ہوں تو جلد جانے میں یہ چیزیں خلل انداز ہوتیں (نووی شرح مسلم ص ۲۸۳ ج ۱ کتاب الجمعۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا جمعہ کی اذان اول کے بعد غسل کرنے کی گنجائش ہے:

(سوال ۸۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ہے، سورۂ جمعہ میں جو فاسعوا الی ذکر اللہ ہے وہ وجوبی ہے یا استحبابی؟ اگر وجوبی ہے تو اذان اول کے بعد نماز کی تیاری مثلاً غسل کرنا کپڑا بدلنا کیسا ہے؟ نیز کوئی اور کام کرنا مثلاً خرید وفروخت کرنا یا بات چیت کرنا کیسا ہے؟ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ وضاحت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) قرآن مجید میں اذان جمعہ کے بعد سعی الی الجمعہ کا جو امر ہے وہ وجوب کے لئے ہے استحباب کے لئے نہیں ہے اور اذان اول کے بعد سعی الی الجمعہ واجب اور ضروری ہے کسی ایسے کام میں مشغول ہونا جو سعی الی الجمعہ میں مخل ہو جائز نہیں مکروہ تحریمی ہے ہاں ایسا کام جو جمعہ کی تیاری کے لئے ہو اس کی گنجائش ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے۔ ویجب بمعنی یفترض (ترک البیع) وکذا کل شئی یؤدی الی الاشتغال عن السعی الیھا او یخل بالسعی الیھا کالبیع ماشیاً الیھا لا طلاق الا مر (بالا ذان الا ول) الواقع بعد الزوال فی الا صح لحصول الا علام لانہ لوانتظر الثانی الذی عند المنبر تفوتہ السنۃ وربما لا یدرک الجمعۃ لبعد محلہ وھو اختیار شمس الا ئمۃ، طحطاوی میں ہے (قولہ ویجب ترک البیع) فیکرہ تحریماً من الطرفین علی المذھب ویصح اطلاق الحرام علیہ کما وقع فی الھدایۃ...... والا فھذہ المکروھات کلھا تحریمۃ لا نعلم خلافاً فی الا ثم بھا اھ (قولہ فی الا صح) وقال الطحاوی المعتبر ھو الاذان الثانی عند المنبر لانہ الذی کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم والشیخین بعدہ قال فی البحر وھوضعیف (مراقی الفلاح وطحطاوی ص ۲۸۲ باب الجمعۃ)

درمختار میں ہے۔(ووجب السعی الیھا وترک البیع) ولو مع السعی وفی المسجد اعظم وزراً (بالا ذان الاول) فی الا صح وان لم یکن فی زمن الرّسول صلی اللہ علیہ وسلم بل فی زمن عثمان وافاد فی البحر صحۃ اطلاق الحرمۃ علی المکروہ تحریماً (درمختار) شامی میں ہے قولہ وترک البیع ارادبہ کل عمل ینا فی السعی وخصہ اتباعاً للآیۃ نھر . والا صح انہ الاول باعتبار الوقت وھو الذی یکون علی المنارۃ بعد الزوال (درمختار شامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعۃ)

غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے وو جب السعی الخ اور واجب ہے جمعہ کی طرف جھپٹنا، اور بیع کو ترک کرنا اگر چہ بیع چلتے چلتے کرتا ہو اذان اول کے ہونے پر صحیح تر قول میں، اگر چہ یہ اذان عہد مبارک میں آنحضرت ﷺ کے نہ تھی بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی اور مسجد کے اندر یا دروازہ پر بیع میں مشغول رہنا بڑا گناہ ہے) بیع سے مراد وہ امر ہے جو نماز جمعہ سے باز رکھے تو اگر سوا بیع کے کسی اور کام میں مشغول رہے گا اور سعی نہ کرے گا تو مکروہ

تحریمی ہوگا اور سعی کی حالت میں بیع کرنا اگر حارج سعی نہ ہو تو سراج میں کہا ہے کہ مکروہ نہیں چنانچہ شارح نے بھی آخر باب البیع الفاسد میں لابأس بہ لکھا ہے۔ الی قولہ۔ اور صحیح تر قول یہ ہے کہ اذان اول وہی ہے جو وقت میں اول ہو یعنی جو اذان زوال کے بعد منارہ پر ہوتی ہے، کذا فی الشامی۔ (غایۃ الاوطار ص ۳۸۰ ج ۱ باب الجمعۃ)

نفع المفتی والسائل میں ہے اذا اذن للجمعۃ اولاً حرم البیع ووجب السعی وکرہ البیع وکذا کل شئی ما یشغلہ عن السعی کراھۃ تحریمیۃ (نفع المفتی والسائل ص ۴۴) (ھدایہ اولین ص ۱۵۱) (مجمع الانھر ج ۱ ص ۱۷۱)

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں نودی سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ یہ اذان اول صحابہ کے اجماع سے بعد میں مقرر ہوئی ہے لیکن حرمت بیع میں حکم اس کا بھی مثل حکم اذان قدیم کے ہے کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص وقطعی ہوگا اور اذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ وظنی ہوگا اس سے تمام اشکالات علمیہ مرتفع ہوگئے (بیان القرآن ص ۷ ج ۱۲ سورۂ جمعہ)

معارف القرآن میں ہے، اور باتفاق فقہاء امت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت کرنا نہیں بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں مخل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے اس لئے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا سونا، کسی سے بات کرنا، یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہیں صرف جمعہ کی تیاری سے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جاسکتے ہیں الخ (معارف القرآن ص ۴۴۱، ص ۴۴۲ ج ۸، از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

خلاصۃ التفاسیر میں ہے۔ مسئلہ: اذان سنتے ہی واجب ہے کہ حضوری جمعہ پر آمادہ ہو جائے، (۱) طہارت ودرستی لباس وغیرہ اسی سعی میں داخل ہے مگر نہ اس طوالت وتکلف سے کہ حضوری میں توقف ہو (خلاصۃ التفاسیر ص ۴۳۸ ج ۴)

(۱) اس حکم سے امام مستثنیٰ ہے، امام کے لئے جمعہ کے دن سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے حجرہ میں رہے اور خطبہ کے وقت اپنے حجرہ سے برآمد ہو، تفسیر مواہب الرحمن میں ہے۔ خطیب نے کہا کہ واضح رہے کہ مسجد جامع میں اول وقت جا کر بیٹھنا سوائے امام کے باقیوں کے لئے ہے اور امام کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ خطبہ کے وقت برآمد ہو جیسے آنحضرت اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کرتے تھے (تفسیر مواہب الرحمن ص ۲۰۹ جلد ۶ سورۂ جمعہ پ ۲۸) اذان اول کے بعد امام کہاں بیٹھے اس کے لئے سنت طریقہ کیا ہے اس کے متعلق فتاویٰ رحیمیہ میں ایک جواب ہے جو قابل مطالعہ ہے، ضرورت ہے کہ اس سنت کو زندہ اور اس پر عمل کیا جائے، یہ سنت تقریباً متروک العمل ہو رہی ہے۔ ''امام جمعہ کے لئے مستحب اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے حجرہ میں رہیں، حجرہ نہ ہو تو منبر کے دائیں جانب کسی مخصوص جگہ میں بیٹھیں جہاں سکون ہو اور وہیں سنت وغیرہ پڑھیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آئیں، آپ عین خطبہ کے وقت اپنے حجرۂ مبارک سے (جو منبر کے دائیں جانب تھا) نکل کر منبر پر تشریف لاتے تھے، آپ کے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا اور اس زمانہ میں بھی حرمین شریفین (زادھما اللہ شرفاً و کرامۃً) کے خطیب اس پر عمل کرتے ہیں اور خطبہ کے وقت آتے ہیں، حدیث میں ہے اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام، ترجمہ۔ جب امام خطبہ کے لئے نکلے اسی وقت سے نماز اور کلام منع ہے، حدیث میں اذا قام کا لفظ نہیں ہے اذا خرج کا لفظ ہے اس میں بھی اشارہ ہے کہ خطیب کی جگہ محراب نہیں بلکہ محراب سے دور اور عوام سے الگ مخصوص جگہ ہے۔

روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما خطبہ سے پہلے منبر کے قریب وعظ فرماتے، جب امیر المؤمنین اپنے حجرہ سے نکلتے تو فوراً بند کر دیتے (مستدرک ص ۱۰۸، ص ۲۸۸ ج ۱ مسند امام احمد ص ۴۴۹ ج ۳) (موضوعات کبیر ص ۱۲ الملا علی قاری) (اصابۃ فی تذکرۃ الصحابہ ص ۱۸۳ ج ۱) (اقامۃ الحجہ ص ۵)۔ الخ۔ اسی لئے فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں ومن السنۃ جلوسہ فی مخدعہ عن یمین المنبر (درمختار) یعنی خطیب کے لئے مسنون یہ ہے کہ منبر کی دائیں جانب حجرہ میں بیٹھے (درمختار) حجرہ نہ ہو تو اس طرف کے کونے میں بیٹھے، دائیں جانب سکون کی جگہ نہ ہو تو جہاں سکون ہو وہاں بیٹھے خطیب کے لئے خطبہ سے پہلے کی سنتیں محراب میں پڑھنا مکروہ ہے شامی میں ہے (قولہ عن یمین المنبر) قید لمخدعہ قال فی البحر فان لم یکن ففی جھتہ او ناحیتہ وتکرہ صلاتہ فی المحراب قبل الخطبۃ (شامی ج ۱ ص ۷۶۰) (فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۲، ۸۳ جلد ششم

احسن الفتاویٰ میں ہے :۔ سوال :۔ جمعہ کی اذان اول کے بعد دینی کتب کا مطالعہ کرنا یا مسائل و حدیث لکھنا جب کہ خطبہ کی اذان سے پہلے مسجد میں پہنچ جائے جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ باسم ملہم بالصواب اذان اول کے بعد جمعہ کی تیاری کے سوا کوئی کام بھی جائز نہیں، خواہ وہ دینی کام ہی کیوں نہ ہو۔ قال فی التنویر ووجب السعی الیھا وترک البیع بالاذان الاول وفی الشامیۃ اراد بہ کل عمل ینافی السعی وخصہ اتباعاً للآیۃ (رد المختار ص۷۶۰ جلد ۱) (احسن الفتاویٰ ص۱۲۱ ج ۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ جتنا جلد ہو سکے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر جامع مسجد پہنچ جائے اگر صبح سے اپنا کاروبار یا اپنی دیگر مصروفیات بند کرنا مشکل ہو تو اذان اول سے اتنی دیر پہلے دکان بند کر دی جائے کہ سنت کے مطابق غسل کر کے کپڑے تبدیل کر کے خوشبو لگا کر اذان اول کے وقت جامع مسجد پہنچ جائے اگر خدانخواستہ کسی دن بہت ضروری کام میں مشغول ہوا اور اذان اول سے قبل غسل جمعہ کا بالکل موقعہ نہ مل سکا تو کپڑے کی درستگی کے ساتھ ساتھ جلدی سے غسل کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے بشرطیکہ جمعہ سے قبل کی سنت اور خطبہ فوت نہ ہو مگر اس کی عادت ہرگز نہ ڈالی جائے اور اگر سنت یا خطبہ فوت ہونے کا گمان ہو تو اس صورت میں صرف وضو پر اکتفا کیا جائے۔

جمعہ کا دن بہت ہی باعظمت اور بابرکت دن ہے احادیث میں تبکیر (صبح سویرے جامع مسجد جانے) کی بہت ہی ترغیب اور فضیلت آئی ہے جو شخص جتنا سویرے جائے گا اسی قدر اس کو زیادہ ثواب ملے گا، ایک حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم الجمعۃ وقفت الملائکۃ علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المھجر کمثل الذی یھدی بدنۃً ثم کالذی یھدی بقرۃ ثم کبشاثم دجاجۃً ثم بیضۃ فاذا خرج الامام طووا صحفھم ویستمعون الذکر متفق علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن فرشتے (اس) مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں (جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے) اور سب سے پہلے جو آتا ہے اس کا نام لکھتے ہیں پھر اس کے بعد جو آتا ہے اس کا نام لکھتے ہیں (اسی طرح درجہ بدرجہ سب کا نام لکھتے ہیں) سب سے پہلے جو آتا ہے اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے اللہ کی راہ میں اونٹ قربانی کرنے والے کو (اس کے بعد جو آتا ہے اس کو ایسا ثواب ملتا ہے) جیسے گائے کی قربانی کرنے میں، پھر جیسے بکرے کی قربانی کرنے میں، پھر جیسے اللہ کے واسطے مرغ ذبح کرنے میں پھر جیسے اللہ کی راہ میں کسی کو انڈا صدقہ دینے میں پس جب امام (برائے خطبہ) نکلتا ہے تو فرشتے دفتر بند کر لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں (بخاری شریف، ومسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص۱۲۲ باب التنظیف والتبکیر)

ایک اور حدیث میں ہے عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غسل یوم الجمعۃ واغتسل وبکر وابتکر ومشیٰ ولم یرکب ودنا من الامام واستمع ولم یلغ کان لہ بکل خطوۃ عمل سنۃ اجر صیامھا وقیامھا رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی جمعہ کے دن نہلا دے اور خود بھی نہائے اور صبح سویرے جاوے اور اول خطبہ پاوے اور پیادہ پا جاوے اور سوار نہ ہو اور امام سے نزدیک ہووے اور خطبہ سنے، اس درمیان کوئی لغو فعل نہ کرے تو اس کو ہر قدم پر ایک کامل سال کی عبادت کا ثواب ملے گا ایک سال کی نمازوں کا اور ایک سال کے روزوں کا (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص۱۲۲ ایضاً)

لہٰذا جس قدر ہو سکے جلد جانے کا اہتمام کرنا چاہئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف عظام بہت جلد جامع مسجد پہنچنے کا اہتمام فرماتے تھے، بہشتی گوہر میں بحوالہ امام غزالیؒ درج ہے۔ "اگلے زمانہ میں صبح کے وقت اور بعد فجر راستے گلیاں بھری نظر آتی تھیں، تمام لوگ اتنے سویرے سے جامع مسجد جاتے تھے، اور سخت ازدحام ہوتا تھا جیسے عید کے دنوں میں، پھر جب یہ طریقہ جاتا رہا تو لوگوں نے کہا کہ پہلی بدعت ہے (۱) جو اسلام میں پیدا ہوئی، یہ لکھ کر امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیوں نہیں شرم آتی مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ سے، کہ وہ لوگ اپنے عبادت کے دن یعنی یہود سنیچر کو اور نصاریٰ اتوار کو اپنے عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں کیسے سویرے جاتے ہیں اور طالبان دنیا کتنے سویرے بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے پہنچ جاتے ہیں، پس طالبان دین کیوں نہیں پیش قدمی کرتے۔ (احیاء العلوم) درحقیقت مسلمانوں نے اس زمانے میں اس مبارک دن کی بالکل قدر گھٹادی، ان کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ آج کون سا دن ہے اور اس کا کیا مرتبہ ہے، افسوس وہ دن جو کسی زمانہ میں مسلمانوں کے نزدیک عید سے بھی زیادہ تھا اور جس دن پر نبی ﷺ کو فخر تھا اور جو دن اگلی امتوں کو نصیب نہ ہوا تھا، آج مسلمانوں کے ہاتھ سے اس کی ایسی ذلت اور ناقدری ہو رہی ہے خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس طرح ضائع کرنا سخت ناشکری ہے جس کا وبال ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون (بہشتی گوہر ص۸۷، ص۸۸)

نیز بہشتی گوہر میں ہے۔

"ہر مسلمان کو چاہئے کہ جمعے کا اہتمام پنجشنبہ سے کرے، پنجشنبہ کے دن بعد عصر کے استغفار وغیرہ زیادہ کرے اور اپنے پہننے کے کپڑے صاف کر رکھے اور جو خوشبو گھر میں نہ ہو اور ممکن ہو تو اسی دن لا رکھے تاکہ پھر جمعہ کے دن ان کاموں میں اس کو مشغول ہونا نہ پڑے، بزرگان سلف نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ جمعہ کا فائدہ اس کو ملے گا جو اس کا منتظر رہتا ہو اور اس کا اہتمام پنجشنبہ سے کرتا ہو اور سب سے زیادہ بدنصیب وہ ہے جس کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ جمعہ کب ہے حتیٰ کہ صبح کو لوگوں سے پوچھے کہ آج کون سا دن ہے اور بعض بزرگ شب جمعہ کو زیادہ اہتمام کی غرض سے جامع مسجد ہی میں جا کر رہتے تھے (ص۱۶۱ ج۱ احیاء العلوم بہشتی گوہر ص۸۷ جمعے کے آداب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مسجد میں جمعہ کی دو جماعتیں کرنا:

(سوال ۸۷) ہماری مسجد میں ظہر اور جمعہ کی نماز میں کثیر مجمع ہوتا ہے خصوصاً رمضان المبارک میں مسجد بالکل ناکافی ہو جاتی ہے، بعض لوگوں کا مشورہ یہ ہے کہ رمضان المبارک میں دو جمعہ قائم کئے جائیں تو ایک مسجد میں یکے بعد دیگرے جمعہ کی دو جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک مسجد میں دو جمعہ قائم نہیں کر سکتے جن کو جگہ نہ ملے وہ دوسری مسجد میں چلے جائیں اگر دوسری مسجد میں گنجائش نہ ہو یا مسجد نہ ہو تو کسی ہال میں کسی بڑے مکان میں (جہاں سب کو ان کی پوری اجازت ہو کسی کے لئے روک ٹوک نہ ہو) جمعہ کا انتظام کیا جائے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) یعنی سویرے نہ جانا اور یہاں بدعت سے لغوی بدعت مراد ہے یعنی نئی بات اور شرعی بدعت مراد نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دین میں عبادت سمجھ کر نئی بات پیدا کرنا کیونکہ یہ حرام ہے اور سویرے نہ جانا حرام نہیں ۱۲ منہ۔

(۲) ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق درمختار مع الشامی باب الامامۃ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد اس کے علاوہ آنے والے سوال میں صراحتاً حوالہ آ رہا ہے۔

ایک مسجد میں تکرار جمعہ:

(سوال ۸۸) ہمارے یہاں لندن میں ایک مسجد ہے جس میں تقریباً چار سو مصلی ایک ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں، جماعت خانہ دو منزلہ ہے اس مسجد میں عام چھٹیوں کے موقع پر (جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ، کرمس) جمعہ کی نماز دوسری مرتبہ قائم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) جمعہ کی نماز کے لئے تقریباً آٹھ سو نمازی آتے ہیں (۲) مسجد کے اطراف میں مسلمانوں کے ایسے مکانات نہیں ہے کہ وہاں دوسری جماعت کا انتظام کیا جاسکے (۳) ایسے موقع پر دوسری جماعت کے لئے ہال کرایہ پر لینا مشکل ہے کیونکہ یہ دن عیسائیوں کے تہوار کے ہوتے ہیں یا پھر بینک ہولی ڈے ہونے کی وجہ سے ہال کے تمام ذمہ دار چھٹیوں پر ہوتے ہیں۔ (۴) اگر مسجد میں دوسرے جمعہ کا انتظام نہ کیا جائے تو جن لوگوں کو جمعہ کی نماز نہیں ملتی وہ متولی اور کمیٹی کے ذمہ داروں کو برا بھلا کہہ کر چلے جاتے ہیں (۵) یہاں کے موسمی حالات کے اعتبار سے کھلے میدان میں جمعہ قائم کرنا مناسب نہیں نیز اس کے لئے حکومت کی اجازت بھی ضروری ہے، مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر ہماری مسجد میں جمعہ کی نماز دو مرتبہ قائم کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فقہاء نے بوقت ضرورت ایک شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ ادا کرنے کو جائز فرمایا ہے، درمختار میں ہے (وتودی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذھب وعلیہ الفتویٰ شرح المجمع للعینی وامامة فتح القدیر دفعاللحرج. شامی میں ہے (قولہ علی المذھب) فقد ذکر الا مام السرخسی ان الصحیح من مذھب ابی حنیفةؒ جواز اقامتھا فی مصر واحد فی مسجدین واکثرو بہ نأخذ. الی قولہ. فان المذھب الجواز مطلقا بحر (درمختار وشامی ج ۱ ص ۷۵۵ باب الجمعة)

جب ضرورت کی وجہ سے شہر میں متعدد جگہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہے تو نمازیوں کی تعداد کے پیش نظر جہاں جہاں جمعہ قائم کرنے کی ضرورت ہو وہاں جمعہ قائم کرنا چاہئے تاکہ ہر علاقہ والے اپنے اپنے علاقہ میں جمعہ ادا کریں، موجودہ مسجد ہی کے اطراف میں کسی جگہ جمعہ کا انتظام کرنا ضروری نہیں ہے اور اس بات کا پہلے ہی سے اعلان کر دیا جائے کہ فلاں فلاں جگہ جمعہ کی نماز ہوگی تاکہ لوگ اپنے قریبی مقام پر جمعہ کی ادائیگی کے لئے چلے جائیں، موجودہ مسجد نمازیوں کی تعداد کے پیش نظر کافی نہ ہو تو ایمانی فریضہ ہے کہ ہم اپنی عبادت کی ادائیگی کا انتظام کریں، نماز تو روزانہ پنج وقتہ ادا کرنا ہے صرف جمعہ کا سوال نہیں ہے لہذا ضرورت ہے تو دوسری مساجد کا بھی انتظام کریں اگر باقاعدہ دوسری مسجد بنانے میں کوئی رکاوٹ ہو تو عبادت خانہ کا انتظام کیا جائے اور وہاں پنج وقتہ نماز باجماعت اور اذان کا اہتمام ہو تاکہ سمجھدار بچے بھی مسجد میں آنا شروع کر دیں اور ابھی سے ان کو نماز کی عادت ہو جائے، حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مروا اولادکم بالصلوة وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین. یعنی اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب کہ وہ سات برس کے ہوں اور نماز چھوڑنے پر انہیں مارو جب وہ دس برس کے ہوں (مشکوٰة شریف ص ۵۸ کتاب الصلوٰة فصل نمبر ۲) اور ساتھ ساتھ بچوں کی دینی تعلیم کا بھی انتظام کرنا چاہئے، آپ کے یہاں کے خطرناک ماحول سے آپ حضرات خوب واقف ہیں اگر بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا صحیح نظم نہیں کیا

گیا اور بچپن ہی سے اسلامی عقائد اور اسلامی تعلیم ان کے ذہن نشین نہیں کرائے گئے تو آئندہ ان پر قابو پانا اور کنٹرول رکھنا مشکل ہو جائے گا اور خطرہ ہے کہ نئی نسل کہیں ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے، اس لئے بچوں کے مستقبل کو سامنے رکھ کر ابھی سے ان کے دین وایمان کی حفاظت کے اسباب مہیا کرنا ہے اس لئے بچوں کی تعلیم کا صحیح طریقہ پر انتظام کرنا چاہئے، مسلمان ہو کر صرف جمعہ یا عیدین کی نماز ادا کریں بالکل غلط طریقہ ہے، عیدین، جمعہ اور پنج وقتہ نمازیں سب ضروری ہیں اس لئے جہاں جہاں ضرورت ہو مسجد کا انتظام کریں اور جمعہ بھی ادا کریں مسجد میں جب ایک دفعہ جمعہ کی نماز ہو چکی تو اب دوسری مرتبہ وہاں جمعہ کی نماز ادا کی جائے، شامی میں لکھا ہے کہ جامع مسجد میں جب جمعہ کی نماز پڑھ لی جائے تو مسجد بند کر دی جائے تاکہ دوبارہ لوگ (برائے جمعہ) جمع نہ ہوں (قولہ الا الجامع) ای الذی تقام فیہ الجمعة فان فتحہ فی وقت الظھر ضروری والظاھر انہ یغلق ایضاً بعد اقامة الجمعة لئلا یجتمع فیہ احد بعدھا الخ (شامی ج ۱ ص ۷۶۶ کتاب الجمعة)

لہذا صورت مسئولہ میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہوں ان کے قریبی علاقہ میں جمعہ کا انتظام کیا جائے اور پہلے سے اس کا اعلان کر دیا جائے تاکہ لوگ اپنے قریبی علاقہ ہی میں چلے جائیں مسجد میں دوبارہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ دی جائے ورنہ عام رواج ہو جائے گا، پہلے ہی سے ہال بک کرانے کی کوشش کی جائے شادی وغیرہ تقریبات کے لئے پہلے سے انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح جمعہ کے لئے بھی پہلے سے انتظام کرنا چاہئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھانے کے لئے مجبور کیا جائے تو امام صاحب کیا کریں؟:

(سوال ۸۹) ہمارا گاؤں چھوٹا ہے اور میں مسجد میں امام ہوں، لوگ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں، تو میں کیا کروں؟ اگر پڑھانے پر مجبور کریں تو کیا نیت کروں؟ جمعہ کی یا نفل کی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر آپ کا گاؤں چھوٹا ہو، جمعہ صحیح ہونے کے شرائط موجود نہ ہوں تو وہاں جمعہ پڑھنا، پڑھانا صحیح نہیں ظہر باجماعت ادا کرنا چاہئے، شامی میں ہے وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیھا اسواق. الیٰ قولہ. وفیما ذکرنا اشآرة الیٰ انہ لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیھا قاض (شامی ص ۷۴۸ ج ۱ کتاب الجمعة) نیز درمختار میں ہے وفی القنیة صلاة العیدین فی القری تکرہ تحریماً ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة (قولہ صلاة العید) ومثلہ الجمعة (درمختار وشامی ص ۷۷۵ ج ۱، باب العیدین) لوگوں کو مسئلہ سے واقف کیا جائے، اس کے باوجود آپ کو جمعہ پڑھانے کے لئے مجبور کریں تب بھی آپ نہ پڑھائیں نہ جمعہ کی نیت سے نہ نفل کی نیت سے کوئی صورت نہ بن سکے تو مستعفی ہو جائیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سوال میں درج شدہ بستی میں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۹۰) ہمارے گاؤں کی کل آبادی تقریباً تین ہزار کی ہے، ہمارے یہاں گرام پنچایت ہے، پرائمری اسکول ہے، ہائی اسکول بھی ہے، بینک آف سوراشٹر ہے، پولس اسٹیشن یعنی تھانہ بھی ہے، سرکاری ہسپتال ہے جہاں مریضوں کے لئے ہر قسم کا انتظام ہے، ڈاک خانہ بھی ہے، ضروریات زندگی کی تقریباً تمام چیزیں مل جاتی ہیں، تو ہمارے گاؤں

میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا؟

(الجواب) آپ کے سوال کے بموجب آپ کا گاؤں قصبہ نما ہونا چاہئے اہل بستی اور قرب وجوار کے گاؤں والے آپ کی آبادی کو قصبہ کی طرح سمجھتے ہوں اور اپنی ضروریات زندگی خریدنے کے لئے آپ کے یہاں آتے ہوں، آپ کے یہاں بازار ہو اور اہل حرفہ (جن کی اکثر وبیشتر ضرورت ہوتی ہے) موجود ہوں تو جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، بہتر یہ ہے کہ دو تین معتبر مستند وتجربہ کار علماء کو بلا کر دکھا دیا جائے اور ان کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے شامی میں ہے وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق. الیٰ قوله. وفیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض (شامی ص ۷۴۸ ج ۱ کتاب الجمعة) نیز شامی میں ہے ۔ فی التحفة عن ابی حنیفة رحمه الله انه بلدة کبیرة فیها سکک واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه اوعلم غیره یرجع الناس الیه فیما یقع من الحوادث وهذا هو الاصح اه (شامی ج ۱ ص۷۴۹ کتاب الجمعہ)فقط والله تعالیٰ اعلم .

جمعہ کی نماز ایک سے زیادہ مسجدوں میں ادا کرنا:

(سوال ۹۱) ہماری بستی میں ماشاء اللہ کئی مساجد ہیں، ان میں ایک چھوٹی مسجد ہے جس سے چند قدم پر ایک بڑی جامع مسجد ہے وہاں جمعہ کی نماز ادا ہوتی ہے اس کے علاوہ مذکورہ مسجد کی اردگرد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین مسجدوں میں جمعہ قائم کی جاتی ہے، اب محلّہ کے لوگ اس چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو کیا جمعہ قائم کرنا مناسب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پنجوقتہ نمازوں کی ادائیگی کے لئے محلّہ کی مسجد میں مردوں کو حاضر ہونے کا تاکیدی حکم ہے، اور جمعہ کی نماز محلّہ کی مسجد بند رکھ کر جامع مسجد میں ادا کرنے کی ہدایت ہے، نماز جمعہ کو ''جامعۃ الجماعات'' کہا جاتا ہے، یعنی تمام جماعتوں کو جمع کرنے والی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن محلّہ کی چھوٹی چھوٹی مسجدیں بند کر کے ہر مسجد کے مصلی ایک بڑی جماعت کے ساتھ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کریں یہ افضل اور مستحسن ہے اور اسی میں اسلامی شان و شوکت کا مظاہرہ ہے، عذر کے بغیر محلے محلے چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ قائم کرنا شریعت کا منشاء، مصلحت اور اسلام شان وشوکت کو ختم کرنا ہے اور اس کا اثر جامع مسجد پر بھی پڑے گا، البتہ کوئی عذر ہو مثلاً جامع مسجد میں تمام مصلیوں کی گنجائش نہ ہو یا جامع مسجد اتنی دور ہو کہ وہاں مصلیوں کو پہنچنے میں بہت تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں حسب ضرورت ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

درمختار میں ہے۔ افادان المساجد تغلق یوم الجمعة الا الجامع (درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۷۶۶، باب الجمعة)

رسائل الارکان میں ہے ولا جل ان الجمعة جامعة للجماعات قال الامام ابو یوسف لا یجوز تعدد الجمع فی مصر واحد وهو روایة عن الامام ابی حنیفة .الی. وقال الامام محمد و رواه عن الامام ابی حنیفة وهذه الروایة هی المختارة وعلیه الفتویٰ انه یجوز تعدد الجمعة مطلقا

الخ (رسائل الارکان ص ۱۱۸ قبیل فصل فی العیدین)

مبسوط سرخسی میں ہے۔ واقامة الجمعة من اعلام الدین فلا یجوز القول بما یؤدی الیٰ تقلیلها (مبسوط سرخسی ص ۱۲۱ ج ۱، باب الجمعة)

کفایت المفتی میں ہے اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز جہاں تک ممکن ہو ایک جگہ ہو، ورنہ سخت حاجت اور ضرورت میں دو یا تین جگہ کی جائے بلا ضرورت زیادتی مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۱ ج ۳)

دوسرا فتویٰ! جواب:۔ ایک بستی میں ایک جگہ جمعہ پڑھنا افضل ہے، لیکن اگر بستی بڑی ہو اور ایک جگہ سب لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہو تو دو جگہ حسب ضرورت جمعہ پڑھنا جائز ہے اور بلا ضرورت بھی کئی جگہ جمعہ پڑھا جائے تو نماز ہو جاتی ہے، البتہ خلاف افضل اور خلاف اولیٰ ہوتی ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۱ ج ۳)

صورت مسئولہ میں جب مذکورہ فی السوال مسجد سے چند قدم کے فاصلہ پر بڑی جامع مسجد میں اور اس کے علاوہ اردگرد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین مسجدوں میں جمعہ قائم کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں آپ کے محلّہ کی چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا بالکل غیر مناسب اور ناپسندیدہ ہے اس سے جمعہ کی شان وشوکت ظاہر نہ ہوگی، جمعہ کی نماز بڑی جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور جمعہ کی شان بڑھتی ہے، اور اسلامی شان وشوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے، اسی لئے حضور ﷺ عید کی نماز مسجد نبوی (علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) چھوڑ کر (جبانہ) عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گاؤں میں متروکہ جمعہ پھر سے جاری کرنا:

(سوال ۹۲) ہمارے گاؤں (ایٹالوا) میں ساٹھ ستر مکانوں کی آبادی ہے، دو محلے اور دو مسجدیں ہیں (ایک چھوٹی، دوسری بڑی)، پہلے بڑی مسجد میں نماز جمعہ اور چھوٹی مسجد میں ظہر پڑھی جاتی تھی، بہت سے لوگ ظہر پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے بلیشور، ولیسما یا سورت چلے جاتے ہیں، بعض لوگ جمعہ پڑھتے تھے، اس لئے ڈابھیل سے فتویٰ پوچھا گیا، وہاں سے جواب آیا کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ ناجائز ہے، جمعہ ادا نہ ہوگا بلکہ ظہر پڑھنا ضروری ہے اس کی بعد گاؤں والوں نے جمع ہو کر یہ طے کیا کہ جب جمعہ صحیح نہیں تو پھر کیوں پڑھا جائے؟

بعض حضرات نے کہا کہ باپ دادا کے زمانہ سے جاری ہے اس کو کیسے چھوڑ دیں؟ لیکن اکثر لوگوں نے فتویٰ کے بموجب عمل کرنے کی رائے دی اور کہا غلط طریقہ پر نہیں چلنا چاہئے، اس پر سے اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ جمعہ کے دن سے ظہر ہوگی، اس کے بعد چار پانچ ماہ تک لڑائی جھگڑے کے بغیر ظہر جاری رہی جب عید کا موقعہ آیا تو جمعہ پڑھنے کی خواہش رکھنے والوں نے موقعہ دیکھ کر عید کی نماز ہوگی ایسا اعلان کر دیا (حالانکہ جس زمانہ میں جمعہ جاری تھا اس وقت یہی لوگ دوسری جگہ چلے جاتے) مگر ایک غلط کام کا فیصلہ کر لیا اور اب خفیہ اسکیم یہ ہے کہ آئندہ موقعہ پا کر جمعہ بھی اسی طرح جاری کروا دیں گے، لہٰذا اب آپ سے حسب ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے۔

(۱) جب جمعہ ناجائز ہے تو کیا عید کی نماز ہوسکتی ہے؟

(۲) شرعی حکم کے مطابق جمعہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا اب پھر سے جاری کرنا کیسا ہے؟

(۳) جمعہ دوبارہ جاری کرنے کی سعی کرنے والوں کو گناہ اور حرام کا مرتکب نہیں کہا جائے گا؟

(۴) گاؤں کے ذمہ دار حضرات اور دوسرے لوگوں پر جمعہ بند رہے اس کی سعی ضروری ہے یا نہیں؟

امید ہے کہ آپ مدلل و محقق جواب عنایت فرمائیں گے، تاکہ گاؤں کا فتنہ فرو ہو اور لوگ صحیح حکم شرعی پر عمل کریں، از باشندگان ایٹالوا۔

(الجواب) نماز پنجگانہ (جس میں ظہر بھی ہے) صحیح ہونے کے لئے شہر یا قصبہ کی شرط نہیں، دیہات، کھیت، جنگل میں بھی درست ہے، جماعت اذان عام، خطبہ بھی مشروط نہیں، لیکن جمعہ ایک مخصوص عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے، جو بہت ہی اہتمام سے پڑھا جاتا ہے اسی لئے ہمارے حنفی مسلک میں اس کے صحیح ہونے کے لئے چند شرائط ہیں۔

(۱) جماعت شرط ہے (۲) خطبہ شرط ہے۔ (۳) اذن عام بھی شرط ہے (۴) شہر یا قصبہ یا قصبہ نما بڑے گاؤں کا ہونا شرط ہے، دیہات یا جنگل میں درست نہیں۔

ويشترط لصحتها ستة اشياء المصر او فناؤه والخطبة والا ذن العام والجماعة ملخصاً (نور الا یضاح ص ۱۱۷، ۱۱۸ باب الجمعة)

مالابد منہ میں ہے، "پس در دیہات نزد امام اعظم جمعہ جائز نیست" امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیہات میں جمعہ جائز نہیں (۵۴) مکتب سے لے کر دارالعلوم میں داخل نصاب کتاب "تعلیم الاسلام" میں ہے۔

(سوال) نماز جمعہ صحیح ہونے کی کیا شرطیں ہیں۔

(الجواب) جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی کئی شرطیں ہیں اول شہر یا قصبہ میں ہونا، چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز درست نہیں۔ (حصہ ۴/ص ۵۷)

گاؤں اور جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں (بہشتی ثمر ج ۱/ص ۱۴۳)

دیہات اور جنگل میں جمعہ نہیں پڑھ سکتے اسی لئے میدان عرفات میں لاکھوں حاجیوں کا اجتماع ہونے کے باوجود جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی ظہر پڑھی جاتی ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کا دن تھا (جس کے سبب حج اکبری ہوئی تھی) پھر بھی ہزاروں صحابہؓ کے اجتماع میں جمعہ نہیں پڑھا گیا بلکہ ظہر با جماعت پڑھی گئی، اور آج تک ظہر ہی پڑھی جاتی ہے ولا جمعة بعرفات فی قولهم جميعا (جامع الصغير ص ۱۱۲ كتاب الجمعة) لہذا آپ حضرات بھی ظہر با جماعت پڑھتے رہیں۔

(۱) جس جگہ جمعہ درست نہیں وہاں عید بھی درست نہیں۔ صلوة العيد واجبة فی الا صح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها (باب العيدين نور الا یضاح ص ۱۲۱)

(۲) جب معتبر علماء اور مفتیان کرام نے آپ کے گاؤں میں جمعہ کے عدم جواز کا فتویٰ دیا تو اب اس پر عمل کرنا ضروری ہے، جمعہ قائم کر کے شرعی حکم کی خلاف ورزی کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔ جب تم علماء کے پاس آؤ اور جو وہ تم سے کہیں تم اس کو قبول نہ کرو تو یہ تمہارا ان کے پاس آنا (یا ان کا تمہارے پاس آنا) تم پر حجت بنے گا، اس کا گناہ تم پر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تم ملاقات کرتے رسول اللہ ﷺ اور آپ کا کہنا نہ مانتے۔ اذا حضر تم عند العلماء ولم تقبلوا ما يقول

لكم كان حضور كم عند هم حجة عليكم يكون عليكم اثم ذلک كما لقيتم الرسول الله صلى الله عليه وسلم ولم تقبلوا منه (الفتح الربانی ، المجلس الخامس مترجم ص ۴۱ و ص ۴۲)

اور آپ ﷺ کا دوسرا فرمان ہے۔

تمہارے درمیان صورۃ نبی (ﷺ) موجود نہیں کہ تم اس کا اتباع کرو، پس جب تم رسول اللہ ﷺ کے اتباع کرنے والوں اور آپ کے حقیقی فرمانبرداروں کا اتباع کروں گے تو گویا تم نے نبی ہی کا اتباع کیا ليس بينكم نبی موجود بصورة حتى تتبعوه فاذا تبعتم المتبعين للنبی صلى الله عليه وسلم المحققين فی اتباعه فكانما قد اتبعتموه (ايضاً المجلس الرابع عشر ص ۹۳)

ان جوابات سے دیگر سوالوں کے جوابات بھی حل ہو سکتے ہیں، خدا تعالیٰ نیک عمل کی توفیق عنایت فرماوے اور خواہشات نفسانیہ سے محفوظ رکھے آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شافعی مساجد میں نماز جمعہ:

(سوال ۹۳) شہر بمبئی میں کئی مسلم محلوں میں شافعی مذہب والوں کی مسجدیں بوقت جمعہ بند رہتی ہیں، ائمہ شوافع کا نظریہ ہے کہ جامع مسجد کے سوا دیگر مساجد میں جمعہ قائم نہیں ہو سکتا، ان کے اس نظریہ کی وجہ سے شافعی المسلک بلکہ حنفی المسلک کو بھی بروز جمعہ بڑی مشقت اور زحمت کا سامان رہتا ہے کیونکہ لوگوں کی تعداد کثیر ہونے کے سبب سب کو جامع مسجد میں جگہ ملنا مشکل ہے بلکہ حنفی المسلک والوں کی مسجد میں بھی جگہ نہیں ملتی، بارش کے زمانہ میں بہت سے حنفی و شافعی نماز جمعہ سے محروم رہتے ہیں، کیا ایسے وقت بھی مذہب شافعی کے بموجب ایک سے زائد مساجد میں جمعہ پڑھنے کی اجازت نہیں؟ اس کا جواب دے کر ممنون فرماویں۔

(الجواب) بے شک حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نماز جمعہ کی صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جائے، اگر ایک سے زائد جگہ جمعہ پڑھا گیا تو جس امام کی تکبیر تحریمہ پہلے ہوئی اس کی نماز صحیح ہوئی، باقی مساجد میں پڑھے ہوئے جمعہ کا اعتبار نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت میں بھی یہی مروی ہے۔ در شہر چند جا جمعہ جائز است و بروایتے از امام اعظمؒ سوائے یک جا جائز نیست (مالابد منہ ص ۵۴)

لیکن حضرت امام اعظمؒ کی دوسری روایت میں ضرورت اور دفع حرج کے پیش نظر ایک سے زائد جگہوں میں نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت ہے، اسی طرح مذہب شافعی میں بھی مجبوری کی وجہ سے ایک سے زائد مقام میں جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔ وتؤدى فی مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا على المذهب وعليه الفتوى (الى قوله) دفعا للحرج ، درمختار .(قوله على المذهب) فقد ذكر الا مام السر خسى ان الصحيح من مذهب ابى حنيفة جواز اقامتها فی مصر واحد فی مسجدين و اكثر و به ناخذ (شامی ج ۱ ص ۷۵۵ باب الجمعة)

شافی مذہب کی معتبر عربی کتاب "الاساس" (مؤلفہ محمد یحییٰ بیروتی شافعیؒ) کا اردو ترجمہ "ارکان اسلام" میں

ہے۔

نماز جمعہ صحیح ہونے کی شرط یہ بھی ہے کہ بستی میں ایک ہی جگہ پڑھا جائے، اگر ایک بستی میں دو تین جگہ جمعہ پڑھا گیا تو جس امام کی تکبیر تحریمہ پہلے ہوگی اس کا جمعہ صحیح ہوگا، اور دوسرا اور تیسرا جمعہ باطل ہوگا لیکن اگر ایک جگہ (جامع مسجد) کافی نہ ہو تو ایک شہر میں متعدد مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے (رسائل ارکان ص ۷۶)

مترجم حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری سورتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حنفی اور شافعی مذہب میں بلا عذر و مجبوری متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کی اجازت نہیں ۔(۱) جیسا کہ بہت سی جگہوں میں محلّہ درمحلّہ جمعہ پڑھا جاتا ہے، یہ طریقہ جمعہ قائم کرنے کے خاص مقصد اور روح کے خلاف ہے۔

البتہ جس جگہ جامع مسجد ناکافی ہو یا دور ہونے کی وجہ سے پہنچنا مشکل ہو، تکلیف دہ ہو، (جیسا کہ بمبئی میں) تو وہاں ضرورت کے مطابق متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ حنفی و شافعی مذہب میں بھی درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز جمعہ نئی مسجد میں پڑھیں یا پرانی میں:

(سوال ۹۴) ہمارے یہاں کل تین مسجدیں ہیں (۱) کنارہ مسجد (۲) ٹاور مسجد (۳) فتح اسلام مسجد، ان تینوں میں کنارہ مسجد قدیم ہے، جس میں جمعہ ہوتا ہے اور تمام مصلی اس میں سما سکتے ہیں، نیز نمازیوں کے لئے راحت رساں تمام اشیاء اس میں موجود ہیں، نمبر دو والی ٹاور مسجد نئی تعمیر ہوئی ہے وہ بھی اتنی وسیع ہے کہ تمام مصلی اس میں سما سکتے ہیں، نمبر تین والی فتح اسلام مسجد ایسی ہے کہ اس میں تمام نمازیوں کا سماجانا مشکل ہے۔

اس میں قابل دریافت بات یہ ہے کہ ہم لوگ نماز جمعہ ایک ہی جگہ پڑھنا چاہتے ہیں تو کس مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس قدیم اور بڑی مسجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے وہ جامع مسجد سمجھی جائے گی اس میں جمعہ پڑھنا افضل ہے۔

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ الرجل فی بیتہ بصلاۃ وصلاتہ فی مسجد القباء بخمس وعشرین صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الذی یجمع فیہ بخمسمائۃ صلاۃ .الحدیث (مشکوۃ ص ۷۲ باب المساجد ومواضع الصلوۃ) بلا عذر شرعی اسے چھوڑ کر نئی مسجد میں جمعہ قائم کرنا مناسب نہیں اگرچہ نماز تو وہاں بھی ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کارخانہ میں نماز جمعہ:

(سوال ۹۵) شہر کی جامع مسجد کافی دور ہے، کارخانہ میں کام کرنے والے مسلمان مزدور کارخانہ کے کسی حال میں جمعہ پڑھ لیں تو جمعہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ صحت جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا شرط ہے، لہٰذا مع حوالہ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(۱) لان جواز التعدد دفعاً للحرج کما مر، والحرج لا یو جد بدون الضرورۃ والضابطۃ الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ کما فی الاشباہ وغیرہ. (مترجم)

(الجواب) جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں، شہر و فنائے شہر میں کسی بھی جگہ مثلاً مکان میں یا ہال میں یا کھلے میدان میں نماز جمعہ درست ہے البتہ اس جگہ اذن عام (یعنی ہر شخص کو نماز پڑھنے کی اجازت ہو یہ) ضروری ہے لیکن مسجد کا ثواب پھر بھی نہیں ملے گا و لا یشترط الصلوۃ فی البلد بالمسجد فتصح بفضاء فیہا. طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۷۹ باب الجمعۃ. فقط واللہ تعالیٰ علم بالصواب.

عبادت گاہ میں جمعہ کی نماز:

(سوال ۹۶) یہاں (انکلیشور) میں بس اڈے کے قریب اسلامی مسافر خانہ ہے، جس کے بالائی حصہ میں عبادت گاہ ہے اس میں پنجگانہ نماز با جماعت ہوتی ہے، قرب و جوار کے بسنے والے (جیسے وی، ٹی کالج، آئی، ٹی، ایس، ٹی کا عملہ وغیرہ) جن کی تعداد دو سو ہے یہ لوگ مذکورہ عبادت گاہ میں جمعہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں، کیونکہ جائے وقوع بس اڈہ اور جامع مسجد میں ایک میل کا فاصلہ ہے اور اسی فاصلہ اور قلت وقت کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی نماز جمعہ بسا اوقات فوت ہوجاتی ہے، تو کیا یہاں جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز جمعہ صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں شہر یا قصبہ شرط ہے ولا یشترط الصلوۃ فی البلد بالمسجد فتصح بفضاء فیہا (باب الجمعۃ طحطاوی ص ۲۷۹) لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عبادت گاہ میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں، لیکن شرعی مسجد نہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عبادت خانہ میں دوبارہ جمعہ پڑھنا:

(سوال ۹۷) ہم ٹورنٹو (کینیڈا) کے باشندے نماز جمعہ کے متعلق ذرا تفصیل چاہتے ہیں بایں طور کہ ہمارے کئی مسلمان بھائی بروز جمعہ دن کی ڈیوٹی میں کام کرتے ہیں، بہت ہی کوشش کے باوجود بروقت جمعہ ادا نہیں کر پاتے، مجبوراً ہم چار سے زائد آدمی ظہر کے وقت میں ایک ایسی جگہ جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں جہاں جمعہ کی نماز وقت مقررہ پر ہوچکی ہوتی ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں ہماری نماز جمعہ ادا ہوگی یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دے کر ممنون کریں۔

(الجواب) نماز جمعہ کسی بھی طرح (چاہے مالی نقصان برداشت کرنا پڑے) اس کی اصل جگہ یعنی مسجد میں اور اگر یہ نہ ہوسکے تو عبادت خانہ میں جم غفیر کے ساتھ ادا کرے، اگر وہاں کبھی کبھار پہنچ نہ سکے تو ایک امام اور کم از کم تین مقتدیوں کے ساتھ کسی اور جگہ یا کارخانہ میں با جماعت ادا کرے، جہاں امام اور مؤذن مقرر ہو اور پنجگانہ نماز بروقت با جماعت ہوتی ہو وہاں جماعت ثانیہ مکروہ ہے، مبسوط سرخسی میں ہے۔ قال (واذا دخل القوم مسجداً قد صلی فیہ اھلہ کرھت لھم ان یصلوا جماعۃ باذان واقامۃ ولکنھم یصلون وحداناً بغیر اذان واقامۃ) لحدیث الحسن قال کانت الصحابۃ اذا فاتتھم الجماعۃ فمنھم من اتبع الجماعات ومنھم من صلی فی مسجدہ بغیر اذان و لا اقامۃ (مبسوط سرخسی ج ۱ ص ۱۳۵) (شامی ج ۱ ص ۳۶۷ باب الاذان) نیز جماعت ثانیہ کرنے سے جماعت اولیٰ کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے، اصل تو جماعت اولیٰ ہی ہے لوگ سمجھتے ہیں پہلی جماعت ملے تو ٹھیک ہے ورنہ دوسری جماعت کرلیں گے یہ طریقہ غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا فرمایا ہے نہ کہ روزی وروزگار کے لئے، رزق کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے، البتہ تدبیر (ملازمت، بیوپار) اختیار کرنے کی اجازت دی ہے لیکن تدبیر کے پیچھے پڑ کر ہمیشہ جمعہ چھوڑ دینا بڑی محرومی اور نفاق کی علامت ہے۔عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ترک الجمعۃ من غیر ضرورۃ کتب منافقاً. الحدیث (مشکوۃ ص ۱۲۱ باب الجمعۃ)

ایسی ملازمت کہ جس کے سبب ہمیشہ جمعہ کی نماز سے محروم رہے جائز نہیں باری تعالیٰ کا فرمان ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون، ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ ھو الرزاق ذوالقوۃ المتین.

ترجمہ۔اور میں (خدا) نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو میں نہیں چاہتا ان (مخلوق) سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط (قرآن حکیم پارہ نمبر ۲۷ سورہ ریت)

پھر ملازمت کے خاطر اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کرنا کہاں کی دانشمندی اور انسانیت ہے۔فقط واللہ اعلم

فیکٹری میں نماز جمعہ کی اجازت نہ ملے تو:

(سوال ۹۸) میں فیکٹری میں ماہواری تنخواہ کے عوض ٹریننگ لیتا ہوں جس میں مجھے فی الحال بقدر ٹریننگ ماہوار =/۳۵۰ روپے ملتے ہیں میری ڈیوٹی کا وقت صبح نو بجے سے لے کر شام کے پانچ بجے تک ہے اور دوپہر کو بارہ بجے سے ایک بجے تک کا وقفہ رہتا ہے اس کے علاوہ جمعہ کے دن بھی نماز جمعہ کے لئے اجازت نہیں ایسی صورت میں مجھے نماز جمعہ کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ ظہر پڑھنے میں کوئی حرج ہے؟ یا فیکٹری میں ہی دو تین آدمی مل کر نماز جمعہ پڑھ لیں؟ یا پھر میں ملازمت ترک کردوں، ظہر پڑھنے کی اجازت کی صورت میں کتنی مدت تک ظہر کی اجازت ہے؟ بہت ہی کوشش کے باوجود کسی حال میں کمپنی اجازت دینے کو راضی نہیں حتیٰ کہ وضع تنخواہ کی صورت میں بھی اجازت نہیں دیتی، ایسی صورت میں کیا کروں۔بینوا توجروا۔

(الجواب) جب جمعہ جیسی نماز (جو شعائر اسلام میں سے ہے) کے لئے اجازت نہیں ہمیشہ ظہر پڑھنے کی نوبت آتی ہے، تو ایسی ملازمت قابل ترک ہے، دوسری جگہ ملازمت کی تلاش میں رہے، جب تک اچھی ملازمت نہ ملے فیکٹری میں جمعہ پڑھے اگرچہ مسجد کا ثواب نہیں ملے گا مگر جمعہ صحیح ہوجائے گا، البتہ امام کے علاوہ تین مصلی کا ہونا ضروری ہے اس سے کم ہو تو جمعہ صحیح نہ ہوگا، ایسے ہی خطبہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔

والسادس الجماعۃ واقلھا ثلثۃ رجال سوی الامام (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۷۶۰ و ج ۱ ص ۷۶۱ باب الجمعۃ) و یشترط لصحتھا ستۃ اشیاء المصر او فنائہ والخطبۃ الخ (نور الایضاح ص باب الجمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

جمعہ کے لئے دکان کب بند کرے؟:

(سوال ۹۹) بروز جمعہ ہم لوگ دوپہر کو قبل نماز دکان بند کردیتے ہیں، ہمیں دکان کس وقت بند کرنا چاہئے؟ آج کل

زوال کا وقت ۱۲/۴۵ پر ہے اور اذان ایک بجے اور خطبہ ایک بج کر دس منٹ پر ہوتا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) احادیث میں یوم جمعہ کی بہت فضیلت آئی ہے حتیٰ کہ یوم عید سے بھی افضل ہے عن ابی لبابۃ بن عبدالمنذر قال قال النبی صلی اللہ علہ وسلم ان یوم الجمعۃ سید الایام واعظمھا عند اللہ وھو اعظم عند اللہ من یوم الاضحیٰ ویوم الفطر. الحدیث. (مشکوۃ شریف ص ۱۲۰ باب الجمعۃ)

اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ صبح ہی سے جمعہ کی تیاری میں لگ جائے، جلد از جلد غسل کرے، عمدہ کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، سورۂ کہف پڑھے جتنا جلد ہوسکے جامع مسجد پہنچ کر نوافل، صلوۃ التسبیح، تلاوت قرآن واذکار درود شریف وغیرہ میں مشغول رہے، نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کھانا کھائے اس کے بعد دکان کھولے۔

اگر اس پر عمل کرنا اور دکان بند رکھنا گراں ہو تو اذان اول سے اس قدر پہلے دکان بند کردے کہ مسنون طریقہ کے مطابق غسل کرکے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اذان کے وقت جامع مسجد میں پہنچ سکے و وجب سعی الیھا وترک البیع بالاذان الاول (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعہ) نیز ملاحظہ ہو احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۶۱ بیان آداب الجمعۃ. بھشتی زیور حصہ نمبر ۱۱ ص ۷۶.

جمعہ کے دن کی جتنی تعظیم وتکریم کرے گا اور مسنون طریقہ پر نماز کا اہتمام کرے گا اسی کے بقدر برکات سے نوازا جائے گا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہمیشہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنا خلاف سنت ہے:

(سوال ۱۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں امام صاحب ہیں اور وہی خطیب بھی ہیں اور بستی کے باشندے دوسرے خطیب کا تقرر کرنے سے معذور ہیں اور مذکورہ خطیب کو دائمی عذر ہے، مثلاً سر چکرانا اور کمزوری جس کی وجہ سے کھڑے ہو کر خطبہ نہیں پڑھ سکتے تو کیا ایسی صورت میں بیٹھ کر خطبہ دے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے، حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبدالرحمن ابن ام حکم کو خلاف سنت بیٹھ کر خطبہ پڑھتے دیکھا تو غضبناک ہو کر فرمایا۔دیکھو یہ خبیث خطبہ بیٹھ کر پڑھتا ہے۔عن ابی عبیدۃ عن کعب ابن عجرۃ قال دخل المسجد وعبد الرحمن بن ام حکم یخطب قاعداً فقال انظروا الی ھذا الخبیث یخطب قاعداً (صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۸۴ کتاب الجمعۃ) لہذا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے، کسی وقت اگر عذر سے بیٹھ کر پڑھا جاوے تو درست ہے مگر اس پر مداومت (دائمی طور پر ترک سنت) کی اجازت نہ ہوگی، لہذا دوسرا انتظام کیا جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔۲۳ ذی الحجہ ۹۵ھ۔

بیان وخطبہ کے وقت چندہ کرنا:

(سوال ۱۰۱) جمعہ کے روز پہلی اذان کے بعد امام کچھ بیان کرتے ہیں اس دوران مسجد کے لئے چندہ کی صندوق یا جھولی پھرائی جاتی ہے، بعض لوگ سنت پڑھنے میں مشغول ہوتے ہیں اور بعض دفعہ تو خطبہ بھی شروع ہوجاتا ہے مگر چندہ کا کام جاری رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیان کے دوران چندہ کے لئے صفوں میں پھرنے کی اجازت نہیں کہ بیان سننے میں خلل ہوگا اور بیان کا مقصود فوت ہوگا اور سنت پڑھنے والوں کو بھی خلل ہوگا۔ حضرت عمر فاروقؓ نماز میں تھے کہ ایک شخص آیا اور اپنا سامان صف کے آگے ڈال دیا اور نماز میں شریک ہوگیا، حضرت عمرؓ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اس شخص کو سزا دی کہ تو نے نمازیوں کو تشویش میں ڈالا (کتاب الاعتصام للامام الشاطبیؒ) اور یہی حکم خطبہ کے لئے بھی ہے بلکہ اس سے اشد، روایت میں ہے، اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام، جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو نہ نماز جائز ہے نہ بات چیت۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے درمیان بچوں کو شرارت کرنے سے روکنا:

(سوال ۱۰۲) خطبۂ جمعہ کے وقت بچے شور اور شرارت کرتے ہیں تو ان کو روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سر اور ہاتھ کے اشارے سے روکا جاسکتا ہے، زبان سے کچھ نہ کہے، زبان سے بولنا جائز نہیں حرام ہے، البتہ خطیب کو اجازت ہے والاصح بانہ لاباس بان یشیر براسہ اویدہ عندرویۃ منکر (درمختار) والتکلم بہ من غیر الامام حرام (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۲ باب الجمعۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے وقت پنکھا جھلنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۰۳) جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو اس وقت حاضرین پنکھا جھلیں تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کراہت سے خالی نہیں۔ حدیث میں ہے ومن مس الحصی فقد لغا۔ (کتاب الجمعۃ رواہ مسلم) جب مس حصی (یعنی کنکریوں سے کھیلنے اور ان کو ہاتھ میں لینے) کی ممانعت ہے کہ اس میں مشغول ہے غیر خطبہ کی طرف، تو پنکھا جھلنے میں اس سے زیادہ مشغولی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

(سوال ۱۰۴) خطیب، جمعہ وعیدین کے دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرتا ہے، اس وقت حاضرین ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، کیا اس کا ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس جلسہ میں کوئی دعا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں، غایۃ الاوطار میں اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''تنبیہ، آج کل یہ دستور ہو رہا ہے کہ خطیب جب خطبۂ اول کو پڑھ کر بیٹھتا ہے تو لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگتے ہیں، اس لئے اس مسئلہ کی تحقیق اس جگہ مناسب معلوم ہوتی ہے، ابوداؤد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ دو خطبے پڑھا کرتے تھے، اس طرح کہ منبر پر چڑھ کر بیٹھتے جب تک کہ مؤذن فارغ ہو، پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے پھر بیٹھتے اور کلام نہ کرتے اور پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے طحطاوی نے کہا کہ اس جلوس میں کوئی دعا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہوئی۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ خطیب کو درمیان دو خطبوں کے جدائی کے لئے جلسہ اتنا کرنا چاہئے کہ تمام اعضا اس کے قرار پاجائیں اور اس جلسہ میں دعا کرنا بدعت ہے اور سغناقی نے لکھا ہے کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے لئے دو خطبوں کے درمیان میں غیر مشروع ہے اور جامع الخطیب میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا

24

دعا کے لئے دو خطبوں کے بیچ میں حرام ہے اور شیخ عبدالحق نے شرح مشکوۃ میں حدیث مذکورہ بالا کے ذیل میں لکھا ہے کہ کلام نہ کرتے، اس کے یہ معنی کہ نہ دعا مانگتے نہ دعا کے سوا اور کوئی بات کرتے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ میں ساعت دعا کے قبول ہونے کی امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت سے نماز کے پورا ہونے تک ہے، تو ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہی وقت ہے کہ غیر امام کو کلام اس وقت میں حرام ہے اور دعا سے مراد وہ دعا ہے جو امام سب مسلمانوں کے لئے پڑھتا ہے، خطبہ اور نماز کے اندر، پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ امام یا سننے والے جلسہ کے اندر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں الخ (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۳۷۳) (شامی ج ۱ ص ۷۷۲ باب الجمعۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ اور اقامت کے درمیان فصل کرنا:

(سوال ۱۰۵) ہمارے امام صاحب جمعہ کے خطبہ سے فارغ ہو کر جب منبر سے اترتے ہیں تو مصلی (جائے نماز) پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں، اس کے بعد مکبر اقامت کہتا ہے اور جب وہ حی علی الصلوۃ کہتا ہے اس وقت امام اور مقتدی کھڑے ہوتے ہیں، ہر جمعہ کو ایسا ہی کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) آپ کے امام صاحب کا یہ طریقہ بالکل نرالا اور خلاف سنت ہے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا یہ طریقہ نہیں تھا، مذہب حنفی کی معتبر اور مشہور کتاب درمختار میں ہے فاذا اتم اقیمت ویکرہ الفصل یعنی جب امام خطبہ پورا کرے تو اقامت شروع کردی جائے اور فاصلہ مکروہ ہے، شامی میں ہے (قولہ اقیمت) بحیث یتصل اول الاقامۃ بآخر الخطبۃ وتنتھی الاقامۃ بقیام الخطیب مقام الصلوۃ۔ یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی اقامت شروع ہوجانی چاہئے، اس طرح کہ اقامت کا اول حصہ خطبہ کے آخری حصہ کے ساتھ متصل ہو اور خطیب کے مصلی (جائے نماز) پر پہنچتے پہنچتے اقامت ختم ہوجائے۔ (درمختار والشامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعۃ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے امام صاحب کا یہ طریقہ نو ایجاد، من گھڑت اور مکروہ ہے، اس کو مسنون اور مستحب سمجھنا بالکل غلط اور بے بنیاد اور گناہ کا باعث ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ مکروہ رامستحسن دانستن از اعظم جنایاتست، مکروہ کو مستحسن سمجھنا اعظم جنایات میں سے ہے (یعنی بڑی مکروہ اور ممنوع چیز ہے) (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ج ۱ ص ۳۹۴ مکتوب نمبر ۲۸۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔ ایھا الناس انکم ستحدثون ویحدث لکم فاذا رأیتم محدثۃً فعلیکم بالامر الاول یعنی تم لوگ نئی نئی باتیں نکالو گے اور تم کو نئی نئی باتیں پیش آئیں گی پس جب تم نئی بات دیکھو تو پرانے طریقے کو لازم پکڑنا (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۳۰۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے شروع میں دو مرتبہ الحمدللہ پڑھنا:

(سوال ۱۰۶) خطبہ کے شروع کرتے وقت دو مرتبہ الحمدللہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) خطبہ میں الحمدللہ دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جب کہ اسے ضروری نہ سمجھا جائے، بزرگان دین کا طریقہ رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے وقت دوسری اذان مسجد میں دینا:

(سوال ۱۰۷) جمعہ کے وقت دوسری اذان جو خطبہ کے وقت دی جاتی ہے، عموماً دیکھا گیا کہ منبر کے پاس مسجد میں خطیب کے سامنے دی جاتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اذان مسجد میں دینا مکروہ ہے، اذان مسجد کے باہر دینا چاہئے اور کہتے ہیں کہ بہار شریعت میں بھی اس کو مکروہ لکھا ہے، اس کی وجہ سے یہاں خلفشار ہے، جواب باصواب عطا فرمائیں کرم ہوگا، والسلام بینوا توجروا۔ (بڑودا)

(الجواب) اذان دو مقصد کے لئے کہی جاتی ہے (۱) عام اور غائبین لوگوں کے لئے (۲) خاص حاضرین کے لئے، پہلی اذان عام اعلان ہے تا کہ غائبین مطلع ہوں یہ اذان مسجد میں کہنا مکروہ ہے اور دوسری اذان جو خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور اقامت جو نماز کے وقت کہی جاتی ہے، یہ دونوں خاص حاضرین کے لئے ہیں ان کا مسجد میں کہنا ہرگز مکروہ نہیں، مراقی الفلاح میں ہے والا ذان بین یدیہ جریٰ بہ التوارث (کالا قامۃ) بعد الخطبۃ (مراقی الفلاح ص ۱۰۳ باب الجمعۃ) اس عبارت میں دوسری اذان کو جو بوقت خطبہ منبر کے پاس خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس کو اقامت کے مانند قرار دیا ہے، جس طرح اقامت مسجد میں اور عموماً صف اول میں دی جاتی ہے اور اس کو کوئی مکروہ نہیں کہتا اسی طرح یہ اذان بھی مسجد میں خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور سلف وخلف کا یہی معمول اور طریقہ چلا آ رہا ہے جس کی طرف جریٰ بہ التوراث سے اشارہ کیا ہے) لہذا یہ اذان اور اقامت مسجد میں کہنا ہرگز مکروہ نہیں کہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی حاضرین کو متوجہ اور مطلع کرنا، غائبین سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور بعض کتابوں میں عندالمنبر آیا ہے، عینی شرح ہدایہ میں ہے فی الا صح لحصول الا علام بہ (ای اذان المنارۃ) لانہ لو انتظر الاذان الثانی عند المنبر تفوتہ السنۃ وربما لا یدرک الجمعۃ لبعد محلہ وھو اختیار شمس الا ئمۃ (عینی شرح ھدایہ ص ۱۱۴ باب الجمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب یکم ربیع الاول ۱۴۰۱ھ۔

عیدین کے موقعہ پر چندہ کرنا:

(سوال ۱۰۸) عیدین کے موقعہ پر (کبھی مسجد میں نماز ہوتی ہے اور کبھی عیدگاہ میں ہوتی ہے) مسجد کے لئے اسی طرح دینی مدارس یا لاوارث لوگوں کے کفن وغیرہ کے لئے مسجد کے اندر دو شخص ایک کپڑا لے کر صفوں کے درمیان چل کر چندہ کرتے ہیں تو شرعاً یہ فعل کیسا ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر نماز سے پہلے یا خطبہ کے بعد ہو تو مضائقہ نہیں، خطبہ کے دوران اس کی اجازت نہیں۔

کیا ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا ضروری ہے؟:

(سوال ۱۰۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام حافظ قاری ہیں، آنکھوں سے کچھ معذور ہیں، کتاب کے اندر دیکھ کر پڑھ نہیں سکتے، اس لئے انہوں نے پانچ چھ خطبے زبانی یاد کر رکھے ہیں اور وہ جمعہ کے دن ان میں سے ایک ایک خطبہ باری باری پڑھتے رہتے ہیں، ہمارے محلہ کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے خطبہ نہیں ہوتا کیونکہ ہر ماہ ایک خطبہ پڑھتے رہتے ہیں حالانکہ ہر ہفتے اور ہر مہینے کا جو الگ الگ خطبہ ہے وہ پڑھنا چاہئے، اسی بناء بعض مقتدی دوسری مسجد میں چلے جاتے ہیں، اس سلسلے میں مفتیان عظام کیا فرماتے ہیں؟

بینوا توجروا۔ (سورت)

(الجواب) جب کہ امام حافظ قرآن اور قاری ہیں، خوش الحان ہیں قرآن خوب عمدہ پڑھتے ہیں، نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہیں، کچھ معذور ہونے کے باوجود پاک صاف رہنے کا اہتمام کرتے ہیں لہذا ان کی امامت بلا کراہت درست ہے، حدیث میں ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال استخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم یؤم الناس وھو اعمیٰ. رواہ ابو دائود. یعنی حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو امام بنایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ نابینا تھے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۷ باب الامامۃ)

خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے، حاضرین عموماً عربی سے ناواقف ہوتے ہیں، سمجھ نہیں پاتے، اس لئے بھی ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا کیا مفید ہوگا؟ امام صاحب کو پانچ چھ خطبے یاد ہوں تو کافی ہے، نماز میں کسی قسم کی کراہت نہیں آتی، تاہم نیا خطبہ سننے کا شوق ہو تو عربی سیکھیں اور اچھے عالم حافظ قاری کو رکھا جائے، وہ جمعہ وعیدین کے خطبہ کا ترجمہ بیان کرے اور شرعی احکام سے نمازیوں کو واقف کرے، موجودہ امام کو نائب امام کے طور پر رکھا جائے وہ رمضان میں تراویح پڑھانے کی خدمت بھی کما حقہ انجام دے سکتے ہیں، لوگ مسجد کی عمارت پر تو ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں مگر امام ومؤذن پر خرچ کرنے میں ہاتھ تنگ کر لیتے ہیں، یہ بات مناسب نہیں ہے کیونکہ عمدہ عمدہ عمارت مقصود نہیں ہے البتہ قابل امام اور مؤذن مطلوب شرعی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۳۰ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ۔

عیدین کے خطبہ میں حاضرین کا تکبیر کہنا:

(سوال ۱۱۰) خطیب عید کے خطبہ میں تکبیرات کہتے ہیں، تو حاضرین تکبیرات کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں حاضرین آہستہ آہستہ تکبیر کہہ سکتے ہیں اور خطیب آیت کریمہ ان اللہ وملآئکتہ یصلون علی النبی پڑھے تو حاضرین دل ہی دل میں درود پڑھیں واذا کبر الا مام بالخطبۃ یکبر القوم معہ واذا صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الناس فی انفسہم (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۱ الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ ۹ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ۔

ظہر وجمعہ کی سنت میں جماعت وخطبہ شروع ہو جائے:

(سوال ۱۱۱) ظہر ونماز جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت موکدہ پڑھنے کی حالت میں ظہر کی جماعت یا جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے تو سنت پوری کرے یا دو رکعت پر سلام پھیر دے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں دو رکعت پر سلام پھیر دے یا چار رکعت مختصر قرأت وغیرہ کے ساتھ پڑھے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پڑھے ہاں اگر تیسری رکعت شروع کر دی ہو تو اختصار کے ساتھ چار رکعت پوری پڑھی (شامی ج ۱ ص ۶۶۸) (۱)

---

(۱) ثم اعلم ان ھذا کلہ حیث لم یقم الی الثالثۃ اما ان قام الیہا وقید ھا بسجدۃ ففی روایۃ النوادر یضیف الیہا رابعۃ ویسلم وان لم یقیدھا بسجدۃ قال فی الخانیۃ لم یذکر فی النوادر واختلف المشائخ فیہ قیل تمہا اربعا ویخفف القرأۃ وقیل یعود الی القعدۃ ویسلم وھذا اشبہ اھ قال فی شرح المنیۃ والاوجہ ان یتمہالا نہاان کانت صلاۃ واحدۃ فظاھر وان کانت کغیر ھا من النوافل کل شفع صلاۃ فالقیام الی الثالثۃ کتحریمۃ المبتدأۃ واذا کان اول ما تحرم یتم شفعا فکذا ھنا. باب ادراک الفریضۃ)

خطبہ میں عصا پکڑنا مسنون ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۱۳) خطبہ کے وقت عصا پکڑنا جائز ہے یا مکروہ؟

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا اور سہارا دینا جائز ہے مکروہ نہیں (شرح سفر السعادۃ ص ۲۰۹) مگر اس کو ضروری سمجھنا اور عصا نہ لینے والے کو ملامت کرنا مکروہ ہے۔ کسی مستحب کو اس کے درجہ سے بڑھا دینا بھی مکروہ ہے (مجمع البحار ج ۲ ص ۲۲۴)

خطبہ کے وقت درود شریف پڑھے یا نہیں:

(سوال ۱۱۴) جمعہ کے دوسرے خطبہ میں امام صاحب آیہ کریمہ ان اللہ و ملائکته یصلون علی النبی الخ پڑھیں تو حاضرین درود شریف پڑھیں یا نہیں؟ افضل کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) خطبہ کے وقت افضل یہی ہے کہ خاموش رہیں یا دل میں درود شریف کا تصور کریں۔ زبان سے نہ پڑھیں۔ اس وقت درود شریف زور سے پڑھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ کبیری شرح منیہ میں ہے واذا قرأ الا مام ان اللہ وملائکة فعن ابی حنیفه ومحمد انه ینصت وعن ابی یوسف انه یصلی سراً وبه اخذ بعض المشائخ واکثرھم انه ینصت وفی الحجة لو سکت فھو افضل ۔ یعنی حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ جب آیہ کریمہ ان اللہ وملائکتہ پڑھے تو خاموش رہنا چاہئے اور حضرت ابو یوسف سے روایت ہے کہ آہستہ سے پڑھے یعنی دل میں پڑھے۔ بعض مشائخ نے اس قول کو اختیار کیا ہے مگر اکثر مشائخ خاموش رہنے کو پسند فرماتے ہیں اور کتاب الحجہ میں ہے کہ خاموش رہنا بہتر ہے (کبیری شرح منیہ فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ ص ۲۵۰) اور درمختار میں ہے والصواب انه یصلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم عند سماعه اسمعه فی نفسه ۔ یعنی صحیح یہ ہے کہ خطبہ میں اسم مبارک سن کر اپنے دل میں درود شریف پڑھے اور شامی میں ہے اذا ذکر النبی ﷺ لایجوز ان یصلی علیه بالجھر بل بالقلب وعلیه الفتویٰ ترجمہ۔ جب آپ ﷺ کا نام مبارک لیا جائے تو اس وقت درود شریف زور سے پڑھنا جائز نہیں ہاں دل میں پڑھے فتویٰ اسی پر ہے (ج ۱ ص ۷۶۸ باب صلوٰۃ الجمعۃ) اس مسئلہ میں دیوبندی بریلوی کا بھی اختلاف نہیں بہار شریعت میں ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا نام پاک خطیب نے لیا تو حاضرین دل میں درود شریف پڑھیں اس وقت زبان سے پڑھنے کی اجازت نہیں (بہار شریعت ج ۴ ص ۱۰۰) واللہ اعلم۔

جمعہ کے خطبہ کے وقت پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۱۵) مسجد میں خطبہ کے وقت یا دوسری نماز کے وقت گھٹنے پر پاؤں رکھ کر بیٹھنا جیسے امراء بیٹھتے ہیں شرعاً کیسا ہے؟

(الجواب) اس طرح کی نشست میں تکبر اور گھمنڈ نہ ہو محض ضرورۃ ہو تو جائز ہے (قاضی خان) مگر اس کی عادت بنانا بالخصوص مسجد میں اور وہ بھی خطبہ کے وقت اس کی عادت مناسب نہیں۔ لانه من عادة الجبابرة ۔ مسجد میں عجز و خشوع بیٹھنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خطبۂ ثانیہ میں خلفائے راشدین کا ذکر خیر:

(سوال ۱۱۲) ایک اردو اشتہار میں دیکھا کہ خطبۂ ثانیہ میں خلفاء راشدین کا نام لے کر جو ذکر کیا جاتا ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں بدعت اور ناجائز ہے، لہذا خطیب کو چاہئے کہ اس کو ترک کرے ورنہ گنہگار ہوگا کیا یہ صحیح ہے؟ اس کو ترک کر دینا چاہئے۔

(الجواب) خطبۂ ثانیہ میں خلفاء راشدین کا ذکر خیر ان کی مدح اور ان کے لئے دعاء خیر کرنا بدعت نہیں ہے، نہ بے اصل ہے، زمانہ خیر القرون سے جاری اور سلف صالحین کے عمل سے ثابت ہے اس کو بے اصل اور بدعت بتانا غلط ہے، اس کے مستحب ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جماعت صحابہ کی موجودگی میں خطبہ میں حضرات خلفائے راشدین کا ذکر خیر کیا، ان کی مدح کی اور ان کے لئے دعاء خیر کی رضی اللہ عنہم (شامی ج ۱ ص ۷۵۹)[1] فقہ کی معتبر کتابوں میں خلفاء راشدین کے تذکرہ کو مستحب قریب السنۃ بلکہ شعار دین خصوصاً۔

- اہل سنت والجماعت کا شعار بتایا ہے۔ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے تذکرہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے دو چچا حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے تذکرے بھی مستحب ہیں۔ رسائل الارکان میں ہے وینبغی ان یدعو للمسلمین ویذ ؤ بذکر الخلفأ الراشدین ومدحھم والدعاء لھم لان الرحمة تتنزل بذکر الصالحین و یرجیٰ قبول الدعاء للمسلمن ببرکة ذکرھم وھو المتوارث من وقت التابعین الیٰ الا ن ولم ینکر ذلک احد فھو امر مندوب قریب الی السنة للاجماع الفعلی علیٰ ذلک وھو من شعار الدین کا لا ذان فلا یترک ترجمہ۔ مناسب ہے کہ خطبہ میں امام مسلمانوں کے لئے دعا مانگے۔ اس کا آغاز حضرات خلفاء راشدین کے لئے دعا اور ان کی مدح وثناء سے کرے کہ بزرگان دین کے تذکرے سے رحمت نازل ہوتی ہے اور مسلمانوں کے حق میں قبولیت دعاء کی زیادہ توقع ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ تابعین کے دور سے آج تک جاری ہے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی پس یہ طریقہ مستحب ہے جو سنت کے قرب کا درجہ رکھتا ہے اس پر اجماع فعلی ہے اور اذان کی طرح شعار دین ہے لہذا چھوڑا نہ جائے (ص ۱۱۶)

اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں ہے کہ خلفاء راشدین اور رسول خدا ﷺ کے عمین محترمین (حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ) کا تذکرہ مستحب ہے اور سلف صالحین سے جاری ہے (ج ۱ ص ۱۴۷)[2] (مراقی الفلاح ص ۱۳۰) (فتاویٰ جامع الرموز ج ۱ ص ۱۱۹) نفع المفتی ص ۱۰۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی ﷺ فرماتے ہیں کہ اگرچہ خطبہ میں خلفاء راشدین کا تذکرہ خطبہ کی شرائط میں سے نہیں۔ لیکن اہل سنت والجماعت کا شعار ہے اور یقینی بات ہے کہ اس شخص کے سوا جس کا دل مریض اور جس کا باطن خبیث ہو کوئی دوسرا (جو ایمان صحیح رکھتا ہو) اس کو چھوڑ نہیں سکتا (پھر ارشاد ہے) اگر یہ بات تسلیم کر لیں کہ خطیب نے

---

(۱) علی انه ثبت ابا موسی الا شعری وھو امیر الکوفة کان یدعو لعمر قبل الصدیق فانکر علیه تقدیمه عمر فشکی الیه فاستحضر المنکر فقال انما انکرت تقدیمک علی ابی بکر فبکی واستغفره والصحابة حینئذ متوفرون لا یسکتون علی بدعة ۔ باب الجمعة)

(۲) وذکر الخلفآء الراشدین والعمین رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین مستحسن بذلک جری التوارث کذا فی التجنیس)

تعصب اور عداوت سے خلفاء راشدین کا ذکر ترک نہیں کیا، تب بھی چھوڑنے والوں سے عملاً مشابہت تو ہوگئی۔ پس من تشبه بقوم فهو منهم کی وعید اور اتقوا مواضع التهم کی تاکید کا کیا جواب ہے۔ یعنی جب عملاً روافض کے مشابہہ ہوگیا تو اس کو رافضی کیوں نہیں قرار دیا جائے گا اور جہاں اس طرح کا الزام لگ سکتا ہو وہاں حکم ہے کہ احتیاط سے کام لیا جائے اور تہمت کا موقع نہ دیا جائے، اس نے تہمت کا موقع دے دیا۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۷ ۲ مکتوب نمبر ۱۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ پڑھنے کے بعد وضو کی حاجت ہو تو خطبہ کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۱۱۶) خطبۂ جمعہ پڑھنے کے بعد امام کو حدث لاحق ہوا اور حوض یا مسجد میں پانی نہ ہونے کی بنا پر قریب کے مکان میں وضو کرکے جلد واپس آیا اور خطبہ کے اعادہ بغیر نماز جمعہ پڑھائی تو نماز صحیح ہے یا نہیں؟ خطبہ کا اعادہ کرنا ہوگا؟

(الجواب) خطبہ کا اعادہ ضروری نہیں تھا نماز صحیح ہوئی۔ ولو خطب ثم ذهب فتوضأ فی منزله ثم جاء فصلی تجوز (کبیری ص ۵۱۷ فصل فی صلوة الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

خطبہ اور نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:

(سوال ۱۱۷) ہمارے یہاں جمعہ کے دن اذان اول کے بعد لوگ سنن وغیرہ سے فارغ ہو چکے ہیں اب امام کے خطبہ کہنے کی تیاری تھی خطیب اپنی جگہ سے اٹھے ہی تھے کہ اتنے میں آواز آئی آگ لگی دوڑو، آواز سن کر جو لوگ کہ سنن وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے دوڑے اور کچھ لوگ مسجد میں باقی رہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو لوگ آگ بجھانے گئے ہیں ان کا انتظار کر کے خطبہ اور نماز میں تاخیر کی جائے؟ اگر انتظار نہ کیا جائے تو ان کے خطبہ اور نماز کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) ایسے موقع پر نماز کے وقت کا لحاظ کر کے نمازیوں کا انتظار ضروری ہے اگر نماز پڑھ لی تو بقیہ جنہوں نے جمعہ کی نماز نہ پڑھی ہو علیحدہ علیحدہ ظہر کی نماز ادا کریں۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب.

جمعہ کے دن عید آجائے تو خطبہ کا حکم:

(سوال ۱۱۸) ایک شخص کہتا ہے کہ اگر جمعہ کے دن عید آجائے تو دونوں خطبے پڑھنا (عید اور جمعہ کے) ضروری نہیں دونوں میں سے ایک کو پڑھ لینا کافی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) یہ صحیح نہیں کہ دونوں میں سے ایک پڑھ لینا کافی ہے بلکہ عید اور جمعہ دونوں پڑھنا ضروری ہے۔ محمد عن یعقوب عن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہم عید ان اجتمعا فی یوم واحد فالاول سنة والآخر فریضة ولا یترک واحد منهما (الجامع الصغیر ص ۲۰ باب العیدین) (هدایة ج ۱ ص ۱۵۱ باب العیدین) (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۸) فقط واللہ اعلم بالصواب.

(۱) وكذا اهل مصر فاتتهم الجمعة فانهم يصلون الظهر بغير اذان ولا اقامة ولا جماعة درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۶۹ باب الجمعة

کیا خطبہ کے بعد وضو کرنے سے خطبہ دوبارہ پڑھا جائے:

(سوال ۱۱۹) امام خطبہ پڑھ کر وضو کرنے کے لئے حوض پر جائے تو خطبہ کا اعادہ کرنا ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) خطیب خطبہ کی بعد بغرض وضو حوض پر جائے یا مکان پر جا کر وضو کر کے آئے تو خطبہ کا اعادہ ضروری نہیں۔ پہلا خطبہ کافی ہے۔ " اذا خطب ثم ذهب فتوضا فی منزله ثم جاء فصلی تجوز " (کبیری ص ۵۱۷ فصل فی صلوة الجمعة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

خطبۂ عید نماز سے پہلے پڑھنا:

(سوال ۱۲۰) عید کا خطبہ نماز سے پہلے پڑھ لیا۔ تو نماز کے بعد اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(الجواب) عید کا خطبہ نماز کے بعد ہے۔ اگر پہلے پڑھ لیا تو غلط ہوا۔ مگر نماز کے بعد اعادہ کی ضرورت نہیں "جوہرۂ نیرہ" میں ہے۔ وان خطب قبل الصلوٰة اجزاء مع الاساءة .ولا تعاد بعد الصلوة (ص ۹۴ ج ۱ باب صلوة العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب.

خطبہ میں آیۂ کریمہ "ان اللہ" الخ پڑھنے پر حاضرین کا درود پڑھنا:

(سوال ۱۲۱) یہاں پر ایک اختلاف چل رہا ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں خطیب آیۂ کریمہ " ان اللہ وملائکتہ " الخ پڑھے تو حاضرین درود شریف پڑھیں یا خاموش رہیں؟ افضل طریقہ کیا ہے؟ جواب ہی پر جھگڑا رفع ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(الجواب) خطبہ کے وقت افضل یہ ہے کہ خاموش رہے یا دل میں درود شریف کا خیال کرے زبان سے نہ پڑھے اس وقت بلند آواز سے درود شریف پڑھنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ "کبیری شرح منیہ" میں ہے۔ واذا قرأ الامام ان اللہ وملآئکتہ یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعن ابی حنیفة ومحمد انه ینصت وعن ابی یوسف انه یصلی سراً وبه اخذ بعض المشائخ واکثرهم انه ینصت وفی الحجة لو سکت فهو افضل . ترجمہ:۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ سے روایت ہے۔ کہ خطیب جب آیۂ کریمہ۔ " ان اللہ وملائکتہ" الخ پڑھے تو خاموش رہنا چاہئے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ آہستہ دل ہی دل میں پڑھ لے بعض مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور اکثر مشائخ خاموش رہنے کو پسند فرماتے ہیں اور کتاب حجۃ میں ہے کہ خاموش رہنا بہتر ہے۔ (ص ۵۲۰ باب صلوٰۃ الجمعۃ) اور درمختار میں ہے والصواب انه یصلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم عند سماعه فی نفسه . ترجمہ:۔ اور صحیح یہ ہے کہ خطبہ میں اسم مبارک سنتے وقت آنحضرت ﷺ پر دل ہی دل میں درود شریف پڑھے اور "شامی" میں ہے۔ اذا ذکر النبی صلی اللہ علیه وسلم لا یجوز ان یصلی بالجهر بل بالقلب وعلیه الفتویٰ.

ترجمہ:۔ جب آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک لیا جائے تو جائز نہیں ہے کہ آپ پر جہر سے درود شریف پڑھا جائے (ﷺ) بلکہ دل میں پڑھے۔ اسی پر فتویٰ ہے (ص ۷۶۸ ج ۱ باب الجمعۃ) اس مسئلہ میں دیوبندی بریلوی

اختلاف بھی نہیں۔ دیکھئے ''بہار شریعت'' حضور اقدس ﷺ کا نام پاک خطیب نے لیا۔ تو حاضرین دل میں درود شریف پڑھیں۔ زبان سے پڑھنے کی اس وقت اجازت نہیں۔ (ص ۱۰۰ ج ۴) فقط واللہ اعلم۔

کیا خطیب کے لئے نہی عن المنکر جائز ہے؟:

(سوال ۱۲۲) خطبہ کے وقت لوگوں کو بات کرتے ہوئے یا کھڑے دیکھ کر خطیب خاموش رہنے کا یا بیٹھ جانے کا حکم دے سکتا ہے؟

(الجواب) خطیب بحالت خطبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرسکتا ہے۔ ویکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبة الا ان یکون امراً بمعروف کذا فی فتح القدیر (فتاویٰ عالمگیری ص ۹۴ ج ۱ باب الجمعہ) فقط واللہ اعلم.

خطبوں کے درمیان کا جلسہ:

(سوال ۱۲۳) جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے درمیان جلسہ نہ کرے تو کچھ حرج ہے؟

(الجواب) قصداً جلسہ نہ کرنا برا اور مکروہ ہے۔ والا صح انه یکون مسیئاً بترک الجلسة بین الخطبتین کذافی القنیة. (فتاویٰ عالمگیری ص ۹۴ ج ۱. طبع مصطفائی باب الجمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

خطیب عصا کس ہاتھ میں پکڑے؟:

(سوال ۱۲۴) خطیب جمعہ وعیدین میں عصا سیدھے ہاتھ میں پکڑے یا بائیں ہاتھ میں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دونوں صورتیں جائز ہیں جس کو جو صورت موافق ہو اس پر عمل کرے۔ اگر خطبہ ہاتھ میں نہ ہو تو عصا سیدھے ہاتھ میں پکڑنا اولیٰ ہوگا۔ اور اگر خطبہ ہو تو اس کو سیدھے ہاتھ میں لیوے۔ اور عصا کو بائیں ہاتھ میں لینا اولیٰ ہے۔ وفی الحاوی القدسی اذا فرغ المؤذنون قام الامام والسیف فی یساره وهو متکئ علیه (مراقی الفلاح ص ۲۹۸ باب الجمعة. بحر الرائق ص ۱۴۸ ج ۲)

وینبغی له ان یاخذ السیف او العصا او غیرهما بیده الیمنیٰ اذ انها السنة ولان تناول الطهارات انما یکون بالیمین والمستقذرات بالشمال ولا حجة لمن قال انه یاخذه بالیسار لکونه الیسر علیه فی منا ولته اذا اراد احد اغتیاله لان هذا المعنی مما یختص بالامراء الذین یخافون علیٰ انفسهم الغیلة وهذا مامون فی هذا الزمان فی الغالب اذان الامام لیس له تعلق بالامارة فی الغالب حتیٰ یغتاله احد. (کتاب المدخل ص ۴۷ ج ۲) فقط واللہ اعلم.

خطبہ کس زبان میں پڑھا جائے:

(سوال ۱۲۵) ہمارے یہاں خطبۂ جمعہ میں عربی کے ساتھ اردو ترجمہ بھی پڑھا جاتا تھا مگر اس میں وقت زیادہ صرف ہونے سے لوگ اکتانے لگے تو امام نے اردو ترجمہ چھوڑ دیا۔ لیکن چند رضا خانی (بریلوی) حضرات اردو، پڑھنے

کے لئے زور دے رہے ہیں تو اب امام کیا کرے فقط عربی خطبہ پڑھے یا اردو ترجمہ بھی شامل کرے؟ سنت کیا ہے، مدلل جواب دیا جائے۔

(الجواب) اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آنحضرت ﷺ کے تمام خطبات عربی میں ہوتے تھے۔ صحابہ کرام ؓ عرب سے نکل کر دوسرے ملکوں میں تشریف لے گئے وہاں کے باشندے انہیں صحابہ اور صحابہ کے بعد حضرات تابعین و تبع تابعین کے فیوض و برکات سے مستفیض ہو کر مسلمان ہوئے۔ ان جدید الاسلام قوموں میں تعلیم، مسائل اور تبلیغ احکام کی شدید ضرورت تھی، اس زمانہ میں نہ اخبارات تھے نہ رسائل۔ نہ مطابع میں دینی کتابوں کی اشاعت ہوتی تھی وعظ و تلقین اور درس و تدریس کے ذریعہ ہی احکام و مسائل کے تبلیغ ہوتی تھی۔ ان تمام ضرورتوں کے باوجود صحابہ کرام۔ حضرات تابعین اور تبع تابعین، حضرات محدثین۔ مجتہدین۔ فقہا متقدمین و متاخرین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے جمعہ یا عیدین کے خطبے عربی کے سوا کسی اور زبان میں پڑھے ہوں۔ یا اس کی ہدایت کی ہو۔ اب تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ ایک اتفاقی بات تھی جو یوں ہی بے سوچے سمجھے بطور عادت یا بطور رسم ورواج ہوتی رہی، اور شرعی اصول و مصالح کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی یا ایک سوچا سمجھا طریقہ تھا اور خاص مصلحت تھی جس کی بنا پر قصداً ایسا کیا گیا کہ جمعہ اور عیدین کے خطبے عربی میں پڑھے جاتے رہے اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ جو عمل اس طرح سلف صالحین کے ہر دور اور ہر طبقہ میں پابندی کی ساتھ ہوتا رہا ہو۔ وہ واجب الاتباع ہوتا ہے اس کو اتفاقی یا رسم ورواج کی بات کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ علماء نے زبان عربی کو بھی وہی حیثیت دی ہے جو خطبہ کے دوسرے اجزاء یعنی حمد۔ شہادتین آنحضرت ﷺ پر درود شریف اور خلفاء راشدین کے تذکرہ وغیرہ کو دی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چوں خطب آنحضرت ﷺ و خلفاء و جلم جرا ملاحظہ کردیم تنقیح آن وجود چند چیز است۔ حمد۔ شہادتین وصلوٰۃ برآنحضرت ﷺ (الی ان قال) و عربی بودن۔ نیز بجہت عمل مستمر مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آں کہ در بسیارے اقالیم مخاطبان عجمی بودند (مسوی مصفی شرح موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۵۴ کتاب الجمعۃ) یعنی آنحضرت ﷺ حضرات خلفاء راشدین۔ صحابہ کرام۔ حضرات تابعین تبع تابعین رحمہم اللہ اور اسی طرح مجتہدین محدثین وغیرہم کے خطبوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو یہ بات منقح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان خطبوں میں چند چیزیں ضرور ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی حمد۔ شہادتین۔ آنحضرت ﷺ پر درود۔ حضرات خلفاء راشدین کا تذکرہ۔ اور ان خطبوں کا عربی زبان میں ہونا۔ عربی ہونے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ باوجود یہ کہ بہت سے ممالک میں ان خطبوں کے مخاطب عجمی ہوتے تھے (جو عربی نہیں سمجھتے تھے لیکن شرق و غرب تمام ممالک اسلامیہ میں مسلمانوں کا مستمر (مسلسل اور دائمی) عمل یہی رہا کہ خطبہ عربی میں پڑھا گیا (ج ۱ ص ۱۵۴)

مختصر یہ کہ ان خطبوں کے لئے عربی زبان صرف اتفاقی امر نہیں تھا بلکہ اس کو بھی خطبہ کے دوسرے اجزاء اور شرائط کی حیثیت دی گئی۔

(۲) اس کی تعبیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عربی زبان کو ملت اسلامیہ کے لئے وہی اہمیت حاصل ہے جو کسی حکومت کی سرکاری زبان کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ اہمیت آج بھی باقی ہے اور جس طرح قرآن حکیم ملت اسلامیہ کا دستور اساسی ہے اور ہر مسلمان کی حیات ملی کا رشتہ قرآن حکیم سے جڑا ہوا ہے، قرآن حکیم کی زبان سے بھی کم از کم اتنا تعلق

ضروری ہے کہ جمعہ اور عیدین جیسے ملی اور مذہبی اجتماعات کے خطبوں میں یہ زبان استعمال کی جائے۔

(۳) بنیادی بات یہ ہے کہ خود خطبہ کی حقیقت پر غور کیا جائے۔ کیا وہ صرف وعظ وتقریر ہے یا نظر شریعت میں اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ علماء نے یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے روز چار رکعت کے بجائے صرف دو رکعتیں باقی رکھی گئیں۔ دو رکعت کی جگہ خطبہ سے پر کی گئی ہے (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۷) (۱) یعنی خطبہ نماز کا درجہ رکھتا ہے۔ پس جس طرح خطبہ میں بولنا حرام ہے۔ اسی طرح خطیب کے کلام کے لئے وہ زبان ہونی ضروری ہے جو نماز کی زبان ہے۔

(۴) قرآن حکیم نے خطبہ کو "ذکر اللہ" سے تعبیر فرمایا ہے فاسعوا الی ذکر اللہ (سورۃ الجمعۃ) قال الحافظ عماد الدین بن الکثیر فی تفسیرہ المراد من ذکر اللہ الخطبہ وقال السرخسی ولنا ان الخطبة ذکر . المبسوط ج ۲ ص ۲۶ باب صلوٰۃ الجمعہ) پس جس طرح تسمیہ۔ تعوذ۔ تسبیح۔ تحمید ثنا۔ التحیات وغیرہ ذکر اللہ ہیں اور بالاتفاق ان کے لئے عربی زبان استعمال ہوتی ہے۔ غیر عربی کا تصور بھی نہیں آتا۔ ایسے ہی خطبہ کے لئے بھی عربی زبان استعمال کرنی ہوگی۔

(۵) وقت کی پابندی کہ جمعہ کے وقت میں ہو۔ زوال سے پہلے نہ ہو۔ نماز جمعہ سے پہلے ہو۔ نماز جمعہ کے بعد خطبہ پڑھا گیا تو نماز نہ ہوگی۔ مخاطب مرد ہوں۔ صرف عورتیں ہوں تو خطبہ صحیح نہیں۔ مخاطب سن سکیں یا شور شغب کے باعث یا اس بنا پر کہ سب بہرے ہوں نہ سن سکیں تب بھی خطبہ لامحالا پڑھا جائے۔ یہ شرائط اور احکام بھی یہی واضح کرتے ہیں کہ خطبہ عبادت اور ذکر ہے اگر صرف وعظ اور لیکچر ہوتا یا وعظ ہونے کی شان غالب ہوتی تو اس طرح کے احکام اور شرائط نہ ہوتے۔ انہیں وجوہات اور اسی طرح کے تقاضوں کے پیش نظر حضرات فقہاء کرام کا فیصلہ ہے کہ خطبہ جمعہ وعیدین عربی میں ہونا چاہئے۔ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ فانه لا شک فی ان الخطبه بغیر العربیة خلاف السنة التوارثة من النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابة رضی اللہ عنهم اجمعین فیکون مکروها تحریما . عمدۃ الرعایة شرح الو قایة ج ۱ ص ۲۴۲ باب صلوٰۃ الجمعہ

یعنی اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ اس سنت کے خلاف ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد سے متواتر اور مسلسل چلی آرہی ہے۔ لہذا مکروہ تحریمی ہے۔

غیر حنفی فقیہ ومحدث امام نووی شافعی رحمہ اللہ کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں۔ یشترط کونها بالعربیة.

یعنی خطبہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عربی میں ہو (شرح احیاء العلوم للزبیدی ج ۳ ص ۲۲۶)

یہ بات کہ عربی خطبہ کے ساتھ اردو ترجمہ بھی پڑھا جائے تو پہلی قباحت تو یہ ہے کہ سنت متواترہ ومتوارثہ کے خلاف ہے لہذا مکروہ ہے)۔ نیز اس غیر دینی امر کو بھی لوگ دینی امر سمجھنے لگیں گے جو بدعت کی حقیقت ہے۔ اور ارشاد گرامی (من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) کے بموجب قابل رد اور نا قابل قبول ہے اس کے علاوہ ایک خرابی یہ ہے کہ اس صورت میں خطبہ کی طوالت لازم آتی ہے یعنی دو چند

(۱) وفی المضمرات معزیا الی اغراد وهل تقوم الخطبة مقام الرکعتین اختلف المشائخ عنهم من قال تقوم ولهذا لا تجوز الا بعد دخول الوقت الخ باب صلاۃ الجمعۃ)

وقت صرف ہوگا۔ سنت یہ ہے کہ دونوں خطبے طوال مفصل کی ایک سورت (مثلاً سورۂ قاف یا سورۂ ملک) سے زیادہ نہ ہوں۔ وتکرہ زیادتهما علی قدر سورة من طوال المفصل (درمختار باب الجمعة ص ۷۵۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے طوالت خطبہ کو زمانۂ فتنہ کی علامت اور ظالم حکمرانوں کا طریقہ بتایا ہے یطیلون الخطبة ویقصرون الصلوة (موطا امام مالکؒ ص ۶۱)

اس طرح عربی کی ساتھ ترجمہ بھی پڑھا جائے گا تو لامحالہ یہ طوالت لازم آئے گی جو مکروہ ہے۔ باقی رہی تعلیم وتبلیغ اور وعظ ونصیحت کی ضرورت تو اس کے لئے بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس کے آثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مسعود میں ملتے ہیں مثلاً۔

(۱) حدیث کی مشہور کتاب مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے ممبر کے برابر کھڑے ہوکر احادیث بیان فرماتے تھے پھر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ خطبہ ارشاد فرماتے تھے (ج ۱ ص ۱۰۸) اور (ج ۳ ص ۵۵)

(۲) حضرت ابوالضراریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن بسرؓ جمعہ کے دن پہلے وعظ فرماتے تھے، جب خطیب خطبہ کے لئے تشریف لاتے تو وہ وعظ بند کرتے تھے (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۸۸)

(۳) حضرت تمیم داریؓ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں خطبہ سے پہلے وعظ فرماتے تھے (مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۴۹ اقامة الحجة ص ۵. موضوعات کبیر ملا علی قاریؒ ص ۱۴. اصابه فی تذکرة الصحابةؓ ج ۱ ص ۱۸۴)

آپ کے امام صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ اردو خطبہ کے رواج کو چھوڑ کر خالص عربی خطبہ کو رائج کیا۔ یہ گویا ایک سنت کا احیاء ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ مردہ سنت کو زندہ کرنے والا سو ۱۰۰ شہیدوں کے ثواب کا حق دار ہے اور جنت میں حضور ﷺ کا ساتھی ہوگا۔ (مشکوۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) رضا خانی حضرات کو سزاوار نہیں کہ ایسے نیک کام میں آڑے بنیں اور جس سنت کو زندہ کیا گیا ہے اس کو (معاذ اللہ) دوبارہ دفنانے کی کوشش کریں۔ ان کے مسلم مذہبی رہنما (رضا خانی علماء) بھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کو خلاف سنت متوارثہ اور مکروہ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو مولانا احمد رضا خاں صاحب کا فتویٰ۔

(سوال) خطبۂ جمعہ عربی با ترجمۂ اردو پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) (۱) خطبہ میں عربی کے سوا اور زبان ملانا مکروہ خلاف سنت ہے (فتاویٰ افریقی ص ۱۳۵ السنۃ الانیقہ ص ۳۴ وص ۳۵ واحکام شریعت ج ۲ ص ۳۱)

دوسرا فتویٰ (۲) دونوں صورتیں خلاف سنت ہیں۔ غیر عربی کا خطبہ میں ملانا ترک سنت متوارثہ ہے۔ (احکام شریعت ج ۲ ص ۹۷)

رضا خانی جماعت کے پیشوا مولوی ابوالاعلیٰ امجد علی صاحب کا فتویٰ بھی درج ذیل ہے:۔

(۳) غیر عربی میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ دوسری زبان خطبہ میں خلط کرنا (ملانا) خلاف سنت متوارثہ ہے۔ (بہار شریعت ج ۴ ص ۹۵) فقط واللہ اعلم۔

خطبہ پڑھنے کا طریقہ:

(سوال ۱۲۶) ہمارے گاؤں میں امام خطبہ کے وقت داہنے بائیں منہ پھیرتے ہیں اور خطاب کرتے ہیں جیسے واعظ دونوں جانب منہ پھیر کر بولتا ہے اور طرز بھی واعظ اور مقرر کی طرح ہے فقط ہاتھ نہیں ہلاتے تو کیا اس میں شرعاً کچھ حرج ہے؟

(الجواب) حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب خطبہ دیتے تو چشم مبارک سرخ ہو جاتی آواز بلند اور طرز کلام میں شدت آجاتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی لشکر حملہ کرنے والا ہے اور آپ مخاطبین کو اس خطرہ عظیم سے آگاہ فرما رہے ہیں (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۸۴ کتاب الجمعۃ) پر جوش مقرروں کی طرح آپ ہاتھ تو نہیں پھیلاتے تھے البتہ سمجھانے یا آگاہ کرنے کے موقع پر انگشت شہادت سے اشارہ فرمایا کرتے تھے۔[1] لہٰذا اگر عالم خطیب حسب موقع حاضرین کو خطاب کرے اور ترغیبی مضمون کو ترغیب اور ترہیبی مضمون کو تنبیہ اور ترہیب کے انداز میں پڑھے تو جائز اور مسنون ہے لیکن دائیں بائیں رخ پھیرنا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں "بدائع" وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ کے وقت قبلہ پشت ہو کر اور لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے رہتے تھے (ج ۱ ص ۲۶۲)[2] اس لئے علامہ ابن حجرؒ وغیرہ محققین دائیں بائیں رخ کرنے کو بدعت کہتے ہیں (شامی ج ۱ ص ۷۵۹) ہاں رخ سامنے رکھ کر دائیں بائیں نظر کرنے میں حرج نہیں ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۷۵۹)[3] نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ ترغیب و ترہیب کے مضامین وہی شخص صحیح انداز میں ادا کر سکتا ہے جو معنی اور مضمون سے واقف ہو۔ ناواقف شخص ایسی غلطی کر سکتا ہے جو واقف کی نظر میں مضحکہ انگیز ہو۔ لہٰذا خطبہ میں جو بھی انداز اختیار کیا جائے وہ سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ سے پہلے احکام دین کا بیان اور وعظ:

(سوال ۱۲۷) دور حاضر کے مسلمانوں کی حالت بہت نازل ہوتی جارہی ہے احکام دین اور مذہبی تعلیم سے ناواقفیت کی بنا پر لادینی کا زہر قاتل ایمان و عقائد کو تباہ برباد کر رہا ہے۔ دیہات کی حالت تو خدا کی پناہ مہینوں بلکہ سال بھر وعظ سننا نصیب نہیں ہوتا، جمعہ کی دن نماز کے بعد لوگ ٹھہرتے نہیں اگر خطبہ سے پہلے دس، پندرہ منٹ احکام دین بیان کئے جائیں تو حاضرین بہت کچھ سیکھ سکیں گے لیکن بعض حضرات اس کو بدعت اور ناجائز بتاتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں کہ حدیث میں جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے حلقے بنانے کی ممانعت وارد ہے اور بعض حضرات اس کو نفل نماز اور تلاوت وغیرہ میں خلل سمجھ کر مخالفت کرتے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ عقدہ کا حل فرمائیں۔

(الجواب) نمازی حضرات اگر رضامند ہوں تو اذان ثانی (یعنی خطبہ کی اذان) سے پہلے ضروری مسائل اور دینی

---

(۱) عن عمارة بن رويبة أنه رأى بشر بن مروان على المنبر رافعا يديه فقال قبح الله هاتين اليدين لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يزيد على ان يقول بيده هكذا واشار باصبعه المسبحة رواه مسلم مشكوة باب الخطبة والصلوة ص ۱۲۳

(۲) ومنها ان يستقبل القوم بوجهه ويستدبر القبلة لأن النبي صلى الله عليه وسلم هكذا خطب صلاة الجمعة)

(۳) تنبيه ما يفعله بعض الخطباء من تحويل الوجه جهة اليمين وجهة اليسار عند الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم في الخطبة الثانية لم من ذكره والظاهر انه بدعة ينبغي تركه لئلا يتوهم انه سنة ثم رأيت في المنهاج ح النووي قال ولا يلتفت يمينا وشمالا في شئ منها قال ابن حجر في شرحه لأن ذلك بدعة ويؤخذ ذلك عندنا من قول البدائع ومن السنة ان يستقبل الناس بوجهه ويستدبرا القبلة لان النبي صلى الله عليه وسلم كان يخطب هكذا باب الجمعة)

احکام مختصراً بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جائز ہے بلکہ مستحب ہے، صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے بدعت نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر کے قریب کھڑے ہو کر احادیث بیان فرمایا کرتے تھے اس کے بعد سیدنا عمر بن الخطاب الفاروق الاعظم رضی اللہ عنہ خطبہ فرماتے تھے۔ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۰۸ اسی طرح دوسرے حضرات صحابہ کے متعلق بھی روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت تمیم داریؓ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہما) کے دور خلافت میں خطبہ سے پہلے بیان فرمایا کرتے تھے (مسند امام احمدؒ ج ۱ ص ۴۴۹۔ اقامۃ الحجہ ص ۵) بلا شبہ جمعہ سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے کی ممانعت احادیث میں وارد ہوئی ہے لیکن وہ حکم ہر مجلس کے لئے نہیں اور نہ اس سے اس طرح کے بیان کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے، جس میں مسائل اور احکام بیان کئے جائیں۔ حضرت امام غزالیؒ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عالم ربانی انعامات اور قہمات ربانی بیان کرے اور دین خدا وندی کی باتیں سمجھائے اور جامع مسجد میں صبح کے وقت (نماز جمعہ سے پہلے) وعظ کہے تو وہاں بیٹھے اور سنے۔ اس میں یہ فائدہ بھی ہوگا کہ جامع مسجد میں اول وقت پہنچ جائے گا اور دین کی باتیں بھی سن لے گا جو آخرت کے لئے کارآمد ہوں گی۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایسے علم کا سننا نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ علمی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت نوافل پڑھنے سے افضل ہے (احیاء العلومؒ ج ۱ ص ۱۰۷ ترتیب درجات الاعتقاد)

مذکورہ بالا تفصیل اور عمل صحابہؓ سے ثابت ہوا کہ جمعہ کے دن حلقہ بنا کر بیٹھنے کی مطلق ممانعت نہیں ہے بلکہ ایسا حلقہ منع ہے۔ جس میں قصے کہانیاں اور دنیا کی باتیں ہوں یا جس سے خطبہ اور نماز کے اہتمام و اجتماع اور خطبہ سننے کے شوق و ذوق میں خلل پڑتا ہو۔ لیکن ایسا مختصر بیان جس میں مسائل اور احکام یا فضائل اعمال بیان کئے جائیں نہ خلاف سنت ہے نہ ممنوع۔ علامہ زبیدیؒ (شارح احیاء العلوم) جمعہ کے دن قبل الزوال دینی مجلس کا مشورہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ سامعین کے احوال کی تبدیلی سے وقت میں تبدیلی بھی ہو سکتی ہے۔ علامہ موصوف نے ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے حضرت سائبؓ حضرت عبداللہ بن بسرؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ قبل الجمعہ دینی مجلس کو جائز فرماتے تھے (شرح احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۷۷) ترتیب درجات الاعتقاد

بہر حال خطبہ سے پہلے بیان کرنا بدون حرج کے جائز ہے مگر اس کو لازم قرار نہ دیا جائے کبھی کبھی ترک بھی کر دینا چاہئے، تا کہ لوگ ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ بیان مختصر ہو۔ اور ایسے وقت ختم کر دیا جائے کہ خطبہ کی اذان (ممبری اذان) سے پہلے چار سنتیں پڑھی جا سکیں۔ پھر خطبۂ جمعہ بھی مختصر ہونا چاہئے تا کہ لوگ اکتا نہ جائیں اور سنت بھی یہی ہے کہ خطبہ مختصر ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ خطیب اور مقرر دونوں الگ ہوں۔ جو حضرات خطبہ سے پہلے نوافل تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں ان کو اس تجویز اور طریقہ سے مخالفت نہ کرنی چاہئے۔ دینی احکام جاننے اور سیکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فقہ کی مجلس میں شامل ہونا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ذرؓ سے فرمایا کہ تم کسی جگہ جا کر ایک دینی مسئلہ سیکھ لو (پھر اس پر عمل ہو سکے یا نہ ہو سکے) یہ تمہارے لئے ایک ہزار رکعت نوافل پڑھنے سے افضل ہے (ابن ماجہ ص ۲۰ باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ) (مطلب یہ ہے کہ یہ سیکھنا خود اتنی بڑی عبادت ہے) حضرت ابو ذرؓ سے یہ بھی

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ علم دین کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعات نفل، ہزار بیماروں کی عیادت اور ہزار جنازوں کی شرکت کے ثواب سے افضل ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ تلاوت قرآن سے بھی۔ فرمایا۔ قرآن علم کے بغیر کب مفید ہوسکتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رات کے تھوڑے سے حصہ میں دین کی باتیں سیکھنا سکھانا تمام رات کی عبادت سے افضل ہے (مشکوٰۃ ص ۳۶ کتاب العلم) فتاویٰ سراجیہ میں حدیث بیان کی گئی ہے کہ دین کی باتیں سیکھنے میں ایک دن گذارنا خدا کے نزدیک دس ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے ویوم فی طلب العلم افضل عند الله تعالیٰ من عبادة عشرة الاف سنة (فتاویٰ سراجیه ص ۱۵۸)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ علم میں تدبر و تفکر کرنا پانچ ہزار مرتبہ "قل ھو اللہ احد" پڑھنے سے بہتر ہے۔ وعن ابن مقاتل النظر فی العلم افضل من قراة قل هو الله احد خمسة الاف مرة . كذا فی التتار خانية .

اگر یہ طریقہ جاری ہوجائے تو ان کی بھی تشفی ہوسکتی ہے جو اردو میں خطبہ کا مطالبہ کرتے ہیں یا عربی کے بیچ میں اردو، کا خطبہ یا نظم وغیرہ پڑھتے ہیں جو لامحالہ بدعت اور مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کی بابت مزید وضاحت:

(سوال ۱۲۸) یہاں دیا و ارضلع بھڑوچ میں مولوی لکھنوی صاحب سے خطبہ کی بابت سوال کیا گیا اس کا جو جواب انہوں نے دیا وہ ارسال خدمت ہے آیا یہ جواب صحیح ہے؟ یہاں اس بارے میں کافی اختلاف ہو رہا ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں خطبہ عربی اور اردو دونوں خطبوں کے بیچ میں پڑھا جاتا تھا اب ہمارے یہاں عربی پڑھا جاتا ہے تو سامعین کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو خطبہ کے درمیان میں اردو پڑھنا جائز ہے یا نا جائز؟ اس کا جواب معتبر کتابوں کے حوالہ سے دیں؟

(الجواب) عربی خطبہ کے درمیان اردو وغیرہ سامعین کی زبان میں پڑھنا امام اعظم صاحبؒ کے نزدیک درست ہے دیکھو نور الایضاح میں امام اعظمؒ ضروری فرماتے ہیں کہ سامعین کی زبان میں ہو خطبہ مثل وعظ ہے خلاف سنت ہے مگر جائز ہے اور اس زمانہ میں احکام بتانا ضروری سمجھا گیا ہے لہذا اردو میں پڑھنا چاہئے۔ احقر العباد سید محمد عزیز حسن عفی عنہ۔

(الجواب) خطبہ جمعہ در حقیقت ذکر اللہ اور عبادت ہے اور عبادت مذہبی اور سرکاری زبان میں ہونا ضروری ہے اور ہماری سرکاری اور مذہبی زبان عربی ہے لہذا خطبہ عربی زبان میں ہونا چاہئے۔ خطبہ ذکر اللہ اور عبادت ہے اس کی دلیل ارشاد خداوندی ہے فاسعوا الی ذکر الله (سورۂ جمعہ) اور تفسیر ابن کثیر میں ہے فان المراد من ذكر الله الخطبة یعنی آیت کریمہ میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے اور فقہا فرماتے ہیں کہ ولنا ان الخطبة ذكر (المبسوط ج ۲ ص ۲۶ باب صلاة الجمعة) یعنی ہماری دلیل یہ ہے کہ خطبہ ذکر ہے اور بہت سے فقہا نے اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ جمعہ ظہر کی دو رکعت کا عوض ہے (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۷ باب صلاة الجمعة تحت قوله والخطبة قبلها) اور امام نوویؒ نے "کتاب الاذکار" میں تحریر فرمایا کہ ويشترط كونها بالعربية یعنی خطبہ عربی میں ہونا ضروری ہے (شرح احیاء العلوم زبیدیؒ ج ۳ ص ۲۲۶) اسی بنا پر صحابہ کرامؓ ایران، روم، حبش وغیرہ ممالک میں وہاں کی

زبان جاننے کے باوجود خطبہ عربی میں پڑھتے رہے وہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا کثرت سے نو مسلم تھے اور وہ لوگ دور حاضر کے لوگوں کی بہ نسبت تعلیم و تبلیغ کے زیادہ حاجت مند تھے، کیونکہ اس زمانہ میں نہ اخبارات و رسائل تھے نہ مطابع اور چھاپے خانے تھے۔ نشر و اشاعت کا طریقہ وعظ اور خطبہ ہی تھا اس کے باوجود سامعین کی زبان میں ایک بار بھی خطبہ نہیں پڑھا گیا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ خطبہ خاص عربی زبان میں ہونا ضروری ہے کیونکہ مشرق سے مغرب تک سب مسلمان ہمیشہ عربی میں خطبہ پڑھتے رہے ہیں باوجود یہ کہ سامعین عجمی ہوتے تھے جو عربی زبان نہیں جانتے تھے (مصفٰی شرح موطا ج ۱ ص ۱۵۴)

مختصر یہ کہ قرآن حکیم کی زبان آنحضرت ﷺ اور اہل جنت کی مبارک زبان کو چھوڑ کر اردو میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ اردو کو خلط کرنا (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) سنت رسول اللہ ﷺ طریقہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین، تبع تابعین، مجتہدین محدثین اور فقہاء متقدمین و متاخرین کے مسلسل اور متفقہ طریق عمل (سنت متوارثہ) کے خلاف ہے لہذا مکروہ تحریمی اور بدعت ضلالہ ہے، عمدة الرعاية فی حل شرح الوقاية میں ہے۔ فانه لا شک فی ان الخطبة بغير العربية على خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً. یعنی بلاشبہ خطبہ غیر عربی زبان میں پڑھنا نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کی سنت کے خلاف ہے لہذا مکروہ تحریمی ہے (ج ۱ ص ۲۴۲ کتاب الجمعۃ)

رفع اشتباہ:

اردو میں خطبہ کا سوال عموماً اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ خطبہ کو وعظ اور تقریر سمجھ لیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے اگر خطبہ محض وعظ اور تقریر ہوتا تو اس کے لئے وہ شرطیں نہ ہوتیں جو حضرات فقہا نے تحریر فرمائی ہیں مثلاً۔

(۱) خطبۂ جمعہ جمعہ کے وقت میں یعنی بعد الزوال ہونا ضروری ہے اگر قبل الزوال خطبہ پڑھ لیا گیا تو وہ غیر معتبر ہوگا اس کا اعادہ ضروری ہوگا اگر خطبہ صرف وعظ و نصیحت ہوتا تو وہ زوال سے پہلے بلکہ خاص زوال کے وقت بھی جائز ہوتا اس کے اعادہ کا حکم نہ دیا جاتا۔

(۲) خطبہ نماز جمعہ سے قبل پڑھنا شرط ہے اگر نماز جمعہ کے بعد خطبہ پڑھا گیا تو صلوٰۃ جمعہ ادا نہ ہوگی مع خطبہ دوبارہ پڑھنی ضروری ہوگی۔ اگر خطبہ سے مقصد صرف وعظ ہوتا تو وہ بعد الصلوٰۃ پڑھنے سے بھی پورا ہوسکتا تھا۔

(۳) خطبہ کے وقت حضور رجال ضروری ہے اگر فقط عورتوں کے سامنے خطبہ پڑھا گیا تو وہ ناکافی ہوگا مردوں کے آنے کے بعد خطبہ دوبارہ پڑھنا پڑے گا۔

(۴) شور و شغب یا کسی اور وجہ سے سامعین سن نہ سکیں تب بھی خطبہ پڑھا جائے گا اور وہ خطبہ معتبر ہوگا۔

(۵) اگر حاضرین سبھی بہرے ہوں یا سب سو رہے ہوں تب بھی خطبہ پڑھنا ضروری ہے اگر اس حال میں خطبہ نہ پڑھا گیا تو نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی۔

(۶) خطبہ کے وقت سامعین سب علماء و فضلاء ہوں کوئی بھی جاہل نہ ہو تب بھی خطبہ پڑھا جائے ورنہ صلوٰۃ جمعہ صحیح نہ ہوگی۔ اگر خطبہ کا اصلی مقصد صرف وعظ و نصیحت ہی ہوتا تو حضرات علماء کے سامنے اس کی ضرورت نہیں تھی

نماز بغیر خطبہ کے درست ہوجاتی۔ اس طرح کے احکام اور شرائط سے یہی معلوم ہوا کہ خطبہ کی اصل حقیقت ذکر اللہ ہے۔ البتہ درجہ ثانیہ میں اس کا مقصد وعظ وتذکیر بھی ہے، لہذا تکبیر تحریمہ، ثنا، تعوذ، تسمیہ، تحمید، تسبیح، تشہد، درود، دعا اور دعاء قنوت کے مانند خطبہ بھی عربی میں پڑھنا چاہئے اگر خطبہ عربی سمجھ میں نہیں آتا تو نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ بھی کہاں سمجھ میں آتا ہے؟

قراءت بھی ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں؟ تو کیا ان تمام کو اردو کا جامہ پہنایا جائے؟ اس مرض کا اصل علاج یہ ہے کہ عربی اتنی سیکھ لی جائے کہ خطبہ وغیرہ کا مطلب سمجھ سکیں۔ عبادت کی صورت مسخ کرنا یہ اس کا علاج نہیں ہے۔

عربی زبان میں خطبہ کی ایک اہم مصلحت اسلامی اتحاد کی حفاظت بھی ہے۔ مسلمان دنیا کے کسی بھی گوشہ میں پہنچ جائے اس کو دوسری عبادات کے مثل خطبہ میں بھی یہ محسوس نہ ہو کہ وہ اجنبی اور غریب الوطن ہے۔ اگر ہر جگہ وہاں کی مادری اور ملکی زبان میں خطبہ پڑھا جائے گا تو ایک مسلمان کو دوسرے ملک میں عبادات کے سلسلہ میں بھی غربت و اجنبیت محسوس ہوگی وہ نہ وہاں خطبہ پڑھ سکے گا نہ اس کو سمجھ سکے گا اور اس طرح اسلامی اتحاد پارہ پارہ ہوکر رہ جائے گا۔

عربی کے ساتھ اردو ترجمہ کرنا بھی مفید نہیں ہے کیونکہ سامعین میں مختلف ممالک کے لوگ موجود ہوتے ہیں کس کی زبان میں ترجمہ کیا جائے گا؟ نیز اس طرح اردو ترجمہ کرنے میں طوالت ہوتی ہے اور خطبہ میں اس طرح طوالت خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ نور الایضاح میں ہے ویکرہ التطویل یعنی خطبہ میں طوالت مکروہ ہے (ص ۱۲۵ کتاب الجمعۃ)

حضرت امام اعظمؒ سے جو روایت ہے کہ وہ غیر عربی میں خطبہ جائز قرار دیتے ہیں اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر کوئی غیر عربی میں خطبہ پڑھ لے تو صحت جمعہ کے لئے جو شرط ہے وہ پوری ہوجائے گی اور نماز صحیح ہوجائے گی لیکن ترک سنت کی وجہ سے کراہت لازم آئے گی اس کا مطلب یہ سمجھنا کہ امام اعظمؒ نے غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنے کا حکم دیا ہے قطعاً غلط ہے۔ یہ بات ذیل کی چند مثالوں سے واضح ہوجائے گی۔

(۱) خطبہ طہارت میں پڑھنا سنت ہے لیکن اگر کوئی شخص بلا وضو بلکہ بلا غسل کے خطبہ پڑھے گا تو شرط خطبہ پوری ہوجائے گی مگر خلاف سنت اور مکروہ تحریمی۔

(۲) لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ پڑھنا سنت ہے، اگر کوئی شخص لوگوں کی طرف پشت کر کے خطبہ پڑھے تو شرط خطبہ پوری ہوجائے گی لیکن خلاف سنت اور مکروہ تحریمی۔

(۳) خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا سنت ہے لیکن اگر کوئی شخص بیٹھ کر خطبہ پڑھے تو خطبہ ہوجائے گا مگر خلاف سنت اور مکروہ تحریمی۔

(۴) خطبہ کم از کم مقدار تشہد پڑھا جائے اگر بہ نیت خطبہ فقط الحمد للہ کہہ کر بیٹھ گیا تب بھی امام اعظمؒ کے نزدیک خطبہ ہوجائے گا مگر خلاف سنت اور مکروہ۔

(۵) پورا لباس پہن کر نماز پڑھنا سنت ہے اگر کوئی شخص ناف سے گھٹنے تک لنگی یا ازار پہن کر نماز پڑھے تو ستر عورت کی شرط پوری ہوجائے گی نماز درست ہوجائے گی مگر خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی۔

مختصر یہ کہ یہ ایک قانونی بات ہے کہ ان صورتوں میں چونکہ شرط پوری ہوگئی تو خطبہ اور نماز کا فرض ساقط

ہوجائے گا لیکن اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہیں کہ معاذ اللہ امام صاحب نے حکم دیا ہے کہ بلا وضو یا حالت جنابت میں حاضرین کی طرف پشت کر کے یا کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر صرف "الحمد للہ" کی حد تک خطبہ پڑھا جائے۔ امام صاحب کی طرف ایسی بات منسوب کرنا سراسر بہتان اور امام صاحب کے تفقہ کی توہین ہے۔

خطبہ میں بدعت سے اجتناب:

مجالس الابرار میں ہے کہ عبادت میں بدعت کا درجہ اگرچہ اعتقادی بدعت کے درجہ سے کم ہے مگر اس کو عمل میں لانا معصیت اور ضلالت ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ سنت موکدہ کے خلاف ہو (مجلس ۱۸ ص ۱۲۵) حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ مکروہ کو مستحسن (مستحب) سمجھنا بڑا بھاری گناہ ہے (مکتوب ۔ ۲۸۸ ج ۱)

حضرات صحابہ کرامؓ اور بزرگان سلفؒ کا مقدس ذوق کسی بھی خلاف سنت عمل کو برداشت نہیں کر سکتا تھا خواہ وہ کام بظاہر بہت ہی معمولی ہوتا انتہا یہ کہ حضرت عمارہ ابن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے دیکھا تو بددعا دے دی کہ اللہ ان دونوں کوتاہ (چھوٹے حقیر) ہاتھوں کو خراب کرے کہ خطبہ میں ہم نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا (ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۷ باب ماجآء کراھیۃ الایدی علی المنبر)

ایک مرتبہ حضرت کعب بن عجرہؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت عبدالرحمن بن ام حکم کو بیٹھ کر خطبہ پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ دیکھو اس خبیث کو کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھتا ہے (رسائل الارکان ص ۱۱۶ فصل فی الجمعۃ)

تفسیر عزیزی میں ہے کہ ومن تھاون بالسنۃ عقب بحرمان الفرائض یعنی جس نے سنت کو ہلکا سمجھا اور اس کے ادا کرنے میں سستی کی تو اس کو فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی یعنی اس سے فرائض چھوٹنے لگیں گے اور انجام کار کبائر کا مرتکب ہوگا (تفسیر عزیزی۔ ص ۴۳۲ سورہ بقرہ) مطلب یہ ہے کہ کسی سنت کی ادائیگی میں سستی وہ مرض ہے جو متعدی ہوکر فرائض تک پہنچ جاتا ہے اور ترک سنت اگرچہ صغیرہ تھا لیکن انجام کار وہ کبیرہ بن جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین ﷺ کی حقیقی اتباع کی جائے آپ ﷺ کی سنتوں کو ادا کیا جائے اور بدعات نامرضیہ سے یکسر دور رہا جائے اگر کوئی بدعت صبح صادق کی طرح روشن نظر آئے تو وہ فریب نظر ہے کیونکہ درحقیقت بدعت میں کوئی نورانیت نہیں ہوتی نہ اس میں کسی مرض کی دوا ہے نہ کسی مریض کے لئے اس میں شفا ہے (مکتوب نمبر ۱۹ ج ۲ ص ۳۲) سید الانبیاء محبوب رب العالمین ﷺ کے ساتھ حقیقی محبت کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ ہو وہ سنت کے مطابق ہو ورنہ کم از کم آنحضرت ﷺ کے کسی قول یا کسی بھی فعل کے خلاف نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کی سنت کا مخالف عاشق رسول نہیں بلکہ دشمن رسول ہے (معاذ اللہ) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھ سے قبل کوئی نبی نہیں بھیجا کہ جس کے لئے اس کی امت میں اس کے حواری اور اصحاب نہ ہوں اور وہ اپنے نبی کی سنت پر عمل نہ کرتے ہوں اور اس کی اتباع نہ کرتے ہوں بعد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے اور ایسے افعال کے مرتکب ہوئے کہ جن کا حکم ان کو شریعت میں نہیں دیا گیا ایسے لوگوں کے ساتھ جو شخص اپنے ہاتھوں سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور اس درجہ کے بعد کسی میں رائی کے دانہ کے برابر

بھی ایمان نہیں۔(ازالۃ الخفاء عمدۃ المطابع لکھنؤ مطبع صدیقی ص۱۳۹)

خطبۂ عید سننے کا طریقہ:

(سوال ۱۲۹) نماز عید سے فارغ ہونے کے بعد لوگ آگے پیچھے ہوجاتے ہیں، خطبہ کے وقت صفیں درست نہیں رہتیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ خطبہ سننے کے لئے آگے بڑھ سکتے ہیں؟

(الجواب) نماز عید کے خطبہ کے وقت صفیں قائم رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا بہتر ہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم صفیں قائم رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے۔(بلوغ المرام ص۵۵)

خطبہ کے وقت تقریر سننا افضل ہے یا تلاوت قرآن:

(سوال ۱۳۰) خطبۂ جمعہ سے پہلے مختصر بیان ہوتا ہے یہ سننا بہتر ہے یا تلاوت کلام پاک بہتر ہے؟

(الجواب) قرآن کی تفسیر اور مطلب سے ناواقف عوام کے لئے بیان سننا اور دینی احکامات سے واقف ہونا بہتر ہے۔ تلاوت تو بعد میں بھی کی جاسکتی ہے۔ قال فی الدر المختار عظة وقرآن فاستماع العظة اولیٰ (قوله فاستماع العظة اولیٰ) الظاهر ان هذا خاص بمن لا قدرة له علی فهم الآیات القرانیة والتدبر فی معانیها الشرعیة والا تعاظ بمواعظها الحکمیة اذلا شک ان من له قدرة علی ذلک یکون استماعه اولیٰ بل اوجب بخلاف الجاهل فانه یفهم من المعلم والو اعظ ما لا یفهم من القاری فکان ذلک انفع له (درمختار مع الشامی قبیل ،باب الوتر والنوافل ص ۶۲۰ ج ا)والله اعلم بالصواب.

اذان خطبہ کے جواب دینے کا حکم:

(سوال ۱۳۱) جمعہ کے خطبہ سے پہلے منبر کے قریب خطیب کے سامنے اذان ہوتی ہے اس کا جواب دینا اور اذان کے بعد دعا پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب هو الموفق للصواب) یہ مسئلہ ہمیشہ علمائے کرام کے درمیان مختلف فیہ اور معرکۃ الاراء رہا ہے۔ بعض کے نزدیک بوجہ حدیث اذا خرج الا مام فلا صلاة ولا کلام . (ھدایہ ص۱۵۱ ج ا کتاب الجمعۃ) اجابت اذان خطبہ ممنوع و مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک حدیث اذا سمعتم النداء فقولو امثل مایقول المؤذن کے عموم میں اذان خطبہ کا جواب دینا بھی داخل ہے۔ یعنی یہ حضرات جواب دینے کے قائل ہیں۔(بخاری شریف ص۸۶ ج ا جزء ۳)

اور حدیث معاویہؓ اس کی مؤید ہے۔ عن ابی امامة بن سهل بن حنیف قال سمعت معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنهما وهو جالس علی المنبر اذن المؤذن فقال الله اکبر الله اکبر فقال معاویة رضی الله عنه الله اکبر الله اکبر فقال اشهد ان لا اله الا الله فقال معاویة وانا قال اشهد ان محمداً رسول الله(صلی الله علیه وسلم)قال معاویة وانا فلما ان قضی التاذین قال یا ایها الناس انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم علی هذا المجلس حین اذن المؤذن یقول ما سمعتم منی عن مقالتی . یعنی حضرت معاویہؓ نے منبر پر اذان خطبہ کا جو دیا اور اخیر میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو اس طرح جواب

دیتے ہوئے میں نے خود سنا ہے۔(صحیح بخاری شریف ص ۱۲۵ باب یجب الامام علی المنبر اذا سمع النداء . ج ا . جز ۴)

حدیث معاویہؓ کی وجہ سے اجابت اذان خطبہ کی اجازت کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ فلا تکره اجابة الا ذان الذی یوذن بین یدی الخطیب و قد ثبت ذلک من فعل معاویةفی صحیح البخاری (عمدة الرعایه ص ۲۴۳ ج ا کتاب الجمعة)

وقد ثبت فی صحیح البخاری ان معاویة رضی الله عنه اجاب الا ذان وهو علی المنبر وقال یآایها الناس انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم علی هذا المجلس حین اذن المؤذن یقول مثل ما سمعتم منی مقالتی فاذا ثبت الا جابة عن صاحب الشرع وصاحبه فما معنی الکراهة ۱۲ (التعلیق الممجد علی موطا محمد رحمه الله ص ۱۰۷)قلت قد ثبت اجابة الثانی عن النبی صلی الله علیه وعلی آله وسلم ومعاویه رضی الله عنه علی ما اخرجه البخاری فاین الکراهة (نفع المفتی والسائل ص ۱۰۳)

آخر میں فقیہ وقت مفتئ اعظم ہند حضرت العلام المفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ کا دقیع فیصلہ بھی سن لیجئے۔

”تاہم متاخرین حنفیہ نے بوجہ حدیث معاویہؓ اجابت اذان منبری کی اجازت دی ہے۔ لیکن نماز شروع کرنے کی بالاتفاق بین الائمہ اجازت نہیں ہے۔ اور خاکسار کے خیال میں اجابت اذان منبری کے علاوہ دیگر اذکار سے انصات اولیٰ واقدم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔(محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دھلی)(ازالۃ الاوہام عن مسائل الاحکام از افادات علامہ سید قاضی رحمت اللہ۔ محدث راندیری رحمہ اللہ ص۱۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بوقت خطبہ عصا لینا:

(سوال ۱۳۲) عید و جمعہ میں بوقت خطبہ ہاتھ میں عصا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ ”منقول نہیں“ لہٰذا اس کی تفصیل فرماویں۔

(الجواب) بوقت خطبہ عصا وغیرہ کا سہارا لینا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے۔ فقام متوکنا علی عصا اوقوس (جلد اول۔ باب الرجل یخطب علی قوس ص۱۵۶)

مدارج النبوۃ میں ہے، ودر خواندن خطبہ تکیہ بر کمان یا عصا کردے (باب دہم در انواع عبادات ج ا ص ۳۹۳) یعنی آپ ﷺ خطبہ دیتے وقت کمان یا عصا (لاٹھی) کا سہارا لیتے تھے۔

سفر السعادۃ میں ہے مسجد نبوی میں منبر بننے سے قبل بوقت خطبہ عصا یا کمان کے ذریعہ سہارا لینا آپ ﷺ سے ثابت ہے لیکن قیام منبر کے بعد بھی آنحضرت ﷺ عصا وغیرہ کا سہارا لیتے یا نہیں اس کی تصریح نہیں۔

وشمشیر ونیزہ بدست نگرفتے بلکہ اعتماد بر کمانی یا عصائے کردے بود کہ منبر ساخت اما بعد از اتخاذ منبر محفوظ نیست کہ بر چیزے اعتماد کردنی عصا ونی کمان ونہ غیر آں (شرح سفر السعادۃ فصل در خطبۂ نبویہ ﷺ ۲۰۹)

شاید اسی لئے بعض علماء عصا لینے کو مکروہ تحریر فرماتے ہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مکروہ نہیں چنانچہ سفر السعادۃ

کے شارح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رقم طراز ہیں، صحیح آنست کہ مکروہ نیست از جہت ورود سنت، یعنی اور صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں، کیونکہ حدیث سے ثابت ہے، ملاحظہ ہو شرح سفر السعادۃ ص ۲۰۳، مدارج النبوۃ ج ۱/ص ۳۹۴)

زادالمعاد میں ہے وکان اذا قام یخطب اخذ عصا فتو کأ علیھا وھو علی المنبر (ج ۱ ص ۴۸) یعنی آپ ﷺ خطبہ دینے کے لئے جب کھڑے ہوتے اس وقت عصا کا سہارا لیتے، درآنحالیکہ آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے۔

شامی میں ہے ان اخذ العصاء سنۃ کالقیام بے شک عصا کا لینا قیام (کھڑے ہونے) کی طرح سنت ہے (شامی ج ۱ ص ۷۷۲ باب الجمعۃ) ایسے ہی المدخل میں ہے وینبغی لہ ان یأخذ السیف او العصا او غیرھما بیدہ الیمنی اذانھا سنۃ (المدخل جلد دوم، فصل فی صعود الا مام علی المنبر ص ۲۶۷)

بہشتی گوہر میں ذکر کردہ مسئلہ کے متعلق حضرت تھانویؒ سے استفسار کیا گیا تو جواباً فرمایا کہ وہ روایت مرجوع ہے محیط کی روایت (یعنی سنت والی روایت) راجح ہے جو شامی میں ذکر کی گئی ہے اور فرمایا کہ فی نفسہ سنت ہے، غیر مؤکدہ اگر مؤکدہ سمجھا جائے گا تو مکروہ ہے (امداد الفتاویٰ جدید جلد اول عصا گرفتن بوقت خطبہ ص ۶۸۱ - وص ۶۸۲)

خلاصہ یہ ہے کہ بوقت خطبہ عصاء کا سہارا لینا مسنون و مستحب ہے حدیث شریف سے ثابت ہے اس پر عمل متروک نہیں ہوا البتہ اس پر مداومت بھی ثابت نہیں اس لئے گاہے گاہے عصا کے بغیر خطبہ دے دیا کرے تا کہ لوگ ضروری نہ سمجھیں، مستحب پر عمل ضروری سمجھنا اور اس پر مداومت، عصا نہ لینے والے کو برا بھلا کہنا و ملامت کرنا مکروہ ہے، البتہ جو خطیب ایسا کمزور ہو کہ عصا کا سہارا لئے بغیر کھڑے رہنا مشکل ہو تو اس عذر کے پیش نظر اس کے حق میں مکروہ بھی نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید و جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا:

(سوال ۱۳۳) جمعہ و عید کے دوسرے خطبہ میں بوقت دعائے خطیب حاضرین ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس وقت ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا ممنوع ہے وما یفعلہ الموذنون حال الخطبۃ من الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والترضی من الصحابۃ والدعاء للسلطان بالنصر ینبغی ان یکون مکروھا اتفاقا (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۸۰ باب الجمعۃ)

اس مسئلہ میں دیو بندی اور رضا خانی کا اختلاف بھی نہیں ہے، رضا خانی مولوی امجد علی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خطیب مسلمانوں کے لئے دعا کریں تو سامعین کا ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا منع ہے کہیں گے تو گنہگار ہوں گے (بہار شریعت ج ۴ ص ۱۰۰) واللہ اعلم۔

خطبۂ جمعہ میں پڑھی جانے والی حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام کے ساتھ، "رضی اللہ عنہ" کا اضافہ:

(سوال ۱۳۴) جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں حدیث شریف آتی ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارحم امتی بامتی ابو بکر ...... الخ خطبہ میں خطیب اس حدیث کے پڑھنے کے وقت حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کا جب نام آتا ہے تو ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" کہتے ہیں، ایک عالم کا کہنا ہے کہ صرف ابوبکر کہنا چاہئے رضی اللہ عنہ نہیں کہنا چاہئے، اس لئے کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا تو رضی اللہ عنہ نہیں فرمایا تھا، رضی اللہ عنہ کہنا حدیث میں اضافہ کرنا ہے، آپ سے عرض ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں صحیح کیا ہے؟ رضی اللہ عنہ کہنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ سب حضرات کا نام لے کر آخر میں رضی اللہ عنہم اجمعین یا رضوان اللہ علیہم اجمعین کہنے کا جو طریقہ جاری ہے وہ بلا تامل جائز ہے اور یہی ادب ہے، صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے اسے حدیث میں اضافہ نہیں کہا جا سکتا۔

درمختار میں ہے (ویستحب الترضی للصحابۃ) وکذا من اختلف فی نبوتہ کذی القرنین ولقمان وقیل یقال صلی اللہ علی الانبیاء وعلیہ وسلم کما فی شرح المقدمۃ للقرمانی ۔ ردالمحتار میں ہے۔ (قولہ ویستحب الترضی للصحابۃ) لانھم کانوا یبالغون فی طلب الرضی من اللہ تعالیٰ ویجتھدون فی فعل مایرضیہ ویرضون بما یلحقھم من الا بتداء من جھتہ اشدا لرضی فھولاء احق بالرضی وغیرھم لا یلحق ادنا ھم ولو انفق مل الارض ذھبا ذھبی (درمختار ورد المحتار ص ۶۵۹ ج ۵، مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبۂ جمعہ سے پہلے امام کا منبر پر چڑھ کر اردو ترجمہ سنانا کیسا ہے:

(سوال ۱۳۵) خطبۂ جمعہ سے پہلے امام صاحب منبر پر چڑھ کر اردو میں ترجمہ سناتے ہیں، پھر اذان ثانی ہوتی ہے پھر عربی میں خطبہ سناتے ہیں، تو اردو میں ترجمہ سنانا بدعت ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: جمعہ کے روز اذان ثانی سے پہلے ضروری احکام یا خطبہ کا ترجمہ مختصر طور پر بیان کر دینے میں مضائقہ نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے، بیان منبر پر نہ ہو اور بیان کرنے والا غیر خطیب ہو تو بہتر ہے تا کہ اشتباہ نہ ہو اور بیان اور اذان ثانی کے درمیان پانچ منٹ کا وقفہ ہو تا کہ جن لوگوں نے سنتیں نہیں پڑھی ہیں وہ سنت ادا کر سکیں ولا یقعد الی القصاص فی یوم الجمعۃ فقد کرہ فانہ روی فی الخبران النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن التحلق یوم الجمعۃ قبل الصلوۃ الا ان یکون عالما باللہ یذکر بامر اللہ یتفقہ فی دین اللہ یتکلم فی الجامع بالغداۃ فیجلس الیہ فیکون جامعاً بین البکور الی الجمعۃ والاستماع الی العلم (نصاب الا حتساب) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عید کی نماز دوسری مرتبہ پڑھنا:

(سوال ۱۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ میں چند لوگ عید کی نماز پڑھنے سے رہ گئے تو وہ لوگ عیدگاہ میں عید کی نماز مکرر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کسی اور جگہ پڑھیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدگاہ اور عیدگاہ کے باہر بھی جگہ نہ ہو اور لوگ نماز ادا کرنے سے رہ جائیں تو باقی ماندہ لوگ ایسی مسجد میں جہاں نماز عید نہ پڑھی گئی ہو، دوگانہ عید ادا کریں اگر ایسی جگہ نہ ہو تو ہال میں پڑھیں مگر وہاں سب کو نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہئے عیدگاہ میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے اور دوسری جماعت میں دوسرا امام ہونا ضروری ہے، جس نے پہلی مرتبہ نماز ادا کرلی ہے وہ امام نہیں بن سکتا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

کھیل کود کے میدان میں نماز پڑھنا افضل ہے یا جامع مسجد میں؟:

(سوال ۱۳۷) کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں عیدین کی نماز کے لئے کوئی خاص جگہ بستی سے باہر عیدگاہ کی طور پر بنی ہوئی نہیں ہے، بلکہ ایک کھلا میدان ہے جہاں کھیل کھیلے جاتے ہیں، ہمارے گاؤں کے باشندے کئی سالوں سے اسی میدان میں عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں، ہماری پرانی مسجد مصلیوں کے اعتبار سے بہت چھوٹی تھی، اب اللہ کے فضل سے ایک نہایت وسیع اور عالی شان مسجد بن گئی ہے، آرام وراحت کا بھی انتظام ہے، مذکورہ بالا میدان اس نئی مسجد سے قریب ہی آبادی کے اندر ہے، اب سوال یہ ہے کہ ہمارے لئے سنت طریقہ کیا ہے؟ آیا اس نئی مسجد میں عیدین کی نماز پڑھنا بہتر ہے یا مسجد چھوڑ کر اس میدان میں نماز ادا کرنا سنت وافضل ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدگاہ آبادی سے دور باہر جنگل میں ہونی چاہئے۔ثم خروجه ماشیا الی الجبانة وهی المصلی العام (درمختار) هو الذی یکون فی الصحراء افاده فی البحر (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۲۰)(شامی باب العیدین) ج ۱ ص ۷۷۶) جامع مسجد وسیع اور نمازیوں کے لئے کافی ہو تب بھی عیدگاہ جانا سنت مؤکدہ ہے۔وفی التجنیس والخروج الی الجبانة سنة لصلوة العید وان کان یسعهم المسجد الجامع عند عامة المشائخ هو الصحیح اه وفی المغرب الجبانة المصلی العام فی الصحراء الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹ باب العیدین)

آپ کے یہاں کی جامع مسجد بڑی شان دار ہے لیکن مسجد نبوی (علی صاحبہا الف الف الصلوات والتسلیمات) سے تو زیادہ شاندار اور بابرکت نہیں ہو سکتی جہاں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے، اسے چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عیدین کی نماز کے لئے جنگل تشریف لے جایا کرتے تھے۔لہذا آبادی سے باہر عیدگاہ کا انتظام ضروری ہے، جس میدان کا سوال میں ذکر ہے وہ بھی آبادی کے اندر ہے اور وہاں کھیل تماشے کے کام بھی ہوتے رہتے ہیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک عیدگاہ کا

(۱) والا مام لو صلاها مع الجماعة وفاتت بعض الناس لا تقضیها من فاتته خرج الوقت او لم یخرج هکذا فی التبیین فتاوی عالمگیری صلاة العیدین ج ۱ ص ۱۵۲ .

انتظام نہ ہو مسجد میں نماز پڑھ لیا کریں اور عیدگاہ بنانے کی فکر میں رہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں پر عید کی نماز ہے یا نہیں؟ اور وہ عیدگاہ جائیں یا نہیں؟:

(سوال ۱۳۸) عورتوں پر عیدین یا جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر وہ گھر میں پڑھ لیں تو ان کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ یا نہیں پڑھنے کی بالکل اجازت نہیں ہے؟ اور اسی طرح انہیں عید کی نماز کے لئے عیدگاہ جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرماویں فقط بینوا توجروا (از ایک خاتون بمبئی)

(الجواب) نماز جمعہ وعیدین عورتوں پر واجب نہیں، فقہ کی معتبر کتاب مالابدمنہ میں ہے، نماز جمعہ بر طفل وبندہ وزن ومسافر ومریض واجب نیست صفحہ ۵۵۔نماز عید راشرائط وجوب واداء مثل نماز جمعہ است صفحہ ۵۵۔یعنی جمعہ اور عید کی نماز بچہ، غلام، عورت، مسافر اور مریض پر واجب نہیں ہے، نیز عید کی نماز بلا جماعت تنہا تنہا پڑھنا بھی درست نہیں ہے، جماعت شرط ہے (جس طرح جمعہ میں) اور عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ جماعت زنان تنہا نزد امام ابوحنیفہ مکروہ است (مالابدمنہ ص ۳۵)۔عیدگاہ یا مساجد میں عید کی نماز ہو جانے کے بعد عورتیں اپنے گھروں میں تنہا تنہا بطور شکریہ نفل نماز پڑھ سکتی ہیں، نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا عورتوں کے لئے بھی ممنوع اور مکروہ ہے۔فقط۔

تفصیلی جواب:

عورتوں کے لئے جہاں تک ممکن ہو مخفی مقام پر اور چھپ کر نماز پڑھنے میں زیادہ فضیلت اور ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون بیت (کمرہ) میں نماز پڑھے یہ صحن کی نماز سے بہتر ہے۔اور اندرونی کوٹھری میں نماز پڑھنا کمرہ میں پڑھنے سے بہتر ہے۔عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال صلوة المرأة فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها وصلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها (ابو داؤد ج ۱ ص ۹۱ باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد)

ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کے بجائے اکیلے نماز پڑھنے میں پچیس درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے (مسند الفردوس)

بے شک آنحضور ﷺ کے دور مبارک میں خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت تھی، کیونکہ خود رحمۃ للعالمین ﷺ موجود تھے، تعلیم کا سلسلہ جاری تھا، نئے نئے احکامات نازل ہو رہے تھے، وہ دور مقدس تھا، جس کو خیر القرون فرمایا گیا ہے، بعد میں تو خرابیاں پیدا ہونے لگیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا، ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی تائید کی اور فرمایا کہ اگر آنحضور ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھتے جو حضرت عمرؓ نے دیکھی ہے تو آنحضرت ﷺ بھی عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔عن عائشة رضی اللہ عنها زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعه (وفی نسخة منعت) نساء بنی اسرائیل الخ (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۹۱ ماجاء فی خروج النساء الی المسجد-

شارح بخاری علامہ عینی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان حضور اکرم ﷺ

کی وفات کے کچھ ہی عرصہ کے بعد کا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں۔ واما الیوم فنعوذ باللہ من ذلک. لیکن اس زمانہ (یعنی ۸۵۵ھ) کا حال تو خدا کی پناہ! (عمدۃ القاری شرح بخاری بحوالہ کفایت المفتی ج۵ ص۳۹۲)۔

مذکورہ حال تو نویں صدی ہجری کا ہے، اب تو چودھویں صدی ہجری ہے تقریباً پانچ سو سال ہو چکے ہیں، ہمارے زمانہ کی عورتوں کی آزادی، بے حیائی، بے شرمی، بے غیرتی اور فتنہ کا کیا کہنا۔ کیا اس زمانہ میں جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! حضرات فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ ہے، خواہ پنج وقتہ نمازوں کے لئے جائیں یا جمعہ اور عید کی نماز کے لئے جائیں یا مجلس وعظ میں شرکت کرنے کے لئے ویکرہ حضورھن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً لیلاً علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۲۹ باب الامامۃ)

رسائل الارکان میں ہے۔ وھذا التجویز انما کان بحسب زمانھم واما الاٰن فالفتنۃ لاختلاط النساء والرجال غالبۃ لفسادٍ واھل الزمان الیٰ قولہ وما ظنک بھذا الزمان الذی ھو زمان الفتنۃ فھذا الزمان احری لسقوط الجماعۃ عنھن فھذا الزمان احریٰ بالمنع عن الخروج الی الجماعات لان الجماعۃ غیر لا زمۃ علیھن بالنص والتحرز عن الفتنۃ واجب للعمومات ولا نعقاد الاجماع علی حرمۃ الباب الحرام الخ (ص ۱۰۰ فصل فی الجماعۃ)

اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی رائے عالی بھی قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں۔ ودریں زماں مکروہ است برآمدن زناں برائے جماعت از جہت فساد زمان ونیز برآمدن زنان دراں زمان بقصد تعلیم شرائع بود، واحتیاج نیست بداں دریں زماں از جہت شیوع واشتہار احکام شریعت وتستر بحال زناں اولیٰ است۔

ترجمہ:۔ جماعت کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے کیونکہ فساد وفتنہ کا خطرہ ہے، عہد نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم کے حصول کی غرض سے تھی جو غرض اب باقی نہیں ہے، اس لئے کہ احکام شریعت آج کل عام طور پر شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ میں رہنا بہرحال اولیٰ ہے اشعۃ اللمعات ص ۲۳۳ قلمی باب الجماعۃ وفضلھا. الفصل الاول تحت حدیث عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنت امرأۃ احدکم الی المسجد فلا یمنعھا)

یہ حکم عام ہے حرم شریف ہو یا مسجد نبوی، ہندوستان ہو یا عرب سب کے لئے یہی حکم ہے، لہٰذا عورتوں کی عزت آبرو اور ایمان کی حفاظت اس میں ہے کہ عید کی نماز کے لئے بھی نہ نکلیں، ان پر عید کی نماز واجب بھی نہیں ہے (مالابد منہ ص۵۵ الی ص۵۸) فقط۔

امام عید کی دوسری رکعت میں تکبیر زائد بھول جائے تو کیا کرے؟:

(سوال ۱۳۹) اگر امام عید کی دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیر بھول جائے اور رکوع میں یاد آئے تو کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں رکوع میں بدون ہاتھ اٹھائے تکبیر کہے، تکبیر کہنے کے لئے قیام کی طرف عود نہ کرے۔

درمختار میں ہے کما لورکع الامام قبل ان یکبر فان الامام یکبر فی الرکوع ولا یعود الی القیام لیکبر (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۸۲ باب العیدین)

نوٹ:

اس صورت میں قاعدہ سے تو سجدۂ سہو لازم ہے لیکن نماز عیدین میں کثرت ازدحام کی وجہ سے خلفشار ہو جانے کا اندیشہ ہے، بناءً علیہ سجدۂ سہو معاف ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک ہی جگہ مجبوری کی وجہ سے عید کی نماز دو مرتبہ پڑھنا اور امام کے لئے چندہ کرنا:

(سوال ۱۴۰) یہاں انگلینڈ میں بڑا ہال نماز کے لئے نہیں ملتا، جس بنا پر چھوٹے ہال میں نماز عید پڑھی جاتی ہے، اس میں پہلی بار مقامی امام نماز پڑھاتے ہیں، لیکن نمازی زیادہ ہونے کی بنا پر اسی ہال میں عید کی نماز مکرر باجماعت ہوتی ہے دوسری بار بھی اس قدر نمازی ہوتے ہیں، نماز عید کے بعد امام عید کے لئے چندہ کا اعلان کیا جاتا ہے اور ہر شخص اپنی حیثیت کے موافق چندہ دیتا ہے اور بعد میں وہ رقم امام کو بطور ہدیہ پیش کی جاتی ہے، تو ایک ہی جگہ دو مرتبہ مجبوری کی وجہ سے عید کی نماز پڑھنا اور چندہ کر کے امام صاحب کو ہدیہ دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدگاہ نہ ہو اور مسجد میں بھی گنجائش نہ ہو تو جنگل میں کوئی میدان تجویز کر لیا جائے اور وہاں نماز عید ادا کی جائے، اگر ایسا میدان میسر نہ ہو تو شہر میں کسی محفوظ میدان میں یا بڑے ہال یا بڑے مکان میں نماز عید پڑھی جائے، ایک ہال یا ایک مکان کافی نہ ہو تو باقی نمازیوں کے لئے دوسری جگہ نماز کے لئے تجویز کر دی جائے، بلا عذر شرعی اور بلا مجبوری کے ایک ہی جگہ دوبارہ سہ بارہ جماعت نہ کی جائے، باوجود سعی وکوشش کے دوسری جگہ میسر نہ ہو سکے اور نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دوبارہ نماز عید ایسی جگہ پڑھی جاسکتی ہے مگر امام دوسرا ہونا ضروری ہے، پہلا امام دوسری جماعت کا امام نہیں بن سکتا امام عید کے لئے اعلان کر کے چندہ کرنا غلط ہے، جس کو جس قدر گنجائش ہو اپنی خوشی سے بطور ہدیہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کے دن فجر کی نماز نہ پڑھی تو

(سوال ۱۴۱) جس نے عید کے دن (معاذ اللہ) فجر کی نماز نہیں پڑھی وہ عید کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے وہ عید کی نماز پڑھ سکتا ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کی نماز سے پہلے حاضرین کا آواز ملا کر زور سے تکبیر وغیرہ پڑھنا:

(سوال ۱۴۲) ہمارے یہاں دستور بن چکا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے ایک دو آدمی منبر کے پاس کھڑے ہو کر زور زور سے تکبیر پڑھتے ہیں اس کے بعد حاضرین آواز ملا کر جواب دیتے ہیں، اس طرح الصلوۃ عید الفطر بارک اللہ لنا ولکم والصلوۃ والسلام پڑھا جاتا ہے، مقصد اصلی یہ ہے کہ لوگ آجاویں کسی کی نماز نہ جائے تو اس میں کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ارشاد خداوندی ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ. یعنی تمہارے لئے رسول خدا کی ذات میں بہترین نمونہ ہے اور آنحضور ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین الخ . یعنی (میرے بعد والے اختلافات دیکھیں گے) اس وقت تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اختیار کرنا اور لازم پکڑنا، اور بدعت و نئے طریقوں سے بچتے رہنا کہ (میرے اور خلفائے راشدین کی موافقت کے بغیر) ہر نو ایجاد طریقہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۷ باب لزوم السنۃ)

صورت مسئولہ یعنی عیدگاہ میں باآواز بلند اجتماعی طور پر تکبیر کا التزام ایک رسم ہے آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین وغیرہم صحابۂ کرام وران کے پیرو تابعین اوران کے فرمانبردار تبع تابعین اوران کے نقش قدم پر چلنے والے ائمہ مجتہدین ومشائخ اور فقہائے کرام سے ثابت نہیں ہے، پس شرعی ثبوت کے بغیر دین وشریعت میں خود ایجاد کردہ یہ عمل رد اور باطل ہے۔

دین کسی کے تابع نہیں سب اس کے تابع ہیں کسی کو دین میں کمی بیشی کا حق نہیں، جس طرح منقول اور ثابت ہو اسی طرح عمل کرنا ضروری ہے۔

دیکھئے! جمعہ کے دن منارہ پر اذان ہوتی ہے مگر عید کے دن نہیں ہوتی، کہ منقول نہیں ہے، جمعہ کے خطبہ کے وقت اذان ہوتی ہے، عید کے خطبہ کے لئے اذان نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ ثابت نہیں ہے، جمعہ کی نماز کے لئے اقامت ہوتی ہے مگر عید کی نماز کے لئے اقامت نہیں ہوتی کہ منقول نہیں ہے۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے مبارک زمانہ میں عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے حضرت علیؓ نے ایک شخص کو نفل پڑھنے سے روکا، اس نے کہا یہ (نماز نفل) عذاب کا کام تو نہیں (پھر کیوں منع کرتے ہو) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جس کام کے لئے حضور ﷺ نے امر نہ فرمایا ہو اور نہ اس کی ترغیب دی ہو وہ اجر وثواب کا کام نہیں ہے، لہٰذا یہ نماز عبث ہے اور (دین میں) فعل عبث حرام ہے اور ڈر ہے کہ آنحضور (ﷺ) کی سنت کی خلاف ورزی پر خدائے پاک تجھے عذاب دے (مجالس الابرار ص ۱۲۹ مجلس نمبر ۱۸)

اسی لئے حضرت پیران پیر غوث اعظم رحمہ اللہ کا فرمان ہے۔ اتبعوا ولا تبتدعوا واطیعوا ولا تمرقوا . یعنی رسول خدا ﷺ کی اتباع کرو اور دین میں بدعت ایجاد نہ کرو، اطاعت کرو اور نافرمانی نہ کرو (فتوح الغیب ص ۱۰ مقالہ نمبر ۲) اور فرماتے ہیں لیس الشرک عبادۃ الا صنام فحسب بل ھو متابعتک لھواک ، یعنی شرک صرف بت پرستی نہیں ہے بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرے (فتح ربانی ص ۱۷۸ مجلس نمبر ۲۵)

اور حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ قال ما ازداد صاحب بدعۃ اجتھاداً الا ازداد من اللہ عزوجل بعداً، یعنی بدعتی جس قدر جد وجہد زیادہ کرتا ہے اسی قدر اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ (تلبیس ابلیس ص ۱۴)

لہٰذا آپ کے یہاں جو رسم ہے وہ غلط اور خلاف سنت ہے جو واجب الترک ہے مجالس الابرار میں اس تکبیر کے بارے میں تفصیل ہے کہ عید الفطر میں عیدگاہ آتے جاتے راستہ میں تکبیر آہستہ آہستہ کہے اگر عوام لاعلمی کی وجہ سے

کچھ زور سے کہیں تو خیر (حرج نہیں) مگر سب مجتمع ہوکر بلند آواز کے ساتھ کہیں تو حرام ہے، بلکہ تنہا تنہا تکبیر کہیں اور جب عیدگاہ پہنچیں تو تکبیر بند کردیں (خود آہستہ آہستہ کہیں تو گنجائش ہے) لکن لا علیٰ ھیئۃ الاجتماع . الیٰ قولہ . فان ذلک کلہ حرام . یعنی لیکن سب مجتمع ہوکر آواز سے راگ کی رعایت کرکے نہ پڑھیں کہ یہ حرام ہے (مجالس الابرار ص ۲۱۳ مجلس نمبر ۳۲)

نماز کا وقت مقرر کردیا جائے اور کچھ مہلت دی جائے، اور حاضرین پوری خاموشی کے ساتھ ذکر اللہ میں مشغول رہیں، یا کسی عالم سے بیان کرایا جائے تاکہ انتظار میں زحمت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تکبیر قبل از خطبۂ عیدین:

(استفتاء ۱۴۳) عیدین کے خطبہ کے شروع میں خطیب کو کتنی تکبیر پڑھنا چاہئے اور اس کا کیا ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔ از راندیر۔

(الجواب) خطبۂ اولیٰ کے شروع میں نوبار تکبیر (اللہ اکبر، اللہ اکبر۲ اللہ اکبر۳، اللہ اکبر۴، اللہ اکبر۵، اللہ اکبر۶، اللہ اکبر ۷، اللہ اکبر۸، اللہ اکبر۹، لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد) آہستہ پڑھنا مستحب ہے، اسی طرح خطبۂ ثانیہ میں سات بار اور خطبۂ ثانیہ کے آخر میں چودہ بار آہستہ آہستہ تکبیر کہنا مستحن ہے۔ ویبدء بالتکبیر فی خطبۃ العیدین ویستحب ان یستفتح اولیٰ بتسع تکبیرات تتریٰ ای متتابعات والثانیۃ بسبع ھو السنۃ وان یکبر قبل نزولہ من المنبر اربع عشرۃ یعنی مستحب یہ ہے کہ پہلے خطبہ کو نوبار اللہ اکبر پے در پے کہنے کے بعد شروع کرے اور دوسرے خطبہ کو سات بار اللہ اکبر کہنے کے بعد شروع کرے اور ثانی خطبہ ختم کرنے کے بعد منبر سے اترنے سے پہلے چودہ بار بطریق مذکورہ تکبیر کہے (تنویر الابصار، درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۷۸۳ باب العیدین) مراقی الفلاح میں ہے۔ ویبدأ بالتکبیر فی خطبۃ العیدین ویستحب ان یستفتح الاولیٰ بتسع تتریٰ والثانیۃ بسبع قال عبداللہ بن مسعود وھو السنۃ (مراقی الفلاح ص ۱۰۷) (قولہ تتریٰ) ای متتابعات ویکبر قبل النزول اربعۃ عشر کذا فی الشرح (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۱۱ ایضاً). واللہ اعلم بالصواب.

عیدین کا وقت:

(سوال ۱۴۴) عیدین کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے، طلوع آفتاب کے چوبیس منٹ کے بعد نماز پڑھی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدین کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد تقریباً پندرہ منٹ پر شروع ہوتا ہے، لیکن چونکہ عید کا دن ہے، لوگوں کو مسنون طریقہ سے تیار ہونا ہے، غسل، اچھے کپڑے اور خوشبو کا اہتمام کرنا ہے اور عید الفطر میں صدقۂ فطر بھی ادا کرنا ہے اور اطراف سے بھی لوگ نماز کے لئے شہر میں آتے ہیں اس لئے نماز کا وقت اس طرح مقرر کیا جائے کہ لوگ آسکیں، اس قدر عجلت کرنا کہ لوگ نماز سے رہ جائیں مناسب نہیں، بلاوجہ شرعی بہت تاخیر کرنا بھی کراہت سے خالی نہیں، ہاں اگر کوئی عذر ہو تو لوگوں میں اعلان کرکے اول وقت میں پڑھ سکتے ہیں جب کہ لوگوں کے نماز سے رہ

جانے کا ڈر نہ ہو(وابتداء وقت صحة صلوة العيد من ارتفاع الشمس قدررمح او رمحين حتى تبيض)لانه صلى الله عليه وسلم كان يصلى العيد حين ترتفع الشمس قدر رمح او رمحين فلو صلوا قبل ذلک لا تكون صلوةً بل نفلاً محرماً (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۰۹ باب العیدین)فقط والله اعلم بالصواب . ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ۔

محلّہ کی مسجد میں عذر شرعی کی وجہ سے عید کی نماز پڑھنا:

(سوال ۱۴۵)نوساری شہر کی عیدگاہ کے منتظمین نے یہ اعلان کیا کہ امسال بارش کی وجہ سے عیدگاہ میں عید کی نماز نہیں ہوگی اور شہر کی جامع مسجد ناکافی ہے، اس لئے ہم اپنے محلّہ کی ''زکریا مسجد'' میں نماز عید پڑھنا چاہتے ہیں، آج تک اس مسجد میں ہم نے نہ جمعہ کی نماز پڑھی ہے نہ عید کی نماز، اس وقت ہم عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)اس صورت میں محلّہ کی ''زکریا مسجد'' میں نماز عید پڑھ سکتے ہیں بلاحرج جائز ہے، ہاں بلاعذر شرعی نماز جمعہ و عید پڑھنا غلط ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں کا مسجد وعیدگاہ میں جانا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۴۶)کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:۔

غیر مقلدین حضرات اور بعض آزاد خیال افراد اس پر مصر ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لئے مسجد اور عیدگاہ جانے سے روکنا جائز نہیں ہے، ان کو عیدگاہ میں نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے، روکنے والے گنہگار ہیں، حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی اور مردوں کو یہ حکم تھا کہ عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو ان کو روکا نہ جائے اور عیدگاہ میں تو جانے کا صراحۃً امر اور حکم تھا حتی کہ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہوتی تو یہ حکم تھا کہ اس کی سہیلی اس کو اپنی چادر میں چھپالے اور ایک چادر میں دونوں جائیں، جب حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اس طرح تاکیدی حکم تھا تو اب کسی کو حق نہیں ہے کہ عورتوں کو مسجد وعیدگاہ کی حاضری سے روکے اور اس کو ناجائز کہے اور اپنے استدلال میں یہ احادیث پیش کرتے ہیں:

(۱)لاتمنعوا النساء حظوظهن من المساجد اذا استاذنكم (مشكوة شريف ص ۹۷ باب الجماعة وفضلها)یعنی عورتوں کو مساجد کی حاضری کے حق سے نہ روکو جب وہ اجازت مانگیں۔

(۲)اذا استاذنت امرأة احدكم الى المسجد فلا يمنعها. تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اس کو نہ روکے۔(بخاری ومسلم شریف مشکوٰۃ شریف ص۹۶ باب الجماعۃ)

(۳)حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے (ایک مرتبہ) فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے نہ روکے تو ان کے ایک صاحبزادے (حضرت بلالؓ) نے فرمایا ہم تو ضرور روکیں گے، یہ سن کر حضرت ابن عمرؓ غضبناک ہوگئے اور فرمایا میں حدیث بیان کرتا ہوں اور تو یہ (جملہ) کہتا ہے۔راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد وفات تک ان سے بات نہیں کی۔ عن مجاهد عن عبدالله ابن عمرؓ ان النبى صلى الله عليه وسلم

قال لا يمنعن رجل اهله ان يا توا المساجد فقال ابن لعبدالله فانا نمنعهن. فقال عبدالله بن عمر رضى الله عنه احدثك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقول هذا فما كلمه حتى مات رواه احمد(مشكوة شريف ص ۹۷ باب الجماعۃ

اورعیدگاہ جانے کے لئے یہ روایت پیش کرتے ہیں:۔(۱) عن ام عطية قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اخرجوا العواتق وذوات الخدور ليشهدن العيد و دعوة المسلمين وليجتنبن الحيض مصلى الناس (۲) عن ام عطية رضى الله عنها قالت امرنا ان نخرج الحيض يوم العيد من ذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم تعتزل الحيض عن مصلاهن قالت امرأة يا رسول الله احدانا ليس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها من جلبابها متفق عليه(مشكوة شريف ص ۱۲۵ ۔۱۲۶ باب العیدین)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔فرمایا کہ ہم کو حکم کیا گیا کہ ہم حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو عیدین کے دن نکالیں کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں حاضر ہوں اور حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ! (ﷺ) ہم میں سے بعضوں کے پاس چادر نہیں ہوتی (تو کیا کرے؟) آپ نے فرمایا کہ اس کی سہیلی اس کو اپنی چادر میں چھپالے(مشکوٰۃ شریف ص۱۲۵)

اب آپ سے درخواست ہے کہ اس پرفتن زمانہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر عورتوں کی مسجد میں حاضری ناجائز ہے تو ان روایات کا کیا جواب ہے؟ مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔بینوا بالدلیل وتوجروا عند الکریم۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً وباللہ التوفیق۔اس پرفتن زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں وعیدگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں، بے شک فقہاء کرام رحمہم اللہ اس کا انکار نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں عورتیں نماز پنجگانہ اور عیدین کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں، لیکن وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، فتنوں سے محفوظ تھا، حضور اکرم ﷺ بہ نفس نفیس موجود تھے، وحی کا نزول ہوتا تھا، نئے نئے احکام آتے تھے، نئے مسلمان تھے، نماز، روزے وغیرہ کے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی، اور سب سے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوتا تھا، حضور اکرم ﷺ خواب کی تعبیر بیان فرماتے اور عجیب وغریب علوم کا انکشاف فرماتے اس لئے ان کو حاضری کی اجازت تھی۔لیکن یہ کہنا کہ مردوں کی طرح ان کو حاضری کا تاکیدی حکم تھا، یہ صحیح نہیں۔عورتوں کے لئے مردوں کی طرح جماعت ضروری نہیں تھی، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے عن النبى صلى الله عليه وسلم قال لو لا ما فى البيوت من النساء والذرية اقمت صلوة العشاء وامرت فتيانى يحرقون ما فى البيوت بالنار. یعنی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشاء قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم کرتا کہ (جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ان کے) گھروں میں آگ لگادیں (مشکوٰۃ شریف ص۹۶ باب الجماعۃ وفضلہا) یہ سزا اور وعید آنحضور ﷺ ان لوگوں کے لئے تجویز فرمانا چاہتے تھے جن کو جماعت میں حاضر ہونا ضروری تھا اور حاضر نہ ہوتے تھے مگر عورتوں اور بچوں کا گھر میں ہونا گھروں کو جلادینے کی سزا کی تکمیل میں مانع ہوا۔عورتوں کا اس حدیث میں ذکر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ وہ بچوں کی طرح جماعت میں حاضر ہونے کی مکلف نہ تھی اور جماعت ان

کے حق میں مؤکد نہیں تھی ورنہ وہ بھی اس سزا کی مستحق ہوتیں اور بچوں کے ساتھ عورتوں کو معذور نہ سمجھا جاتا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جماعت کا ستائیس نماز کا ثواب اور مسجد نبوی کا پچاس ہزار نماز کا ثواب اور پیغمبر اقدس ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی سعادت عظمیٰ ہوتے ہوئے بھی عورتوں کے لئے ہدایت تھی کہ زیادہ فضیلت اور ثواب اور سعادت کی بات اسی میں ہے کہ وہ نماز گھر میں پڑھیں، اور اس سے بڑھ کر یہ فرمایا گیا کہ عورت کی تاریک سے تاریک اور بند کوٹھری کی نماز مسجد نبوی (علی صاحبها الف الف تحية و سلام) کی نماز سے کئی درجہ افضل اور بہتر ہے اور اس سلسلے کی کئی روایات ہیں، چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) عن ام سلمة رضی الله عنها عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال خير مساجد النساء قعر بيو تهن. رواه احمد والطبرانی فی الکبير ...... الی . وقال الحاکم صحيح الا سناد.

ترجمہ:۔ حضرت ام سلمہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں، کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "عورتوں کی سب سے بہترین مسجد ان کے گھر کی گہرائی ہے (یعنی سب سے زیادہ بند تاریک کوٹھری) (الترغیب والترھیب ج۱ ص ۱۸۸ للعلامۃ المنذری رحمہ اللہ) (زجاجۃ المصابیح ج۱ ص ۳۱۳ باب الجماعۃ وفضلہا)

(۲) عن ابن عمر رضی الله عنها عن رسول الله صلی الله علیه وسلم المرائة عورة وانها اذا خرجت من بيتها استشر فها الشيطان ، وانها لا تكون اقرب الی الله منها فی قعر بيتها . رواه الطبرانی فی الا وسط ورجاله رجاله الصحيح.

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت چھپانے کی چیز ہے وہ جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے (یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق گندے خیالات اور وساوس ڈالتا ہے) اور عورت اپنے گھر کی سب سے زیادہ بند کوٹھری ہی میں اللہ سے بہت قریب ہوتی ہے (الترغیب والترھیب ج۱ ص ۱۸۸ باب الجماعۃ)

(۳) عن ابن مسعود رضی الله عنه قال ما صلت امرأة من صلوة احب الی الله من اشد مكان فی بيتها ظلمة. رواه الطبرانی فی الکبير.

ترجمہ:۔ عورت کی سب سے زیادہ محبوب نماز خدا کے نزدیک وہ نماز ہے جو اس نے بہت ہی تاریک کوٹھری میں پڑھی ہو (الترغیب والترھیب ج۱ ص ۱۸۹)

(۴) عن ابن عمر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تمنعوا نساءكم المساجد وبيو تهن خير لهن.

ترجمہ:۔ عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو (مگر) ان کا گھر ان کے لئے (مسجد سے) بہتر ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۹۶) (باب الجماعۃ)

(۵) عن ام سلمة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوة المرأة فی بيتها خير من صلوتها فی حجرتها وصلاتها فی حجر تها خير من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خير من صلوتها فی مسجدقومها. رواه الطبرانی فی الا وسط باسناد جيد.

ترجمہ:۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، عورت کی نماز بند کوٹھری میں کمرہ کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرہ کی نماز گھر (کے احاطہ) کی نماز سے بہتر ہے، اور گھر کے احاطہ کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔ (الترغیب والترھیب ج۱ ص ۱۸۸)

"اب حضور اکرم ﷺ کا عجیب فیصلہ ملاحظہ فرمائیے"

(۶) عن ام حميد امرائة ابی حميد الساعدی رضی الله عنهما انها جاء ت الی النبی صلی الله علیه وسلم فقالت يا رسول الله ! انی احب الصلوة معک قال " قد علمت انک تحبين الصلوة معی وصلوتک فی بيتک خير من صلوتک فی حجرتک ، وصلوتک فی حجر تک خير من صلوتک فی دارک ، وصلوتک فی دارک خير من صلوتک فی مسجد قومک وصلوتک فی مسجد قومک خير من صلوتک فی مسجدی" قال : فامرت فبنی لها مسجد فی اقصیٰ شيئ من بيتها واظلمه وكانت تصلی فيه حتی لقيت الله عزوجل. رواه احمد وابن خزيمة وابن حبان فی صحيحهما.

ترجمہ:۔ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارا شوق بہت اچھا ہے (اور دینی جذبہ ہے) مگر تمہاری نماز اندورنی کوٹھری میں کمرہ کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرہ کی نماز گھر کے احاطہ کی نماز سے بہتر ہے، اور گھر کے احاطہ کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور محلہ کی مسجد کی نماز میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) کی نماز سے بہتر ہے، چنانچہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے فرمائش کر کے اپنے کمرے (کوٹھے) کے آخری کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا مسجد (نماز پڑھنے کی جگہ) بنوائی، وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا اور اپنے خدا کے حضور میں حاضر ہوئیں۔ (الترغیب والترھیب ص ۱۸۷ جلد اول)

مذکورہ بالا روایات سے چند باتیں صراحۃً ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں تھی، صرف اجازت تھی اور ہدایت وفہمائش ایسی تھی کہ خود ہی باز آجائیں۔

(۲) عورتوں کا مسجد میں آنا محض اباحت ورخصت کے درجہ میں تھا نہ کہ تاکیدی یا فضیلت واستحباب کے درجہ میں۔

(۳) حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم وترغیب پر عمل کرنے ہی کی غرض سے مسجد چھوڑ دی اور پوری عمر اپنی تنگ وتاریک کوٹھری کے اندر نماز پڑھتی رہیں اور یہ عین اتباع اور آنحضرت ﷺ کی خواہش کی تکمیل تھی۔

پس کس قدر افسوس ہے ان لوگوں پر جو عورتوں کو مسجد میں آنے کی ترغیب دیتے ہیں آنحضور ﷺ کی تعلیم اور مرضی اور منشاء کے خلاف حکم کرتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ اسے سنت بتاتے ہیں اور اپنے اس فعل کو احیاء سنت سمجھتے ہیں، اگر عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا سنت ہوتا تو آنحضور ﷺ اپنی مسجد کی نماز سے مسجد محلہ کی نماز کو، اور

مسجد محلہ کی نماز سے گھر کی نماز کو افضل نہ فرماتے ،تو کیا ترک سنت میں زیادہ ثواب تھا اور سنت پر عمل کرنے میں کم ،اور کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے کر ترک سنت کی ترغیب دیتے تھے؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ۔ شاید یہ لوگ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ متقی اور اپنی مسجد کو مسجد نبوی سے زیادہ مقدس اور اپنی عورتوں کو اس مبارک زمانہ کی عورتوں سے زیادہ عفیفہ اور پاک باز سمجھتے ہیں۔

اور اس زمانہ میں رخصت واباحت بھی ان شرطوں کے ساتھ تھی کہ عورتیں بن سنور کر لباس فاخرہ زیب تن کر کے ،خوشبو لگا کر ،بجتا ہوا زیور پہن کر نہ آئیں ،بلکہ میلی کچیلی آئیں۔

ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ۔قالت بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس فی المسجد اذ دخلت امراۃ من مزینۃ ترفل فی زینۃ لھا فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ایھا الناس انھر انساء کم عن البس الزینۃ والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس نساء ھم الزینۃ وتبختر فی المسجد. ترجمہ ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رسول مقبول ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اتنے میں قبیلۂ مزینہ کی ایک عورت زیب وزینت کا لباس پہنے ہوئے مٹکتی (اتراتی) ہوئی مسجد میں آئی ،حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب وزینت کا لباس پہننے اور مسجد میں مٹکنے سے روک دو، کیونکہ بنی اسرائیل پر لعنت نہیں کی گئی ،یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے زیب وزینت کا لباس پہنا اور مسجد میں مٹکنا شروع کر دیا۔(ابن ماجہ باب فتنۃ النساء ص ۲۹۷)

اس سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوئی کہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی جو اجازت اور رخصت تھی وہ ان قیود و شرائط کے ساتھ تھی ،اور فتنہ رونما ہونے سے پہلے تھی ،چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں عورتوں کی آزادی اور بے احتیاطی ظاہر ہونے لگی اور فتنہ کا اندیشہ ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اجلۂ صحابہ نے حکم جاری فرمایا کہ اب عورتیں مسجد میں نہ آیا کریں ،اور تمام صحابہ نے اس کو پسند فرمایا۔

بدائع الصنائع میں ہے: ولا یباح للشواب منھن الخروج الی الجماعات بدلیل ماروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ نھی الشواب عن الخروج ولان خروجھن الی الجماعۃ سبب للفتنۃ والفتنۃ حرام و ما ادی الی الحرام فھو حرام (بدائع ج ۱ ص ۱۵۷ فی فصل واما بیان من یصلح للامۃ)

ترجمہ: ۔جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں ،اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے جو عورتوں کو نکلنے سے منع فرما دیا تھا اور اس لئے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے ۔انتھی ۔(بدائع ج ۱ ص ۱۵۷)

حجۃ اللہ البالغہ میں ہے: ۔ ومنھا خوف فتنۃ کامراۃ اصابت بخوراً ولا اختلاف بین قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنت امراۃ احد کم الی المسجد فلا یمنعھا وبین ما حکم بہ جمھور الصحابۃ من منعھن اذ المنھی عنہ الغیرۃ التی تنبعث من الانفۃ دون خوف الفتنۃ والجائز من الغیرۃ ما فیہ خوف الفتنۃ وذلک قولہ صلی اللہ علہ وسلم الغیرۃ غیر تان وحدیث عائشۃ رضی اللہ عنھا ان النساء احدثن .الخ.

ترجمہ: ۔اور ان عذروں میں سے ،جن کی وجہ سے نماز باجماعت میں حاضر نہ ہونا جائز ہے فتنہ کا خوف ہے، جیسے کوئی عورت خوشبو لگائے ،اور آنحضرت ﷺ کے اس فرمان "اذا استاذنت الخ" (یعنی جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اس کو منع نہ کرے)اور جمہور صحابہ کے فیصلہ (ان حضرات کا یہ فیصلہ ہے کہ عورتوں کو اب مسجد میں آنے سے ممانعت کی جائے ۔میں تضاد نہیں ہے اس لئے کہ وہ غیرت جو محض تکبر سے پیدا ہو اور اس غیرت کی بنا پر عورتوں کو روکا جائے وہ غیرت تو ناجائز ہے ،رہی وہ غیرت جو فتنہ کے خوف سے پیدا ہو اور اس غیرت کی بنا پر عورتوں کو روکا جائے تو وہ غیرت جائز بلکہ مستحسن ہے (اور صحابہؓ نے اسی فتنہ کے خوف کی بنا پر عورتوں کو روکنے کا فیصلہ کیا) اور حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان الغیرۃ غیرتان کا یہی مقصود ہے اور یہی مصداق ہے ،حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ان النساء احدثن الخ کا (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۹۰ الجماعۃ من الحرج الخوف الفتنۃ) (احیاء العلوم ج ۲ ص ۴۸)(اصح السیر ج ۲ ص ۵۸۹)

عینی شرح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے روز کھڑے ہو کر عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالتے ،اور یہ صحابہ کی موجودگی میں ہوتا تھا، وکان ابن عمر یقوم یحصب النساء یوم الجمعۃ یخرجھن من المسجد (عینی شرح بخاری ج ۳ ص ۲۲۸ باب خروج النسآء الی المساجد باللیل والمفلس)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکال دیتے اور فرماتے اپنے گھر جاؤ ،تمہارے گھر تمہارے لئے بہتر ہیں عن ابی عمر والشیبانی انہ رأی عبداللہ یخرج النساء من المسجد یوم الجمعۃ ویقول (اخرجن الی بیوتکن خیر لکن) رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد لا بأس بہ (الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۹۰) یہ بھی صحابہ کی موجودگی میں ہوتا تھا.

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس فتنہ کو محسوس کیا اور انہوں نے فرمایا لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل. یعنی اگر رسول خدا ﷺ یہ حالت دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنے کی ممانعت کر دی گئی تھی (بخاری شریف باب خروج النسآء الی المساجد باب للیل والفلس ج ۱ ص ۱۲۰)(مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۳)

علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں واما الیوم فنعوذ باللہ آج تو خدا کی پناہ (عینی بحوالہ کفایت المفتی ج ۵ ص ۳۹۲) چنانچہ علامہ عینیؒ اپنی اسی شرح میں دوسری جگہ تفصیل سے اپنے زمانہ کی عورتوں کی ایجاد کردہ بدعات و منکرات کا ذکر فرماتے ہیں: ۔قلت لو شاھدت عائشۃ رضی اللہ عنھا ما احدثت نساء ھذا الزمان من انواع البدع والمنکرات لکانت اشد انکاراً و لا سیما نساء مصر فان فیھن بدعاً لا توصف ومنکرات لا تمنع . الی قولہ. فانظر الی ما قالت الصدیقۃ رضی اللہ عنھا من قولھا لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدثت النساء ولیس بین ھذا القول وبین وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا مدۃً یسیرۃً علی ان نساء ذلک الزمان ما احدثن جزءاً من الف جزء مما احدثت نساء

هذا الزمان (عینی ج۳ ص ۲۳۰ باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس۔

علامہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:۔ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کی وہ بدعات ومنکرات اور سر کے بالوں اور لباسوں میں وہ فیشن جو عورتوں نے ایجاد کی ہے، خاص کر مصر کی عورتوں نے، اگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیکھتیں تو نہایت شدت سے انکار کرتیں منجملہ ان منکرات کے یہ ہیں، وہ عورتیں لباس فاخرہ پہن کر اور خوشبو لگا کر مٹکتی ہوئی مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہوئیں، مردوں کے شانہ بشانہ (بسا اوقات) کھلے منہ بازاروں میں گھومتی رہتی ہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد حضور اکرم ﷺ کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد کا ہے۔ جب کہ اس زمانہ میں عورتوں کی آزادی اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی ومنکرات کے مقابلہ میں ہزارواں حصہ بھی نہیں تھی، اندازہ لگایئے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی وفیشن پرستی دیکھتیں تو کیا حکم لگاتیں (عینی شرح بخاری ج۳ ص۲۳۰)

علامہ عینیؒ نویں صدی ہجری کی عورتوں کا یہ حال بیان فرما رہے ہیں، آج تو چودھویں صدی ہے، اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی، بے حیائی، عریانی و بے احتیاطی کی انتہا ہو چکی ہے، برقع ہی رخصت ہو رہا ہے اور اس کی جگہ قسم قسم کے فیشن ایبل لباس آ چکے ہیں، اور پھر کھلے سر، کھلے منہ بازاروں میں گھومتی ہیں، ایسے پرفتن دور میں عورتوں کو مسجد اور عید گاہ لانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور حضور اقدس ﷺ کے بابرکت زمانہ سے استدلال کیا جا رہا ہے، عورتیں احتیاط کریں گی، نیچی نگاہ رکھیں گی، خوشبو پاؤڈر سے احتراز کریں گی اور فساق وفجار کی نگاہیں نیچی رہیں گی، اس کی گارنٹی کون دے سکتا ہے؟

رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنے صاحبزادے پر خفا ہونا تو یہ اس لئے تھا کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضور ﷺ کا فرمان نقل کیا" لا یمنعن رجل اهله ' ان یا تو االمساجد "اس پر صاحبزادے کا یہ کہنا" فانا نمنعهن" اس سے نص کے ساتھ صورۃً معارضہ لازم آ رہا تھا (اس بنا پر حضرت ابن عمر بہت ہی غصہ اور خفا ہوئے) جس طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے حدیث بیان فرمائی. کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یحب الدباء "(حضور اقدس ﷺ لوکی (کدو) پسند فرماتے تھے) ایک شاگرد نے کہا۔ انا لا احبہ' (میں تو اسے پسند نہیں کرتا) اس پر امام ابو یوسفؒ نے تلوار نکال لی اور فرمایا کہ تجدید ایمان کرو ورنہ قتل کر دوں گا۔ یہاں بھی حدیث کے ساتھ صورۃً معارضہ لازم آ رہا تھا، ورنہ لوکی (کدو) پسند نہ کرنا ایسا جرم نہیں کہ قتل کر دیا جائے، اسی طرح عورتوں کو منع کرنا ایسا جرم نہیں تھا کہ قطع تعلق کرنا واجب ہو، ورنہ پھر اس کا کیا مطلب کہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے روز عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکلنے پر مجبور کرتے تھے (قوله وتقول والله لنمنعهن) قال الطیبی یعنی انا آتیک بالنص القاطع وانت تتلقاه بالرای کان بلا لا لما اجتهد ورأى من النساء وما فی خروجهن الی المساجد من المنکر اقسم علی منعهن فرده ابو ه' بان النص لا یعارض بالرأی...... ونظیره' ماوقع لا بی یوسفؒ حین روی انه علیه السلام کان یحب الدباء فقال رجل انا ما احبه' فسل السیف ابو یوسفؒ وقال جدد الا یمان والا لا قتلنک (مرقاة شرح مشکوة ج۳ ص ۶۶ باب الجماعة وفضلها . مطبوعه ملتان)

عید گاہ جانے کے سلسلے میں جن روایات میں امر کا صیغہ وارد ہے اور جن سے وہ حضرات استدلال کرتے

ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ امر کا صیغہ تین معنوں پر مستعمل ہے، کبھی وجوب کے لئے ہوتا ہے جیسے اقیموا الصلوۃ اور کبھی استحباب کے لئے ہوتا ہے جیسے فکلوا منها واطعموا البائس الفقیر . اور کبھی اباحت کے لئے ہوتا ہے جیسے واذا حللتم فاصطادوا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یہاں کیا مراد ہے وجوب تو یقیناً مراد نہیں کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ عیدین وغیرہ میں عورتوں کا جانا واجب ہے، اور استحباب بھی مراد نہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے کوٹھری کی نماز کو مسجد نبوی کی نماز سے بدرجہا افضل بتایا ہے اور اس میں عیدین کا استثناء نہیں ہے۔ مساجد گھروں سے قریب ہوتی ہیں، پھر بھی گھر کی نماز افضل ہے، اور عیدگاہ تو شہر سے باہر اور دور ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ نماز پنجگانہ وجمعہ فرض ہیں، جب اس کے لئے مسجد میں آنا افضل نہیں تو عیدین کی نماز میں حاضر ہونا کیونکر افضل ہوگا، پس اس جگہ امر اباحت ورخصت کے لئے ہوا، اور وقتی طور پر مصلحتاً حضور اقدس ﷺ نے عورتوں کو عیدگاہ میں جمع فرمایا تھا، اس سے وجوب اور استحباب ثابت نہیں ہوسکتا (کفایت المفتی ج۵ ص ۱۱۱ ملخصاً) اگر مستحب بھی مان لیا جائے تب بھی بوجہ مفسدہ قابل ترک ہوگا، فقہ کا قاعدہ ہے ۔ترک المکروه اولیٰ بادراک الفضیلہ لان ترک المکروه اهم من فعل المسنون (کبیری ص ۳۶۵)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عیدگاہ میں عورتوں کا جانا شروع اسلام میں تھا جب کہ مسلمان کم تھے تا کہ ان سے اہل اسلام کی کثرت معلوم ہو اور دشمن خوفزدہ ہو، آج یہ صورت حال نہیں ہے لہذا یہ حکم بھی نہ ہوگا۔ قال الطحاوی یحتمل ان یکون هذا الا مرفی اول الا سلام والمسلمون قلیل فارید التکثیر بهن ترهیباً للعدو فاما الیوم فلا یحتاج الیٰ ذلک. الی قوله . قلت هذه عائشة صح عنها انها قالت لو رأی رسول الله صلی الله علیه وسلم ماحدثت النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل فاذا کان الا مرفی خرو جهن الی المساجد هکذا فبا الا حریٰ ان یکون ذلک فی خرو جهن الی المصلی الخ (عینی شرح بخاری ص ۳۹۴ ج۳ باب خروج النسآء والحیض الی المصلی) (مظاهر حق ج ۱ ص ۴۶۵)

اب قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہائے کرام کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

(۱) فقیہ محدث علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ والفتویٰ الیوم علی
والفتویٰ الیوم علی المنع
فی الکل فلذلک اطلق المصنف ویدخل فی قوله الجماعات الجمع والا عیاد والا ستسقاء ومجالس الوعظ ولا سیما عند الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء وقصدهم الشهوات وتحصیل الدنیا.

ترجمہ:۔ اور آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں جانا خواہ دن کی ہو یا رات کی، جوان اور ضعیفہ دونوں کے لئے ممنوع ہے، اور مصنف (کنز الدقائق کے مصنف) کے قول "الجماعات" میں جمعہ، عیدین، استسقاء، اور وعظ کی مجلسیں بھی شامل ہیں، بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسیں جو علماء جیسی صورتیں بنا لیتے ہیں، اور مقصود ان کا اپنی خواہشات نفسانی پورا کرنا اور دنیا کمانا ہے (عینی شرح کنز ج۱ ص۴۰ باب الامامۃ)

(۲) در مختار میں ہے:۔ (ویکره حضور هن الجماعة) ولو لجمعة وعید ووعظ (مطلقاً) ولو عجوزاً لیلاً (علی المذهب) المفتیٰ به لفساد الزمان.

ترجمہ:۔عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا،خواہ جماعت جمعہ کی ہو یا عید کی یا وعظ کی مجلس ہو مکروہ ہے،چاہے بوڑھی عورت ہو اور رات کا وقت ہو،مفتیٰ بہ مذہب کی بنا پر بوجہ ظہور فساد زمانہ (درمختار مع شامی ج ا ص ۵۲۹ باب الامامۃ)

(۳) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔والفتویٰ الیوم علی الکراھۃ فی کل الصلوات لظھور الفساد کذا فی الکافی وھو المختار کذا فی التبیین.

ترجمہ:۔اس زمانہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے فساد زمانہ کے ظہور کی وجہ سے (عالمگیری ج اص ۵۶ باب الامامۃ)

(۴) البحر الرائق میں ہے:۔ولا یحضرن الجماعات . الیٰ قولہ . قال المصنف فی الکافی والفتویٰ الیوم علی الکراھۃ فی الصلوۃ کلھا لظھور الفساد.الخ اور عورتیں جماعت میں حاضر نہ ہوں،بوجہ ارشاد باری تعالیٰ وقرن فی بیوتکن اور بفرمان نبویﷺ صلی اللہ علیہ وسلم صلوتھا فی قعر بیتھا افضل..... وبیوتھن خیر لھن اور صاحب کنز الدقائق نے کافی میں فرمایا کہ آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے،بوجہ ظہور فساد (بحر الرائق ج ا ص ۳۵۸ باب الامامۃ)

(۵) رسائل الارکان میں ہے:۔وھذا التجویز انما کان بحسب زمانھم واما الآن فالفتنۃ ختلاط النساء والرجال غالبۃ لفساد اھل الزمان. الی قولہ فما ظنک بھذا الزمان الذی ھو زمان الفتنۃ فھذا الزمان احریٰ لسقوط الجماعۃ عنھن فھذا الزمان احریٰ بالمنع عن الخروج الی الجماعۃ لان الجماعۃ غیر لازمۃ علیھن بالنص والتحرز عن الفتنۃ واجب للعمومات لا نعقاد الا جماع علی حرمۃ الباب الحرام الخ (رسائل الارکان ص ۱۰۰ فصل فی الجماعۃ)

اور عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت ان کے زمانہ کے اعتبار سے تھی،لیکن آج مرد اور عورتوں کے اختلاط کی وجہ سے فتنہ کا ہونا غالب ہے۔الیٰ قولہ۔اس زمانہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو فتنہ وفساد کا زمانہ ہے،اس لئے آج یہی مناسب ہے کہ ان سے جماعت میں حاضر ہونا ساقط ہو اور ان کے لئے جماعت میں حاضر ہونا ممنوع ہو،اس لئے کہ از روئے نص ان پر جماعت میں حاضر ہونا لازم اور ضروری نہیں ہے اور قرآن وحدیث کے پیش نظر فتنوں سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس پر اجماع منعقد ہے کہ جو کسی حرام چیز کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے (رسائل الارکان ص ۱۰۰)

اس سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے عالی بھی قابل ذکر ہے،فرماتے ہیں:۔

(۶) ودریں زماں مکروہ است برآمدن زناں برائے جماعت از جہت فساد زماں ونیز برآمدن زناں دراں زماں بقصد تعلیم شرائع بود واحتیاج نیست بداں دریں زماں از جہت شیوع واشتہار احکام شریعت وتستر بحال زناں اولیٰ است۔

ترجمہ:۔جماعت کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے،کیونکہ فساد وفتنہ کا خطرہ ہے،مسجد نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم کے حصول کی غرض سے تھی اور اب وہ غرض باقی نہیں ہے اس لئے کہ احکام

شریعت آج کل عام طور پر شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ میں ہی رہنا مناسب اور بہتر ہے (اشعۃ اللمعات ص ۲۳۳ قلمی باب الجماعۃ وفضلھا) فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم وھو الھادی الی الصراط المستقیم.

قبرستان کی خالی جگہ میں عید کی نماز پڑھنا اور اس جگہ کو مصلیٰ عیدگاہ بنانا:

(سوال ۱۴۷) ہمارے یہاں عیدگاہ کے سلسلے میں کچھ جھگڑا ہوگیا ہے،آپ اس کا فیصلہ فرمائیں:ہمارے یہاں قبرستان بہت وسیع ہے اس کی غیر مستعمل جگہ میں تین چار برس سے کمیٹی کا عیدگاہ بنانے کا ارادہ ہے چونکہ یہ جگہ قبرستان کے لئے وقف ہے شرعی مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کام نہ ہوا،اس سال عیدالاضحیٰ کے وقت بعض نوجوانوں نے ہمت کر کے شہر کے قبرستان کی خالی جگہ میں (جو بہت وسیع اور غیر مستعمل ہے) عیدگاہ بنانے کی نیت کے بغیر عید کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور کمیٹی اور متولیوں کے مشورہ کے بعد یہ طے ہوگیا کہ عید کی نماز امسال قبرستان کی جگہ میں عید کی نماز صحیح نہیں ہوتی اور عیدگاہ کی نیت کئے بغیر میدان میں جو نماز ادا کی جائے گی اس پر سنت کا ثواب نہیں ملے گا،اس قسم کے شک وشبہات پیدا کر کے وہاں عید کی نماز ادا کرنے سے انکار کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ مسجد کا معین امام ہم کو اسی جگہ نماز عید پڑھاوے،کمیٹی والوں نے جواب دیا کہ اس پر ہم مسجد کے امام کو مجبور نہیں کر سکتے،اگر تم لوگ مسجد ہی میں نماز پڑھنے پر مصر ہو تو اپنے امام کا خود انتظام کرلو،چنانچہ ان لوگوں نے اپنا الگ امام تلاش کر کے مسجد ہی میں عید کی نماز پڑھی،اب دریافت طلب امور یہ ہیں (۱) نماز عید مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا شہر کے باہر عیدگاہ میں۔(۲) خالی میدان میں یا میونسپل کی زمین میں عیدگاہ بنانے کی نیت کے بغیر نماز عید پڑھی جائے تو سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ (۳) قبرستان کی غیر مستعمل زمین پر نماز عید پڑھی جائے تو ادا ہوگی یا نہیں؟ اور اس جگہ نماز عید پڑھنے سے سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟۔(۴) قبرستان کی وقف زمین اس قدر وسیع ہے کہ اس کا ایک معتدبہ حصہ سو دو سو برس تک مردوں کے دفنانے کے کام نہیں آئے گا،تو ایسی خالی جگہ پر عیدگاہ بنانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر عیدگاہ نہ بنائی گئی تو خطرہ ہے کہ یہ جگہ حکومت کی نظر بد سے محفوظ نہ رہ سکے (۵) یہاں فرنچ گورنمنٹ کا یہ قانون ہے کہ زمین کا کوئی مالک نہ ہو اور وہ تیس برس تک ایسی ہی پڑی رہے اور پڑوسی اس کی نگرانی کرتا رہے،تیس برس کے بعد وہ پڑوسی اگر حکومت سے وہ زمین طلب کرے تو حکومت وہ زمین اس کو دے دیتی ہے،اسی قانون کے مطابق قبرستان کے پڑوس کی زمین قبرستان کو وقف میں ملی ہے،اس زمین پر عید کی پڑھی جائے تو صحیح ہے یا نہیں؟ (۶) کسی میدان میں عید کا انتظام ہے پھر بھی کوئی مسجد میں عید کی نماز بلاعذر ادا کرے تو کیا یہ مکروہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہر ایک شہر میں عیدگاہ کا ہونا ضروری ہے،عیدگاہ میں عید کی نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے،[1] رسول کریم ﷺ عید کے دن مسجد نبوی چھوڑ کر عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے،آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابۂ کرام کے عمل سے عیدگاہ کی اہمیت معلوم ہو سکتی ہے،پچھلے لوگوں کا عمل ہمارے لئے حجت نہیں،تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ

(۱) والخروج الیھا ای الجبانۃ لصلاۃ العید سنۃ وان وسعھم المسجد الجامع وھو الصحیح ، درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۷۶،وقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج فی صلاۃ العید الیہ ھو موضع معروف بالمدینۃ بینہ، وبین باب المسجد الف ذراع کما فی العینی علی البخاری طحطاوی علی مراقی الفلاح. باب العیدین ص ۲۹۰.

رحیمیہ جلد اول ص ۱۲۷،۵ اردو۔ جدید ترتیب کے مطابق ج ۶ ص ۔۔ پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصحح)

جب تک عیدگاہ کے لئے موزوں جگہ میسر نہ آئے تو جنگل وغیرہ میں نماز عید کے لئے کوئی جگہ اس کے مالک یا منتظمین یا حکومت کی اجازت سے متعین کی جاسکتی ہے قبرستان وسیع ہے تو خالی جگہ جہاں قبریں نہ ہوں یا ہوں مگر دور ہوں یا دیوار کی آڑ میں ہوں تو اس جگہ اگر عارضی طور پر نماز پڑھی جائے تو قابل مواخذہ نہیں ہے بلکہ اگر یہ مقصد ہو کہ شہر کے باہر ایک عظیم وکثیر جماعت کے ساتھ نماز عید پڑھنے سے اسلام کی شان وشوکت معلوم ہوگی اور لوگوں کے اندر عید گاہ میں نماز پڑھنے کا شوق پیدا ہوگا۔ اور شرعی عیدگاہ بنانے کی فکر کریں گے تو عند اللہ ماجور ہوں گے انشاء اللہ۔ مگر قبرستان کی وقف جگہ میں عیدگاہ بنانا درست نہیں ہے منع ہے، لیکن قبرستان کی وقف جگہ وسیع ہے مردوں کو دفنانے کے لئے اس خالی جگہ کی نہ فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی اور خالی پڑھی رہنے سے سرکار کی نظر بد سے محفوظ نہ رہے گی اور مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں خالی جگہ پر شرعی عیدگاہ بنانے کی گنجائش ہے، جو جگہ کسی کی ملکیت نہ ہو اور وقف بھی نہ ہو وہ سرکاری زمین ہے، اور گورنمنٹ کو مذہبی کاموں میں دینے کا اختیار ہے، لہذا جو جگہ سرکار کی طرف سے قبرستان کو ملی ہے وہ بھی وقف ہے اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اتنا جواب انشاء اللہ دونوں گروہ کے لئے کافی ہے خدا تعالیٰ آپ لوگوں میں اخلاص اور باہمی اتفاق کی فضا پیدا کرے۔ آمین فقط۔ واللہ اعلم۔

ہر شہر کی عیدگاہ الگ ہونی چاہئے:

(سوال ۱۴۸) ہمارے شہر میں عیدگاہ کے لئے ایک زمین خریدی گئی مگر یہ زمین ہمارے شہر کی فنا میں نہیں ہے بلکہ دوسرے شہر کی فنا میں ہے، تو کیا دوسرے شہر کی فنا میں ہمارے شہر کی عیدگاہ بنا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہر ایک شہر کی عیدگاہ الگ ہونی چاہئے، دوسرے شہر کی فنا میں جو عیدگاہ بنے گی وہ اسی شہر کی عیدگاہ شمار ہوگی مگر آپ کی نماز صحیح ہوجائے گی، لہذا آپ لوگ اپنے شہر کی فنا میں عیدگاہ بنانے کی کوشش کریں، جب تک عیدگاہ نہ بنے آبادی سے باہر کوئی جگہ متعین کی جائے، اگر موزوں جگہ نہ مل سکے تو شہر کی جامع مسجد میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیمار اور ضعیفوں کے لئے جامع مسجد میں عید کی نماز کا انتظام کرنا:

(سوال ۱۴۹) ہمارے قصبہ میں ہندو اور مسلمانوں کے مکانات ملے جلے ہیں، قصبہ میں دو مسجدیں ہیں اور عیدگاہ بھی ہے لیکن بعض دور رہنے والوں کو عیدگاہ دو کلومیٹر دور پڑتی ہے، عید کی نماز صرف عیدگاہ میں ہوتی ہے، بہت سے بوڑھے، مریض اور کمزور لوگ سواری کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے عیدگاہ نہیں پہنچ سکتے اور عید کی نماز سے محروم رہتے ہیں کیا ایسے بوڑھے مریض اور کمزور لوگوں کی خاطر عیدگاہ کے علاوہ شہر کی جامع مسجد میں عید کی نماز کی ادائیگی کا انتظام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عید کی نماز عیدگاہ ہی میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، لیکن جو ضعیف مریض اور معذور لوگ عیدگاہ نہ جاسکیں، ان کے لئے شہر کی جامع مسجد میں عید کی نماز کا انتظام کرنا جائز ہے، کبیری میں ہے۔ فان ضعف القوم عن الخروج

امر الامام من یصلی بهم فی المسجد روی ذلک عن علی رضی الله عنه (کبیری ص ۵۲۹ صلاة العید) شامی میں ہے۔ وفی الخانیة السنة ان یخرج الامام الی الجبانة ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء بناء علیٰ ان صلوة العیدین فی موضعین جائزة بالاتفاق الخ (شامی ج ۱ ص ۷۷ باب العیدین)

مجالس الابرار میں ہے۔ ثم الخروج الی الجبانة سنة وان وسعهم الجامع لکن یستخلف الامام من یصلی فی المصر بالضعفاء والمرضی بناء علیٰ ان صلوة العید فی الموضعین جائزة بالاتفاق.

ترجمہ: عیدگاہ جانا مسنون ہے اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش ہو، لیکن امام کسی کو خلیفہ بنادے جو شہر کے اندر ضعیفوں اور بیماروں کو نماز پڑھاوے، اس بنا پر کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو جگہ بالاتفاق جائز ہے (مجالس الابرار ص ۲۱۲، ص ۲۱۳ مجلس نمبر ۳۲) فقط واللہ اعلم۔

عید کی نماز میں شافعی امام کی اقتدا کرنا:

(سوال ۱۵۰) کوئی حنفی عید کی نماز میں شافعی امام کی اقتداء کرے تو زیادہ تکبیروں میں امام کی متابعت کرے یا نہیں؟ حنفی مذہب میں تو چھ تکبیریں ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں تو حنفی مقتدی کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عید کی نماز میں حنفی شافعی امام کی اقتدا کرے تو زائد تکبیروں میں بھی امام کی متابعت کرے۔ ولو زاد تابعه الی ستة عشر لانه مسنون (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۰۸ باب العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے:

(سوال ۱۵۱) عید الاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ عید کی نماز تک کھانے پینے سے رکا رہے یہ حکم کس کے لئے ہے؟ جو قربانی کرنے والا ہے اس کے لئے یا سب کے لئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ حکم صرف قربانی کرنے والے کے لئے نہیں ہے، سب کے لئے ہے مستحب یہ ہے کہ روزہ دار کی طرح رہیں اور عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد کھائیں پئیں، اور اگر اپنے گھر قربانی ہے تو اپنی قربانی سے کھائے، بلا عذر نماز سے پہلے کھانا مکروہ ہے کبیری میں ہے۔ والمستحب یوم الاضحیٰ تاخیر الاکل الی مابعد الصلوة لما فی الترمذی کان علیه الصلوة والسلام لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الاضحیٰ حتی یصلی وقیل هذا فی حق من یضحی لا فی حق غیره والاول اصح . والاصح انه یکره الاکل قبل الصلوة هنا (کبیری ص ۵۲۴ صلاة العید) فقط والله اعلم بالصواب.

امام نے دوسری رکعت میں چھٹی ہوئی تکبیر کہی، اس وقت مقتدیوں نے رکوع کرلیا تو؟:

(سوال ۱۵۲) عید کی نمازک میں امام صاحب پہلی رکعت میں زائد تکبیروں میں سے ایک تکبیر بھول گئے یعنی تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنے کے بجائے دوسری تکبیر کے بعد ہی ہاتھ باندھ لیا، پھر دوسری رکعت میں قراءت کے بعد

زائد تکبیروں میں ایک کا اضافہ کردیا یعنی چوتھی کے بجائے پانچویں پر رکوع کیا اور مقتدیوں نے چوتھی کے بعد رکوع کرلیا تو کیا نماز ہوگئی یا دہرانا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں امام پانچویں تکبیر کہہ کر رکوع میں مقتدیوں کے ساتھ مل گیا تو نماز صحیح ہوجائے گی جب کہ سجدۂ سہو کرلے، لیکن اگر مجمع عظیم ہو، سجدہ سہو کرنے میں انتشار اور گڑبڑ ہوجانے کا اندیشہ ہو تو سجدۂ سہو معاف ہوجاتا ہے، نماز ہوجائے گی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب. ۱۳ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ.

عید کے روز نماز عید سے پہلے نفل کا حکم:

(سوال ۱۵۳) عید کے روز نماز عید سے پہلے مسجد میں نفل نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے تو تنزیہی یا تحریمی؟

(الجواب) نہیں پڑھ سکتے، پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، طحطاوی میں ہے۔ قولہ (فانہ مکروہ) ای تحریماً علی الظاہر الخ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۶۲ .باب العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب.

حنفی کا اقتداء کرنا شافعی کے پیچھے:

(سوال ۱۵۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ شافعی مذہب کے مطابق پہلی رکعت میں سات ۷ اور دوسری رکعت میں پانچ ۵ تکبیرات عید کہی جاتی ہیں اور حنفی مذہب کے مطابق دونوں رکعتوں میں کل چھ تکبیرات ہیں تو اس حال میں حنفی مقتدی شافعی مذہب کے مطابق بارہ تکبیرات کہے یا تین تین تکبیرت کہہ کر خاموش رہے۔

(الجواب) حنفی مقتدی اگر شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز پڑھے تو اس کو تکبیرات عید میں اتباع شافعی امام کی کرنی چاہئے۔ لیکن شافعی وغیرہ امام کی قنوت فجر دائمی میں اور رفع یدین میں اور نماز جنازہ میں چار سے زائد تکبیر میں اتباع نہ کی جائے کہ منسوخ ہیں۔ ولہذا لو اقتدی بمن یرفع یدیہ عند الرکوع او بمن یقنت فی الفجر او بمن یری تکبیرات الجنازہ خمسۃ لا یتا بعہ لظہور خطاء ہ بیقین لان ذلک کلہ منسوخ بدائع اقول یوخذ منہ ان الحنفی اذا اقتدی بشا فعی فی صلاۃ الجنازۃ یرفع یدیہ لا نہ مجتہد فیہ فہو غیر منسوخ لانہ قد قال بہ ائمۃ بلخ من الحنفیۃ وسیاتی تمامہ فی الجنائز وقد مناہ فی او اخر بحث واجبات الصلاۃ (درمختار و شامی ج ۱ ص ۷۸۰ باب العیدین)

نماز عید کی دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیرات کہے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۵۵) امام صاحب نے عید کی دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیرات کہیں تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) نماز صحیح ہے فان قدم التکبیرات علی القرأۃ فیہا جاز. (نورالایضاح ص ۱۲۸ باب العیدین)

(۱) قال فی البدائع اذا ترکہا او نقص منہا اوزاد علیہا او اتی بہا فی غیرہا موضعہا فانہ یجب علیہ السجود کذا فی البحر الرائق — السہو فی الجمعۃ والعیدین والمکتوبۃ والتطوع واحد الا ان مشائخنا قالوا لا یسجد للسہو فی العیدین والجمعۃ لئلا یقع الناس فی الفتنۃ کذا فی المضمرات ناقلا عن المحیط فتاوی عالمگیری سجود السہو ج ۱ ص ۱۲۸.

نماز عید کی پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد بھول جائے:

(سوال ۱۵۶) امام صاحب نماز عید کی پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد بھول گئے تو اب کیا کریں؟

(الجواب) اگر سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ یا پوری سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد یاد آئے تو تکبیرات کہہ کر سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے اور اگر سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھنے کے بعد یاد آئی تو صرف تکبیرات کہے قرأت کا اعادہ نہیں ہے (مجالس الابرار) ولو نسی التکبیر فی الرکعۃ الا ولیٰ حتیٰ، قرأ بعض الفاتحۃ او کلہا ثم تذکر یکبر و یعید الفاتحۃ و ان تذکر بعد قراء ۃ الفاتحۃ والسورۃ یکبر ولا یعید القرأۃ لا نہا تمّت ولا ن التام لا یقبل النقص مالا عادۃ الخ (مجالس الا براء م ۳۲ ص ۲۱۳) (کبیری ص ۵۲۹)

عیدگاہ میں دوبارہ جماعت کرنا:

(سوال ۱/۱۵۷) عید کی جماعت فوت ہوجائے تو عیدگاہ میں جماعت ثانیہ کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) عیدگاہ میں دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے۔ جن کی نماز فوت ہوئی ہو وہ اس مسجد میں جاکر نماز با جماعت ادا کریں جہاں نماز عید نہ ادا کی گئی ہو۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

(سوال /۲) جب نماز عید کے لئے عیدگاہ جانا مسنون ہے تو وہاں نہ جانے والا عاصی ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) ہاں نماز عید الفطر و عید الاضحیٰ کے لئے عیدگاہ جانا سنت ہدیٰ اور سنت موکدہ ہے بلا عذر نہ جانے والا تارک سنت، قابل ملامت اور لائق عتاب ہے اور عادی اس کا گنہگار ہے، بحرالرائق میں ہے۔ حتی لو صلی العید فی الجامع ولم یوجہ الی المصلی فقد ترک السنۃ (ج ۲ ص ۱۵۹ باب العیدین طحطاوی ج ۱ ص ۵۷۰. کبیری ص ۵۲۹. عمدۃ الرعایۃ ج ۲ ص ۲۴۵ وغیرہ) اور تلویح میں ہے ترک السنۃ الموکدہ قریب من الحرام یستحق حرمان الشفاعۃ اور درمختار میں ہے (ترجمہ) مکروہ تحریمی کا مرتکب گنہگار ہوتا ہے جیسا کہ تارک واجب گنہگار ہوتا ہے اور سنت موکدہ کا حکم بھی مثل واجب کے ہے (شامی ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب الحضر والا باحۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نماز عید کے لئے حجرہ کرایہ پر لینا:

(سوال ۱۵۸) ہم انگلینڈ میں ''السٹر'' نامی مقام میں رہتے ہیں اور یہاں سے مسجد پچاس میل دور دوسرے شہر میں ہے اور وہ مسجد بھی عید، جمعہ وغیرہ میں مصلیین کے لئے ناکافی ہے، وہاں کے باشندوں کو بھی نماز عید کے لئے کرایہ پر مکان رکھنا پڑتا ہے معاً ہم میں اتنی استطاعت نہیں کہ کوئی وسیع جگہ خریدیں لہٰذا اگر ہم کوئی حجرہ کرایہ پر لے کر نماز عید اس میں ادا کریں تو شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

نوٹ:۔ ہر عید کے موقع پر ہم یہاں حجرہ کرایہ پر لے کر نماز اس میں ادا کرتے ہیں کیونکہ یہاں دو تین مسلمانوں کے

(۱) ولا یصلیہا وحدہ ان فاتت مع الامام ولو بالا فساد اتفاقا فی الاصح کما فی تمیم البحر وفیہا بلغرای رحل قسد صلاتہ واجۃ علیہ القضاء، ولا قضاء، ولو امکنہ الذہاب الی امام آخر فعل لأنہا تودی بمصر واحد فی مواضع کثیرۃ اتفاقا. شامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۸۳.

اپنے خود کے مکان میں بھی ہیں مگر ان میں جگہ ناکافی ہوتی ہے نیز حجرہ وقف کرنے کی ہماری استطاعت نہیں اس لئے حجرہ کرایہ پر لے کر نماز ادا کی جاتی ہے۔

(الجواب) نماز جمعہ وعید کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں۔ شہر اور فناء شہر میں پڑھ سکتے ہیں (ھدایہ ج ۱ ص ۱۸۳) [1] (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۲۹۳) جائے نماز کا وقف ہونا بھی ضروری نہیں، ذاتی مکان اور کرایہ کے حجرہ میں بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اذن عام ہو یعنی سب مسلمانوں کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت ہو (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۶۱ باب الجمعۃ) لہٰذا آپ حضرات مسجد بننے تک اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ نماز کے لئے کوئی مکان یا حجرہ خاص کرلیا جائے جہاں اذان واقامت کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر سکیں اور جمعہ وعیدین میں اگر جگہ ناکافی ہو تو زائد لوگ باہر اطراف میں روڈ وغیرہ پر چٹائی بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(سوال ۱۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت موکدہ ہے یا غیر موکدہ یا افضل؟

(۲) اگر سنت موکدہ ہے تو اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(۳) اگر سنت مؤکدہ ہو تو اس کے دلائل فقہ کی معتبر کتابوں سے حوالۂ صفحات کے ساتھ تحریر کریں۔

بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) (۳) عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت موکدہ متوارثہ ہے۔ آنحضور ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کے باوجود علیٰ سبیل المواظبت بر سبیل عبادت عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا فرماتے رہے صرف ایک دفعہ بعجہ بارش آپ ﷺ نے مسجد میں پڑھی ہے۔ ''زاد المعاد'' میں ہے۔ کان صلی اللہ علیہ وسلم یصلی العیدین فی المصلیٰ (الی قولہ) ولم یصلی العید بمسجد الا مرۃ واحدۃ اصابھم مطر فصلی بھم العید فی المسجد (ج ۱ ص ۱۲۴) اور کتاب المدخل میں ہے۔ السنۃ المرضیۃ فی صلوۃ العیدین ان تکون فی المصلیٰ . لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلوۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام ثم مع ھذہ الفضیلۃ العظیمۃ. خرج صلی اللہ علیہ وسلم الی المصلی وترک المسجد فھو دلیل واضح علی تاکید امر الخروج الی المصلیٰ صلوۃ العیدین فھی سنۃ ج ۲ ص ۸۲) لکن الخروج الی الجبانۃ سنۃ مؤکدۃ الخ عمدۃ الرعایۃ علیٰ شرح الوقایۃ ج ۱ ص ۲۴۵ فصل العیدین)

(۲) نماز عید کے لئے عیدگاہ جانا سنت موکدہ ہے۔ بلا عذر اس کا تارک لائق ملامت اور مستحق عتاب ہے اور ترک کا عادی گنہگار ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے " ویاثم بارتکابہ کما یاثم بترک الواجب ومثلہ السنۃ الموکدۃ. "یعنی مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے آدمی گنہگار ہوتا ہے۔ جس طرح ترک واجب سے گنہگار ہوتا ہے اور سنت موکدہ کا بھی یہی حکم ہے (شامی ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب الحظر والاباحۃ) شہر سے عیدگاہ دور ہونے کی وجہ

(۱) لا تصح الجمعۃ الا فی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقولہ علیہ السلام لا جمعۃ ولا تشریق ولا اضحی الا فی مصر جامع من یجوز فی جمیع افنیۃ المصر باب صلاۃ الجمعۃ .طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۹۳)

سے ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو ان کے لئے مسجد میں انتظام کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے ثم الخروج الی الجبانہ سنۃ وان وسعھم الجامع لکن یستخلف الامام من یصلی بالضعفاء والمرضیٰ بناءً علی ان صلوۃ العید فی الموضعین جائزۃ بالاتفاق الخ یعنی عیدگاہ جانا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش ہو جاتی ہو البتہ امام کسی کو اپنا نائب یا خلیفہ بنا جائے جو شہر میں کمزوروں اور بیماروں کو نماز پڑھائے اس لئے کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو جگہ بالاتفاق جائز ہے (مجالس الابرار ۳۳ ص ۲۱۲) (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۲۳) (کبیری ص ۵۲۹) (فتاویٰ سراجیہ ص ۱۸) واللہ اعلم بالصواب۔

تکبیرات عید بھول جائے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۶۰) اگر امام عید کی نماز میں دوسری رکعت میں تکبیرات زوائد بھول جائے تو رکوع میں یاد آتے ہی کھڑے ہو کر تکبیرات کہہ لیں تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ فرض چھوڑ کر واجب کی طرف لوٹنا لازم آتا ہے!

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔ [1]

(سوال) اگر امام نماز عید میں پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد بھول جائے اور سورۂ فاتحہ پوری یا بعض حصہ پڑھ لینے کے بعد یاد آئے تو تکبیرات کا کیا حکم ہے، کہے یا نہیں؟

(الجواب) یاد آتے ہی تکبیرات کہہ لے اور سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے اور اگر سورۂ فاتحہ دونوں پڑھ لینے کے بعد یاد آئے تو فقط تکبیرات کہہ لے۔ قرأت کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ [2]

نماز عید کی ترکیب:

(سوال ۱۶۱) نماز عید کی تکبیرات میں بہت غلطیاں ہوتی ہیں یعنی کونسی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے اور کب نہیں، ہاتھ کب چھوڑے اور کب باندھے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا وضاحت فرمائیں۔

(الجواب) رکعت اول میں مع تکبیر تحریمہ کل چار تکبیرات ہوں گی چاروں تکبیرات میں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور پہلی اور چوتھی تکبیر کے وقت ہاتھ باندھ لے۔ یہ کلیہ یاد رہے کہ جہاں تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے وہاں ہاتھ باندھ لے اور جہاں کچھ پڑھنا نہیں جاتا وہاں چھوڑ دے ملاحظہ ہو:۔ [3]

تکبیر اولیٰ۔	ہاتھ اٹھا کر باندھ لے	(ثناء پڑھی جاتی ہے)
تکبیر ثانیہ۔	ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے	

(۱) وذکر فی کشف الاسرار ان الامام اذا سھا عن التکبیرات حتی رکع فانہ یعود الی القیام الخ فتاوی عالمگیری سجود السھو ج ۱ ص ۱۲۸.

(۲) وفی المحیط انبدء الامام بالقراۃ سھوا ثم تذکرہ فان فرغ من قراۃ الفاتحۃ والسورۃ یمضی فی صلاتہ وان لم یفرء الا لفاتحۃ کبر واعاد القراۃ لزوما بحر الرائق باب العیدین ج ۲ ص ۱۶۰.

(۳) ویرفع یدیہ فی الزوائد وان لم یری امامہ ذلک الا اذا کبر راکعا فلا یرفع یدیہ علی المختار لان اخذ الرکبتین سنۃ فی محلہ لیس بین تکبیراتہ ذکر مسنون ولذا یرسل یدیہ قال فی الشامی تحت قولہ ولذا یرسل یدیہ ای فی اثناء التکبیرات ویضعھما بعد الثلاثۃ کما فی شرح المنیۃ لان الوضع سنۃ قیام طویل فیہ ذکر مسنون. شامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۸۲.

تکبیر ثالثہ ۔ ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے

تکبیر رابعہ ۔ ہاتھ اٹھا کر باندھ لے (قرأت پڑھی جاتی ہے)

دوسری رکعت میں بھی مع رکوع کی تکبیر کے چار تکبیرات ہوں گی ۔ پہلی تین تکبیروں میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے اور چوتھی میں ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے ۔ مذکورہ طریقہ خیال میں رکھو گے تو انشاء اللہ غلطی نہ ہوگی ۔ فقط واللہ اعلم

عورتوں کے لئے احکام عید:

(سوال ۱۶۲) نماز عید کے لئے جانے کا حکم عورتوں کے لئے نہیں ہے تو ان کو غسل کرنا اور لباس جدید پہننا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) جی ہاں عید کے روز عورتوں کے لئے بھی مستحب ہے کہ وہ غسل کریں اور عمدہ لباس پہنیں کیونکہ یہ دن خوشی اور زینت کا ہے ۔ (کبیری صلاۃ العید ص ۵۲۴)

نماز عید کے بارے میں ایک اور مسئلہ:

(سوال ۱۶۳) شہر میں پچاس میل دور دس بارہ دوکانیں ہیں اور یہاں کی آبادی کم ہے دو کانداروں کے پاس جنرل ڈیلر کا لائسنس ہے اور وہ ہر سال نماز عید ادا کرتے ہیں اور خطبہ بھی ایک صاحب پڑھاتے ہیں لیکن اس کے لئے مسجد یا عبادت خانہ نہیں ہے فقط کھلے میدان میں پڑھی جاتی ہے صرف عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے جمعہ وغیرہ نہیں پڑھا جاتا تو نماز عید صحیح ہوگی یا نہیں؟ مقتدی حضرات صرف ۳۰۔۴۰ ہوتے ہیں!

(الجواب) صورت مسئول عنہا میں نماز عید واجب نہیں ہوتی[1] واجب یہ ہے کہ بلا تاخیر مسجد بنا کر اس میں پنجوقتہ نماز ادا کریں ۔ یہ واجب ادا نہیں ہوتا تو صرف نماز عید کا شوق ایک جذباتی بات ہے مذہبی مسئلہ نہیں ۔

نماز عید کے بارے میں ایک اور مسئلہ:

(سوال ۱۶۴) عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جائز ہے ۔ تقبل اللہ منا ومنکم اور آپ کو عید مبارک ہو وغیرہ الفاظ کہے (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۷ باب العیدین) واللہ اعلم بالصواب ۔

عیدگاہ جانے سے قبل مسنون کیا ہے؟:

(سوال ۱۶۵) عیدگاہ جانے سے قبل شیر خرما کا دستور ہے دودھ خرید کر بناتے ہیں اس کی کوئی اصلیت ہے ۔ جواب تحریر فرمائیں ۔

(۱) قوله شرط ادائها المصر ای شرط صحتها ان تؤدی فی مصر حتی لا یصح فی قریة ولا مفازة لقول علی رضی الله عنه لا جمعة ولا تشریق ولا صلاة فطر ولا اضحی الا فی مصر أو مدینة عظیمة بحر الرائق ، باب صلاة الجمعة ج ۲ ص ۱۴۰

(الجواب) عیدگاہ جانے سے پہلے طاق عدد چھوارے یا کھجور ورنہ شیریں چیز کھانا مستحب ہے (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۷۶)[1] شیر خرما کی خصوصیت بے اصل ہے یہ رواجی چیز ہے اس کو مسنون نہ سمجھنا چاہئے ۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۸)[2] فقط اللہ اعلم.

عیدگاہ بننے تک کسی میدان میں نماز پڑھیں:

(سوال ۱۶۶) کسی جگہ عیدگاہ نہ ہو تو کسی میدان میں نماز ادا کرنا اچھا ہے ۔ یا مسجد میں؟

(الجواب) شہر قصبہ اور وہ قریہ کبیرہ جو مثل قصبہ ہو اور وہاں جمعہ وعیدین وغیرہ پڑھنے کی علماء نے) اجازت دی ہو ۔ وہاں آبادی سے باہر جنگل میں عیدگاہ بنانا ضروری ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے عیدگاہ میں نماز عید کے لئے جمع ہونے کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بتلائی ہے کہ ہر ملت کے لئے ایک دن ہوتا ہے جس میں ان کی شان وشوکت ظاہر ہو اور ان کی تعداد زیادہ معلوم ہو ۔ اسی وجہ سے عیدگاہ میں تمام لوگوں کے جمع ہونے کو سنت قرار دیا ۔ آنحضرت ﷺ ایک راستے سے آتے تھے اور دوسرے راستے سے واپس ہوتے تھے ۔ تاکہ دونوں راستوں کے باشندے مسلمانوں کی شان وشوکت اچھی طرح دیکھ لیں ۔ وسن الصلوٰة والخطبة لئلا یکون شیئی من اجتماعهم بغیر ذکر الله وتنویه شعائر الدین وضم معه مقصد آخر من مقاصد الشریعة وهو ان کل ملة لا بدلها من عرصد یجتمع فیها اهلها لتظهر شوکتهم وتعلم کثرتهم وکذلک استحب خروج الجمیع حتی الصبیان والنساء وذوات الخدور والحیض ویعتزلن المصلی ویشهدن دعوة المسلمین وکذالک کان النبی صلی الله علیه وسلم یخالف فی الطریق ذهاباً وایاباً لیطلع اهل کلتا الطریقین علی شوکة المسلمین ولما کان اصل العید الزینة استحب حسن اللباس والتقلس ومخالفة الطریق والخروج الی المصلی. (حجة الله البالغه ص ۱۰۵ . ۱۰۶ ج ۲ العیدان)

لہٰذا جس طرح ہو جلد از جلد عیدگاہ بنالیں اور جب تک عیدگاہ بنے اس وقت تک کے لئے آبادی سے باہر کوئی جگہ تجویز کرلیں ۔ تمام مسلمان اسی میں نماز پڑھیں اور اجر عظیم کے حق دار بنیں انشاء اللہ سبقت کرنے والے زیادہ ثواب کے حق دار ہوں گے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عیدگاہ میں نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:

(سوال ۱۶۷) بعد سلام مسنون ذیل کے سوالات کے جوابات مع حوالہ قرآن وحدیث مرحمت فرمائیں ۔

ہمارے گاؤں میں سات سو ۷۰۰، آٹھ سو ۸۰۰ مسلمان ہیں ۔ گاؤں میں ایک مسجد اور ایک عیدگاہ ہے ۔ بارش کے موسم کے علاوہ دوسرے اوقات میں نماز عید عیدگاہ میں ہوتی ہے ۔ چند آدمی نماز عید کے لئے وقت مقرر کرتے ہیں ۔ جب وقت ہوتا ہے تو اس وقت قریب بعید سے لوگ آتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ بعض لوگ آواز دیتے ہیں کہ نماز کا وقت قریب ہو گیا شروع کیجئے ۔ امام صاحب سمجھاتے ہیں کہ ان کی نماز فوت ہوجائے گی تو یہ دوبارہ نماز عید نہ پڑھ سکیں

(۱) وندب یوم الفطر اکله حلوا وتدلو فرونا قبل خروجه الی صلاتها باب العیدین. کبیری ص ۵۲۳)

(۲) واما ما یفعله الناس فی زماننا من جمع التمر مع اللبن والفطر علیه فلیس له اصل فی السنة باب العیدین)

گے۔ایسی حالت میں پانچ دس منٹ تاخیر کی جائے تو کیا حرج ہے؟اگر تاخیر کی گنجائش ہو اور لوگوں کے کہنے پر نماز شروع کی جائے تو گنہگار کون؟امام صاحب یا جلد باز اصرار کرنے والے۔

(الجواب)مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کیا جائے تو کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

(۱)نماز عید کا وقت ایسا ہونا چاہئے کہ نماز فجر سے فارغ ہو کر بطریق مسنون لوگ تیاری کر کے عیدگاہ پہنچ جائیں۔

(۲)عید کے موقعہ پر کچھ لوگوں کا پیچھے رہ جانا متوقع ہے۔لہذا امام اور حاضرین کو چاہئے کہ عجلت نہ کریں وقت مقررہ کے بعد بھی پانچ سات منٹ ٹھیر کر نماز شروع کی جائے۔بے شک حاضرین کو ایسے موقعہ پر ذرا ضبط اور صبر سے کام لینا چاہئے۔امام صاحب کو مشورہ تو دے سکتے ہیں۔لیکن نماز شروع کرنے پر اسرار نہیں کرنا چاہئے۔امام کی بھی ذمہ داری ہے کہ حاضرین کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کی رعایت کرے اور قرأت خطبہ میں اختصار کر کے تلافی مافات کر لے۔سال میں دو۲ موقعہ آتے ہیں کہ بے نمازی بھی شرکت کرتے ہیں۔ضعیف بیمار اور معذورین بھی ہوتے ہیں۔نماز فوت ہوگئی تو بڑی برکتوں سے محروم رہیں گے۔لہذا قدرے انتظار کیا جائے اور تعاونوا علی البر پر عمل کر کے اجر کا مستحق بنا جائے۔البتہ جو آخری وقت میں آنے کے عادی ہیں اور ان کو حاضرین کی تکلیف کا احساس نہیں ہے۔اور اپنی نماز کی بھی فکر نہیں ہے۔" جاتے ہیں جاتے ہیں۔" اس طرح اپنا انتظار کراتے ہیں۔ایسے غافل کاہل اور سست لوگوں کا انتظار کرنا۔ان کی عادت کو بگاڑنا ہے۔

وفی المنتقی ان تاخیر المؤذن وتطویل القراءة لا دراک بعض الناس حرام هذا اذا مال لا هل الدنیا تطویلاً وتاخیراً یشق علی الناس فالحاصل ان التاخیر القلیل لا عانة اهل الخیر غیر مکروه اه (شامی ص ۴۶۲ ج ۱ باب صفة الصلاة مطلب فی اطالة الرکوع للجائی)فقط واللہ اعلم بالصواب.

نماز عید میں بعد میں شریک ہونے والا زوائد تکبیر کب کہے؟:

(سوال ۱۶۸)عید کی نماز شروع ہوگئی۔امام صاحب نے قرأت شروع کی تو ایک آدمی آیا اور وہ بھی جماعت میں شریک ہوا۔تو تکبیر کہے یا نہیں؟اگر پہلی رکعت چھوٹ گئی اور دوسری رکعت میں شریک ہوا تو پہلی رکعت کس طرح پڑھے؟

(الجواب)اگر امام نے پہلی رکعت کی تکبیر کہیں بعد میں قرأت پڑھتے وقت شریک ہوا تو نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر زوائد تکبیریں کہے۔"درمختار" میں ہے۔(ولو ادرک)المؤتم (والا مام فی القیام)بعد ما کبر (کبر) فی الحال. یعنی اگر مقتدی امام کے تکبیر کہنے کے بعد حالت قیام میں شریک ہوا۔تو فوراً تکبیرات کہے۔(درمختار مع الشامی ص۷۸۱ ج ۱ باب العیدین)

اور اگر دوسری رکعت میں شریک ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد رکعت فائتہ کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہو۔ثناء۔تعوذ۔تسمیہ۔سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے پھر رکوع سے پہلے زائد تکبیریں کہے۔بقیہ نماز اپنے طریقہ سے پوری کرے۔ ولو سبق برکعة یقرء ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیر (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۸۲

ایضاً)واللہ اعلم.

نماز عیدین کھلیان میں:

(سوال ۱۶۹)ہمارے گاؤں میں دو مسجدیں ہیں دونوں میں نماز عید ہوتی ہے چھوٹی مسجد میں تنگی ہوتی ہے۔تو سرکاری جگہ کھلیان میں نماز عید پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب)ہاں!اس جگہ پر نماز عید درست ہے۔اجازت کی ضرورت ہو تو حکومت سے اجازت حاصل کی جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید کے لئے مالک زمین سے اجازت لے لینی چاہئے:

(سوال ۱۷۰)مذکورہ بالا صورت میں سرکاری پروانگی نہ ملے تو کسی کی مقبوضہ زمین میں مالک زمین کی اجازت سے عید پڑھیں تو صحیح ہے؟

(الجواب)ہاں!مالک کی اجازت لے کر نماز عید پڑھی جاسکتی ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید دوبارہ پڑھنا:

(سوال ۱۷۱)میں نماز عید بمبئی پڑھ کر نوساری آیا۔یہاں دوسرے دن عید ہوئی۔تو یہاں دوسرے دن نماز عید پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟

(الجواب)ہاں پڑھ سکتے ہو نفل کی نیت سے پڑھ لو۔"فتاویٰ سراجیہ" میں ہے۔اذا صلی العید فی بلدة ثم انتهی من الغد الی قوم یصلون صلاة العید بلدة اخری فصلی معهم لم یکره (ص ۱۸)

ترجمہ:۔جب کوئی شخص ایک شہر میں نماز عید پڑھ کر دوسرے دن دوسری جگہ پہنچا وہاں نماز عید ہو رہی تھی۔ اس میں شامل ہو کر دوبارہ پڑھی تو نماز صحیح ہے۔مکروہ نہیں ہے۔

تکبیر تشریق ایک بار کہے یا تین بار؟:

(سوال ۱۷۲)تکبیر تشریق ایک بار کہنا مسنون ہے یا تین بار؟

(الجواب)تکبیر ایک بار کہنا واجب ہے۔تین بار کہنا مسنون نہیں ہے۔تین بار کہنے کا قول صحیح اور مفتیٰ بہ نہیں ہے۔حتیٰ لوزاد لقد خالف السنة. مجمع الانهر ج ۱ ص ۱۷۶ صلاة العید فقط واللہ اعلم بالصواب.

ایام تشریق میں تکبیرات پڑھنے کا حکم:

(سوال ۱۷۳)ایام تشریق میں تکبیر کہنا واجب ہے یا نہیں؟جہری کہنا چاہئے یا سری؟جہری کہنے میں اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس سے کسی کی نماز میں خلل آوے تو کیا ایسے موقعہ پر چھوڑ دینا چاہئے یا آہستہ پڑھے؟

(الجواب)ایام تشریق میں نماز پنجگانہ کے بعد تکبیر کہنا واجب ہے۔"مالابد منہ" میں ہے۔مسئلہ۔تکبیرات تشریق بعد

27

ہر نماز فرض بجماعت گزاردہ شود واجب است (ص ۶۰) اور جہراً کہنے کا حکم ہے۔" بگوید یکبار بآواز بلند اللہ اکبر الخ" (ص ۶۰) مسبوق وغیرہ نمازی کے ہونے پر سراً کہنے کا حکم نہیں ہے جہراً ہی کہنا چاہئے۔ البتہ چلانا اور بہ تکلف آواز نکالنا ہر حال میں ممنوع اور مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

نمازعید الاضحیٰ کے بعد تکبیر تشریق پڑھے یا نہیں؟:

(سوال ۱۷۴) عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہے یا نہیں؟

(الجواب) یہ بھی اختلافی مسئلہ ہے۔ ولا تکبیر عقیب السنن والنوافل وصلوۃ العید (فتاویٰ سراجیہ ص ۱۸) ولا یکبر عقیب الوتر وعقیب صلوۃ العید (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۱۶ ج ۱ ومایتصل بھذا تکبیرات ایام التشریق) قولہ المفروضات یحترز من الوتر وصلوۃ العید (الجواھرۃ النیرہ ص ۹۶ ج ۱ باب صلاۃ العیدین) قولہ المفروضات (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۸۳ ج ۱ ایضاً) ولا یجب عقیب صلوٰۃ العید ولا عقیب الوتر ولا عقیب النوافل لان تلک الصلوات لیست بفریضۃ (مجالس الابرار ص ۲۳۱ م ۳۵) صلوٰۃ مسعودی میں بدعت تک لکھا گیا ہے۔ ولا بأس بالتکبیر عقب صلوۃ العیدین (نور الایضاح ص ۱۹۹ باب العیدین) کذافی المبسوط ابی اللیث لتوارث المسلمین ذالک (مراقی الفلاح ص ۱۰۸ ایضاً) وقید بالمکتوبۃ احترازاً عن الواجب کصلوۃ الوتر والعیدین وعن النافلۃ فلا تکبیر عقبھا. وفی المجتبی والبلخیون یکبرون عقب صلوۃ العید لانھا تودی بجماعۃ فاشبہ الجمعۃ الخ وفی مبسوط ابی اللیث ولو کبر علی اثر صلوۃ العید لا بأس بہ لان المسلمین توارثوا ھکذا فوجب ان یتبع توارث المسلمین الخ (بحر الرائق ص ۱۶۵ ج ۲ ایضاً) لاباس بہ عقب العید لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم وعلیہ البلخیون (درمختار) قولہ ولا بأس الخ (۱) کلمۃ لا بأس قد تستعمل فی المندوب کما فی البحر من الجنائز والجھاد ومنہ ھذا الموضع لقولہ فوجب اتباعھم (قولہ فوجب)الظاھر ان المراد بالوجوب المثبوت لا الوجوب المصطلح علیہ وفی البحر عن المجتبیٰ والبلخیون یکبرون عقب صلوٰۃ العید لا نھا تودی بجماعۃ فاشبھت الجمعہ وھو یفید الوجوب المصلطح علیہ (درمختار مع الشامی ص ۷۸۷ ج ۱ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نمازعید قربان سے پہلے کھانا:

(سوال ۱۷۵) عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنے والے کے لئے نماز عید سے پہلے کھانا کیسا ہے؟

(الجواب) بعض نے مکروہ لکھا ہے اور بعض نے عدم کراہیت کی تصریح کی ہے۔ دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جو مکروہ کہتے ہیں اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے اور جو کراہت کی نفی کرتے ہیں۔ اس سے مراد کراہیت تحریمی ہے۔ ولا یکرہ الاکل قبلھا فی المختار ای تحریماً. (در المنتقی. شرح المنتقی. مجمع الانھر ص ۱۷۵ ج ۱ باب العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب.

"تکبیر تشریق کے متعلق"

(سوال ۱۷۶) تکبیر تشریق جو عرفہ کے روز نماز فجر سے لے کر ہر فرض نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ یہ تکبیر چھوٹے گاؤں میں جہاں پر عید کی نماز شریعت کے حکم کے مطابق صحیح نہ ہو وہاں پر پڑھنا کیسا ہے؟ بعضوں کا کہنا ہے کہ گاؤں میں تکبیر تشریق نہیں پڑھ سکتے، بہشتی زیور میں بھی ہے کہ جہاں پر چھوٹی بستی نہ ہو، شہر یا قصبہ ہو وہاں پر پڑھنا واجب ہے۔ لہذا آپ تفصیل سے بیان کریں کہ گاؤں میں واجب نہیں ہے تو پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس کی تشریح مع حوالہ کتب مطلوب ہے۔

(الجواب) صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کی تحقیق کے مطابق جن لوگوں پر نماز فرض ہے ان پر تکبیر تشریق بھی واجب ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، مقیم ہو یا مسافر، با جماعت سے پڑھی یا بلا جماعت، شہر ہو یا گاؤں، اسی پر عمل اور فتویٰ ہے والفتویٰ علی قولھما حتی یکبر المسافر واھل القری ومن صلی وحدہ (الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۹۶ باب صلاۃ العیدین) (فتح القدیر ج ۲ ص ۴۹ باب صلوۃ العیدین)

مجالس الابرار میں ہے والعمل فی ھذا الزمان علی قولھما احتیاطاً فی باب العبادات (م ۳۵ ص ۲۳۱) "اور عمل اس زمانے میں صاحبینؒ کے قول پر ہے، عبادات کے باب میں احتیاط کے لحاظ سے" فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بڑے شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز اور عیدگاہ قائم کرنا:

(سوال ۱۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔ (۱) ہمارا شہر درمیان میں ایک ندی ہونے کی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہے جانب شمال میں مسلم آبادی کی تعداد کثیر ہے بخلاف جانب جنوب کے وہاں نسبتہً تعداد کم ہے لیکن عیدگاہ جانب جنوب شہر کے باہر ہے جس کی وجہ سے ضعفاء وغیرہ کے پہنچنے میں دشواری کے ساتھ ایک حصہ بالکل خالی ہو جاتا ہے، وقتی کسی حادثہ یا ضرورت (بیماری، موت، آگ، وغیرہ) پڑنے پر ایک آدمی کا ملنا بھی مشکل ہے سوائے بچے اور عورتوں کے کوئی مرد اس وقفہ میں نہیں مل سکتا، نیز بعض محلے ایسے بھی ہیں کہ جہاں سے عیدگاہ کا فصل تقریباً چار کلومیٹر ہے، ان اعذار کے تحت شہر کے شمالی جانب کے مسلمانوں کی خواہش ہے کہ عیدگاہ کے علاوہ جانب شمال میں بھی تین بڑی مسجدیں موجود ہیں (۱) جامع مسجد (۲) اناله مسجد (۳) لال دروازہ مسجد اور ان تینوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عیدگاہ کے علاوہ شہر کی مذکورہ بالا مسجدوں میں عیدین کی نماز قائم کر سکتے ہیں یا نہیں، مدلل ومکمل جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) کسی بھی شہر میں عیدگاہ کے علاوہ متعدد جگہوں پر عیدین کی نماز قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسا کہ فی زمانا ہر شہر میں متعدد جگہوں پر عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱-۲) عید کی نماز ضعفاء ومعذورین شہر کی مسجد میں ادا کر سکتے ہیں، شرعاً اجازت ہے، فقہاء رحمہم اللہ نے لکھا ہے ولھذا کان علی رضی اللہ عنہ یصلی العید فی الجبانۃ ای المصلی ویستخلف من یصلی

بالناس بالمدینة (الاختیار شرح المختار ج ۱ ص ۸۳ باب صلوة الجمعة) اور باب صلوة العیدین میں ہے۔ وینبغی ان یستخلف من یصلی باصحاب العلل فی المصر لما روینا عن علی رضی الله عنه وان لم یفعل جاز (الاختیار شرح المختار ج ۱ ص ۸۷) مجالس الابرار میں ہے ثم الخروج الی الجبانة سنة وان وسعهم الجامع لکن یستخلف الامام من یصلی فی المصر بالضعفاء والمرضیٰ بناء علی ان صلوة العید فی الموضعین جائزة بالاتفاق بخلاف الجمعة مجالس الابرار ص ۲۱۲، ۲۱۳ مجلس نمبر ۳۳) شامی میں ہے ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء بناءً علی ان صلوة العیدین فی الموضعین جائزة بالاتفاق وان لم یستخلف فله ذلک اھ (شامی ج ۱ ص ۷۷۷ باب العیدین)

مذکورہ بالا عبارتوں سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں ضعفاء ومعذورین کے لئے بجانب شمال جامع مسجد وغیرہ میں نماز عید بلا کراہت درست ہے جب کہ شہر بڑا اور دور دور تک لوگ آباد ہوں، اور اگر کسی حادثہ کا قوی اندیشہ متوقع ہو تو بطریقہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے بلکہ ضروری ہوگا اور دائمی خطرہ کی صورت میں اس جگہ عیدگاہ بنانا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہوگی، نہر حائل ہونے کی وجہ سے کموضعین کہا جاسکتا ہے۔ قال محمد لا بأس بصلاة الجمعة فی المصر فی موضعین وثلاثة ولا یجوز اکثر من ذلک لان المصر اذا بعدت اطرافه شق علی اهله المشی من طرف الی طرف فیجوز دفعاً للحرج وانه یندفع بالثلاث فلا حرج بعدها. الی قوله وقال ابو یوسفؒ کذلک الی ان یکون بین الموضعین نهر فاصل کبغداد لانه یصیر کمصرین الخ. (الاختیار شرح المختار ج ۱ ص ۸۳ باب العیدین

اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ اور اگر شہر بڑا ہو اور تمام معذورین کا ایک مسجد میں جمع ہونا بھی بعد اطراف شہر کی وجہ سے مشکل ہو تو دو تین مسجدوں میں نماز عید ہوسکتی ہے۔ (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۴۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عیدگاہ اور عید کی نماز سے متعلق چند اہم مسائل:

(سوال ۱۷۸) عیدگاہ سے متعلق چند مسائل دریافت طلب ہیں۔

(۱) شہر سے باہر مسلمانوں کے لئے ایک عیدگاہ کافی ہو تو بلاضرورت دوسری عیدگاہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) چھوٹی بستی یا دیہات جہاں کے مسلمان قصبہ میں آکر قصبہ کی مسجد میں نماز عید ادا کرتے ہیں تو ان دیہات والوں پر عیدگاہ بنانا ضروری ہے یا نہیں؟ اور عیدگاہ نہ بنانے کی وجہ سے یہ لوگ تارک سنت ہوں گے یا نہیں؟

(۳) مقامی غیر مسلموں کے نازیبا رویے یا حکومت کے کسی ناشائستہ طرز عمل کی مذمت میں احتجاجاً عیدگاہ میں نماز نہ پڑھنے کی گنجائش ہے؟

(۴) حکومت کے مسلم آزار رویے کے خلاف اظہار ناراضگی کے لئے بازوؤں میں سیاہ پٹی لگا کر نماز عید ادا کرنا کیسا ہے؟

(۵) سہولت کے لئے ایک ہی شہر میں کئی عیدگاہ بنانا کیسا ہے؟

(۶) کسی غیر مسلم کی زمین پر اجازت یا عدم اجازت ہر دو صورت میں نماز عید ادا کرنا کیسا ہے؟

(۷) لاوارث ٹرسٹ (خالصہ زمین) جو ہے تو مسلمانوں کی لیکن ٹرسٹ ایکٹ کی رو سے قبضہ گورنمنٹ کا ہے ایسی زمین یا عیدگاہ پر نماز عید ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۸) عیدگاہ اگر ہر سال سیلاب کی زد میں نقصان سے دوچار ہوتی ہو تو کسی محفوظ جگہ منتقل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۹) ہمارے شہر کی موجودہ عیدگاہ مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر دوسری جگہ منتقل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۱) برادران وطن کے مشکوک طرز عمل نے فضا بالکل مشکوک بنادی ہے، پچھلی دنوں عیدگاہ کے آس پاس دیسی ساخت کے بم دستیاب ہوئے پھر ابھی کچھ عرصہ پہلے عیدگاہ کے قریب بم کا ایسا زبردست دھماکا ہوا کہ جس سے پتھر کی عمارت ریزہ ریزہ ہوگئی اور جو لوگ مرے ان کے جسم کے پرخچے اڑ گئے، اس دھماکہ سے عام مسلمانوں کا تاثر یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ایک منظم سازش ہے، جس کے نتیجہ میں ہمارے شہر میں کسی بھی وقت خطرناک صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ (۲) عیدگاہ کا پورا علاقہ غیر مسلم آبادی سے گھرا ہوا ہے (۳) مسلم آبادی تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر دور ہے (۴) ابھی کچھ دنوں پہلے انتہائی بھیانک فساد کی وجہ سے مسلمانوں میں عام طور پر خوف وہراس موجود ہے، چنانچہ اس سال مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے حفظ ماتقدم کے طور پر شہر کی مشہور درس گاہ کے وسیع میدان میں نماز عید ادا کی، ایسی صورت میں اصل عیدگاہ کو باقی رکھتے ہوئے خطرے اور دیگر مذکورہ بالا اسباب کے پیش نظر کسی محفوظ مسلم علاقہ میں عیدگاہ بنانا کیسا ہے؟ کیا دوسری عیدگاہ بنانے میں شرعی قباحت ہے؟

(۱۰) اصل عیدگاہ کو چھوڑ کر شہر سے باہر کسی متبادل جگہ پر عید کی نماز ادا کرنے سے سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) جب کہ ایک عیدگاہ کافی ہے تو بلا ضرورت شرعی دوسری عیدگاہ بنانا منشاء شریعت کے خلاف ہے۔ فقط

(۲) جب بستی اتنی چھوٹی ہے کہ وہاں جمعہ قائم کرنے کی شرائط نہیں پائی جاتی تو وہاں عید کی نماز بھی ادا کرنا صحیح نہیں۔ جب ان پر عید کی نماز نہیں ہے تو عیدگاہ بنانا بھی ضروری نہیں ہے، لہذا یہ تارک سنت نہ ہوں گے، البتہ اگر قصبہ میں عیدگاہ نہ ہو تو ان پر عیدگاہ بنانا ضروری ہے نہ بنائیں گے تو تارک سنت ہوں گے فقط۔

(۳) کوئی خطرہ لاحق ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے پر خواتین اور بچوں کو بیمار اور ضعیفوں کو پریشانی ہوگی تو عیدگاہ چھوڑنا درست ہے، محض احتجاجاً عیدگاہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے احتجاج کے لئے دوسرے جائز اور مناسب طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ فقط۔

(۴) اظہار ناراضگی کی دوسری جائز صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ سیاہ پٹی لگا کر نماز پڑھنے میں تشبہ لازم آئے گا، یہ غیروں کا شعار ہے۔ فقط۔

(۵) شہر وسیع ہو دور دور تک مسلمان آباد ہوں اور عیدگاہ تک پہنچنا دشوار ہو تو ضرورت اور دفع حرج کے پیش نظر ایک سے زائد عیدگاہ بنانا درست ہے۔ فقط۔

(۶) جہاں اجازت کی ضرورت معلوم ہو وہاں اجازت کے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہوگا اور جس جگہ کے متعلق یہ معلوم ہو کہ یہ ناراض نہ ہوں گے بلکہ خوش ہوں گے تو وہاں اجازت کے بغیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ فقط۔

(۷) مسلمانوں کی ملک ہے تو اس زمین یا عیدگاہ میں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب کہ قبضہ حکومت کا ہے اور اس کو استعمال کرنے میں قانون کی خلاف ورزی کا جرم عائد ہوسکتا ہے اور سزا بھگتنے اور ذلیل ہونے کا موقع آسکتا ہے تو اس سے بچنا ضروری ہے کہ اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں۔ قانونی کاروائی کرکے اپنا حق ثابت کریں یا حکومت سے اجازت حاصل کرکے نماز پڑھیں۔ فقط۔

(۸) عیدگاہ تمام احکام میں مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہے مگر وقف تو ہے وقف کو کیسے منتقل کریں گے؟ اسے محفوظ کرلیا جائے اور دوسری اطمینان بخش جگہ عیدگاہ بنائی جائے۔ فقط۔

(۹) مذکورہ حالت میں موجودہ عیدگاہ کو محفوظ کرلیا جائے اور دوسری مامون جگہ میں عیدگاہ بنانے کی کوشش کی جائے اور جب تک دوسری عیدگاہ نہ بنے جامع مسجد میں نماز عید ادا کی جائے اور اگر جامع مسجد کافی نہ ہو تو مذکورہ میدان میں ادا کرسکتے ہیں۔ فقط۔

(۱۰) عذر کی بنا پر اصل عیدگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ عید کی نماز ادا کرنے میں واقعی مجبوری ہو تو ان شاء اللہ سنت کا ثواب ملے گا فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مشرقی سمت عیدگاہ بنانا:

(سوال ۱۷۹) ہمارے قصبہ میں عیدگاہ کی جگہ مشرقی سمت میں منتخب کی گئی ہے، بعض لوگ اس کے مخالف ہیں تو مشرقی سمت میں عیدگاہ بنانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدگاہ مشرق میں ہو یا مغرب میں، شمال میں ہو یا جنوب میں قبلہ تو مغرب ہی کی طرف یعنی خانہ کعبہ ہی کی سمت ہوگا پھر کیا مضائقہ ہے؟ نماز صحیح ہوجائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حنفی امام شوافع کو عید کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۸۰) حنفی امام شوافع کو عید کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھا سکتا ہے تو امام چھ تکبیر کہے گا تو شوافع مقتدیوں کی تکبیرات میں کمی آئے گی اور اگر زائد کہتا ہے تو تکبیرات معینہ پر زیادتی لازم آتی ہے، تو وہ حنفی امام کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں پڑھا سکتا ہے مگر اپنے طریقہ پر پڑھائے مقتدیوں کو ان کا اتباع کرنا ہوگا، اور اگر مقتدی رضامند نہ ہوں تو ان میں سے کوئی امام بن جائے اور حنفی ان کی اقتداء میں نماز پڑھ لیں اور ان کو امام کی اتباع میں تکبیریں زیادہ کہنی ہوں گی ولو زاد تابعه الى ستة عشر لانه ماثور (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۸۰ باب العیدین) فقط واللہ اعلم۔

عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہے:

(سوال ۱۸۱) عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا کیسا ہے؟ آپ کی فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم ص ۱۸۲ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں نماز عیدالاضحیٰ کے بعد تشریق پڑھے یا نہیں [illegible] میں ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا ہے

کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، پھر آپ نے بہت ساری عبارتیں نقل کی ہیں، لیکن جناب راجح کا علم نہیں ہوتا آپ اس کی وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز عیدالاضحیٰ کے بعد تکبیر تشریق کہنا مستحب ہے فتاویٰ رحیمیہ میں آخری عبارتوں میں "لاباْس" کا لفظ ہے، اس مقام پر اس سے مراد استحباب ہے۔ مفید المفتی میں ہے۔

تبصرہ نمبر ۲۴ لفظ لاباْس کا استعمال ترک اولیٰ کے واسطے مطرد نہیں ہے بلکہ مندوب میں بھی یہ استعمال کیا جاتا ہے، لفظ لاباْس دلیل اس پر ہے کہ اس کا غیر مستحب ہے یعنی مدخول علیہ لاباْس مستحب نہیں ہے اس واسطے کہ باْس کے معنی شدت ہے اور مندوب میں لفظ لاباْس کا جو استعمال ہوتا ہے تو یہ وہیں ہوگا جہاں باْس اور شدت کا توہم ہو مثلاً وضو موجود رہنے پر پھر دوبارہ وضو کرے تو یہ فعل مستحب ہے اور وانہ نور علی نور آیا ہے اور یہاں کہیں الوضوء علی الوضوء لا بأس به تو مطلب اس کا یہ ہوگا کہ یہ مستحب ہے مکروہ نہیں اگرچہ اس کا زیادہ استعمال ترک اولیٰ کی محل پر ہوتا ہے، لیکن مندوب اور مستحب میں بھی استعمال کرلیا جاتا ہے، اسی طرح فقہاء کہتے ہیں "لاباْس بتکبیر التشریق عقب العید" تو یہاں اس سے مراد استحباب ہے اس واسطے کہ مسلمانوں کا اس پر توارث اور تعامل ہے یعنی علماء وفقہاء کا ہمیشہ سے اس پر عمل درآمد ہے تو ان کی اتباع وپیروی واجب ہے، تنویر الابصار اور درمختار اور بحر الرائق اور رد المحتار کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید محلّہ در محلّہ:

(سوال ۱۸۲) بعض شہروں میں نماز عید ہر محلّہ میں پڑھی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز عید شہر سے باہر جنگل (عیدگاہ) میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی جیسی بڑی فضیلت والی مسجد چھوڑ کر عیدگاہ میں جاکر عید کی نماز ادا فرماتے، عذر (جیسے بارش) کے بغیر کبھی بھی مسجد میں نہیں پڑھی، عیدگاہ دور ہونے کی وجہ سے کمزور وضعیف لوگ وہاں نہ پہنچ سکتے ہوں تو ایسی معذوروں کے لئے مسجد میں پڑھنے کی گنجائش ہے، ایک مسجد ناکافی ہو تو حسب ضرورت ایک سے زائد مسجد میں پڑھنے کی اجازت ہے۔

وفی الخلاصة والخانية السنة ان يخرج الا مام الى الجبانة ويستخلف غيره ليصلى فى المصر بالضعفاء بناء على ان صلاة العيدين فى موضعين جائزة بالاتفاق (درمختار مع الشامى باب العيدين ج ۲ ص ۷۷٦)

لیکن شرعی عذر کے بغیر محلّہ در محلّہ نماز عید قائم کرنا خلاف سنت ہے، اور شریعت کے مقصود ومنشاء (یعنی اجتماع عظیم) فوت کرنے، اور اسلام کی شوکت وعظمت میں کمی کرنے کے مترادف ہے، لہذا مسجد کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ نمازیوں سے مشورہ کرنے کے بعد محلّہ کی مسجد میں نماز عید بند کرکے بڑے کی میدان میں نماز عید قائم کرکے اسلام کی شان وشوکت دوبالا کریں، شہر سے باہر بڑا میدان میسر نہ ہوسکے تو بڑے ہال یا بڑے مکان میں پڑھیں ایک ہال اور مکان ناکافی ہو تو ایک سے زائد میں پڑھ سکتے ہیں، کوشش وجستجو کے باوجود ہال اور مکان ناکافی ہو تو ایک سے زائد میں پڑھ سکتے ہیں، کوشش

جستجو کے باجود ہال یا بڑا، کان میسر نہ ہوتو مجبوری کے پیش نظر محلّہ کی مسجد میں گنجائش ہے، مجبوری نہ ہوتو اجازت نہیں، لیکن یہ یادرہے کہ ہر دوگانہ کا امام علیٰحدہ ہونا ضروری ہے یعنی ایک ہی امام دوجگہ نمازِ عید نہیں پڑھا سکتا، نیز عید کے امام کے لئے اعلان کر کے چندہ کرنا بھی غلط ہے، حسب توفیق بطیب خاطر بطور ہدیہ اگر کوئی کچھ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا مسبوق پر تکبیر تشریق واجب ہے:

(سوال ۱۸۳) مسبوق (یعنی جو امام کے ساتھ ایک رکعت کے بعد شریک ہوا ہو) پر تکبیر تشریق واجب ہے یا نہیں؟ مسبوق نے بھول سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا پھر تکبیر تشریق کہی تو نماز ہوگئی یا دوبارہ پڑھنی ہوگی؟

(الجواب) مسبوق پر بھی تکبیر تشریق واجب ہے وہ اپنی بقیہ رکعات پوری کرنے کے بعد کہے گا و کذا یجب علی المسبوق ویکبر بعد ما قضی ما فاته (عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۲ صلاة العیدین) اگر مسبوق نے سہواً امام کے ساتھ سلام پھیر نے کے بعد تکبیر تشریق کہی تو نماز فاسد نہیں ہوئی مگر اپنی بقیہ رکعات پوری کرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے وذکر فی الملتقط ان المسبوق اذا سلم مع امامه و کبر تکبیز التشریق مع امامه سهواً فعلیه السهو (کبیری ص ۴۳۸ صلاة العید) اور سلام پھیرنے کے بعد پھر سے تکبیر تشریق کہنا اولیٰ ہے ولو کبر مع الامام لا تفسد.(قوله لا تفسد) وهل یعیده الظاهر نعم لو قعه منه فی غیر محله.(طحطاوی علی الدر ج۱ ص ۵۲۸ صلوۃ العیدین)فقط واللہ اعلم بالصواب .

نماز عیدین سے پہلے تکبیر تشریق پڑھانا:

(سوال ۱۸۴) ہمارے یہاں امام مسجد نماز عیدین سے قبل تکبیر پڑھاتے ہیں، اگر امام صاحب تکبیر نہ پڑھاویں بلکہ مقتدی پڑھاوے تو اس میں کوئی حرج ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدگاہ پہنچنے سے پہلے پہلے راستہ میں تکبیر پڑھنے کا حکم ہے عیدگاہ پہنچنے کے بعد تکبیرات، ذکر اللہ وغیرہ میں لگ جاوے لیکن جہراً منع ہے سراً پڑھے یا خاموش بیٹھا رہے، امام صاحب یا کسی مقتدی کے تکبیر تشریق پڑھانے پر حاضرین کا پکار کر تکبیر پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عیدگاہ کے قرب وجوار میں قبریں ہوں تو نماز کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۸۵) ہمارے ہاں کی عیدگاہ قبرستان سے متصل ہے، عیدگاہ کی قبلہ والی دیوار دس بارہ فٹ اونچی ہے اس کے پیچھے والے حصہ میں قبریں ہیں ایسے ہی دائیں بائیں حصہ کا لوہے کی سلاخوں سے احاطہ کرلیا ہے، اس کے بیرونی حصہ میں بھی قبریں ہیں، غرض کہ عیدگاہ کے تینوں جہت میں قبریں ہیں لہذا نماز عید میں کوئی خلل واقع ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب قبریں عیدگاہ کی دیوار اور احاطۂ عیدگاہ سے باہر ہیں تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نماز بلاتردد

(۱) ویکبر جهراً اتفاقاً فی الطریق قیل وفی المُصلی وعلیه عمل الناس الیوم لا فی البیت درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۸۴.

درست ہے۔فقط واللہ اعلم۔

نماز عیدین میں مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال؟:

(سوال ۱۸۶) امام کی تکبیرات انتقال کی آواز بذریعہ مکبرین مصلیوں تک پہنچ جاتی ہے مگر امام کی قرأت کی آواز مصلی حضرات تک نہیں پہنچتی لہذا نماز عید میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صحت صلوٰۃ کے لئے امام کی قرأت کا سننا ضروری نہیں، ظہر اور عصر میں امام کی قرأت کہاں سنائی دیتی ہے؟ ایسے ہی مغرب کی تیسری اور عشاء کی تیسری و چوتھی رکعت میں قرأت نہیں سنائی دیتی اس کے باوجود نماز صحیح ہوجاتی ہے، تکبیرات انتقالات کی تبلیغ کے لئے مکبرین کا انتظام کافی ہے، لہذا نماز عید وغیرہ میں امام کی قرأۃ عام مقتدیوں کو سنوانے کے لئے مائک کا استعمال مکروہ ہے۔(۱) یہی مفتی بہ قول ہے ملاحظہ ہو (آلہ المکبر الصوت مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شہر کے بالکل قریب واقع زمین کو عیدگاہ کے لئے قبول کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۸۷) ایک صاحب عیدگاہ کے لئے ایک زمین للہ وقف کرنا چاہتے ہیں مگر وہ زمین شہر کے کنارے پر ہے، بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے فی الحال شہر میں، اور کچھ مدت کے بعد تو درمیان شہر میں آجانے کی پوری امید ہے، اس زمین کو عیدگاہ کے لئے قبول کرنا کیسا ہے؟ اگر قبول کرلیا جائے تو کیا عیدگاہ ہی بنانا وہاں ضروری ہوگا یا دوسرے کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں؟ برائے کرم جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، عیدگاہ شہر سے باہر جنگل میں ہونا چاہئے، یہی سنت ہے، درمختار میں ہے (ثم خروجه ماشیا الی الجبانة) وهی المصلی العام ...... والخروج الیها) ای الجبانة لصلوۃ العید (سنة وان وسعهم الجامع) هو الصحیح (درمختار ص ۷۷ ا ج ۱ باب العیدین)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے (قوله المصلی العام) هوا الذی یکون فی الصحراء افاده' فی البحر ص ۵۶۰ ج ۱ باب العیدین)

عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ میں ہے: ص ۱۷ قوله ویخرج الی المصلی لصیغة المجهول وهو موضع فی الصحراء یصلی فیه صلوۃ العیدین ویقال له الجبانة ...... لکن الخروج الی الجبانة سنة مؤکدۃ (شرح الوقایه ص ۲۴۵ ج ۱، باب العیدین)

مجالس الابرار میں ہے۔ثم الخروج الی الجبانة سنة وان وسعهم الجامع (ص ۲۱۲ مجلس نمبر ۳۳)(فتح القدیر ص ۴۲۳ ج ۱)(کبیری ص ۵۲۹)(فتاوی سراجیه ص ۱۸)

ان تمام عبارتوں میں لفظ جبانہ استعمال کیا گیا ہے اور جبانہ کے معنی جنگل ہوتے ہیں لہذا اس سے ثابت ہوتا

(۱) یعنی خلاف اولیٰ ہے کیونکہ آلہ المکبر الصوت نماز کے درمیان خراب بھی ہوسکتا ہے نیز بے ضرورت آواز بلند کرنا بھی پسندیدہ نہیں ہے اور آج کل لوگ فیشن کے طور پر لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے لگے ہیں اور اتنی آواز بلند کرتے ہیں کہ سارا محلّہ پریشان ہوتا ہے اور بہت سی مرتبہ قرآن پڑھا جاتا ہے اور اہل محلّہ اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں قرآن پاک کوئی سنتا نہیں ہے اس لئے بے ضرورت استعمال سے احتراز بہتر ہے۔ سعید احمد پالنپوری۔

ہے کہ عیدگاہ شہر کے باہر جنگل میں ہونا چاہئے۔

صورت مسئولہ میں جب وہ جگہ شہر کے کنارے پر ہے اور کچھ مدت کے بعد شہر کے درمیان آ جانے کے آثار ہیں تو ایسی صورت میں وہ زمین برائے عیدگاہ قبول نہ کی جائے بلکہ کسی اور دینی مصرف مثلاً اگر وہاں مدرسہ کی ضرورت ہو تو برائے مدرسہ، یا اس جگہ مسجد کی ضرورت ہو تو برائے مسجد قبول کریں، معاملہ فہم، دیندار، ذمہ دار، اور تجربہ کار لوگوں کے مشورہ سے کام کریں۔ ان سب کا جو مشورہ ہو مدرسہ یا مسجد بنوانے کا اس کے لئے قبول کریں، فقط واللہ اعلم۔

عید کی نماز کے لئے جانے والے لوگوں کو نماز سے روکنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۸۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ عیدالاضحیٰ کے دن مسلمان نماز عید کے لئے جا رہے ہوں ان میں کوئی شخص لوگوں کو روک کر ایک جگہ بٹھائے رکھے اور عیدگاہ یا کہیں مسجد میں نہ جانے دے اور کہہ دے کہ فلاں ابن فلاں جو حج کے لئے گیا ہے اس نے وہاں نماز پڑھی ہوگی، اس لئے تم سب کی نماز ہو گئی، اب تمہیں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، مندرجہ بالا طریقہ سے لوگوں کی نماز چھڑا دے، ایسے نماز چھڑانے والے اور اس قسم کے عقائد رکھنے والے شخص کو از روئے شریعت مطہرہ کیا کہیں گے؟ اس کا نکاح فاسد ہوتا ہے یا نہیں اور وہ مسلمان رہتا ہے یا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔ از جام نگر۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: نمازیوں کو عید کے روز سربسجود اور دست بدعاء ہونے سے روکنے والا شخص کمال درجہ کا سرکش اور گمراہ ہے، شیطان لعین اور ابوجہل مردود کا پیرو اور کافرانہ فعل کا مرتکب ہے اور وعید شدید ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا کا مصداق اور لہم فی الدنیا خزی ولہم فی الآخرۃ عذاب عظیم کا مستحق ہے، اس پر توبہ لازم ہے، مگر اس پر مرتد ہو جانے اور فسخ نکاح کا حکم نہیں کیا جائے گا فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۵۹ء۔

عید کی نماز سے پہلے عیدگاہ میں تقریر اور بیان کا پروگرام افضل ہے یا تکبیر تشریق پڑھنا پڑھانا:

(سوال ۱۸۹) عید کے دن نماز سے قبل تقریر کریں تو لوگ تکبیر تشریق نہیں پڑھ سکتے۔ تو سوال یہ ہے کہ تقریر کا پروگرام نہ رکھتے ہوئے تکبیر تشریق ہی پڑھنے دیا جائے یا تقریر کا پروگرام رکھا جائے؟ افضل کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، عیدگاہ جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے تکبیر مستحب ہے، عیدگاہ پہنچ کر تکبیر موقوف کر دینی چاہئے، اگر عیدگاہ میں آہستہ کہے تو گنجائش ہے، اس لئے روکا بھی نہ جائے ویقطعہ ای التکبیر اذا انتھی الی المصلیٰ فی روایۃ جزم بہا فی الدرایۃ، وفی روایۃ اذا افتتح الصلوۃ کذا فی الکافی وعلیہ عمل الناس قال ابوجعفر وبہ ناخذ (مراقی الفلاح ص ۱۰۶ باب العیدین)

تقریر کے پروگرام سے مراد ضروری احکام بیان کرنے کا پروگرام ہے تو افضل اور مستحسن ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۳ رمضان ۱۳۸۲ھ۔

ایام نحر میں تکبیر تشریق جہراً کہنی چاہئے:

(سوال ۱۹۰) عیدالاضحیٰ میں جو ساڑھے تین دن تکبیرات پڑھی جاتی ہیں بعد جماعت کے وہ آہستہ پڑھی جاویں یا بلند آواز سے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! تکبیر تشریق جہراً اور بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے، والتشریق ھو الجھر بالتکبیر (ھدایہ ج ۱ ص ۵۵ باب العیدین) فلیستحب رفع الصوت بہ۔ (شرح النقایہ ج ۱ ص ۱۳۰) بگوید یک بار بآواز بلند، یعنی تکبیر تشریق جہراً اور بلند آواز سے کہنی چاہئے۔ (مالابد منہ ص ۵۱) لیکن چیخنا اور چلانا اور بتکلف آواز نکالنا مکروہ اور ممنوع ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید کا عیدگاہ میں سنت مؤکدہ ہونا اور اس کے تارک کا حکم:

(سوال ۱۹۱) (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ یا افضل ہے؟

(۲) اگر سنت مؤکدہ ہو تو اس کے دلائل فقہ کی معتبر کتابوں سے مع حوالہ صفحات تحریر کریں۔

(۳) اگر سنت ہے تو اس کا تارک گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! (۱۔۲) عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ متوارثہ ہے، آنحضرت ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کے باوجود علی سبیل المواظبۃ بر سبیل عبادت عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا فرماتے رہے، صرف ایک دفعہ بوجہ بارش آپ نے مسجد میں پڑھی ہے، زاد المعاد میں ہے: کان صلی اللہ علیہ وسلم یصلی العیدین فی المصلی۔ الیٰ قولہ۔ ولم یصل العید بمسجدہ الا مرۃ واحدۃ اصابھم مطر فصلی بھم العید فی المسجد (ج ۱ ص ۲۴ باب العیدین)

اور کتاب المدخل میں ہے: السنۃ المرضیۃ فی صلاۃ العیدین ان تکون فی المصلیٰ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلاۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلوۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام ثم مع ھذہ الفضیلۃ العظیمۃ خرج صلی اللہ علیہ وسلم الی المصلی لصلوۃ العیدین فھی سنۃ (ج ۲ ص ۸۲ باب العیدین)

(۳) ہاں نماز عید کے لئے عیدگاہ جانا سنت ہے بلا عذر اس کا تارک لائق ملامت اور مستحق عتاب ہے اور ترک کرنے کا عادی گنہگار ہوتا ہے، درمختار ہے ویاثم بارتکابہ کما یاثم بترک الواجب ومثلہ السنۃ المؤکدۃ یعنی مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے آدمی گنہگار ہوتا ہے جس طرح ترک واجب سے گنہگار ہوتا ہے اور سنت مؤکدہ کا بھی یہی حکم ہے (شامی ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب الحظر والاباحۃ) ...... شہر سے عیدگاہ دور ہونے کی وجہ سے ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو ان کے لئے مسجد میں انتظام کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، ثم الخروج الی الجبانۃ سنۃ وان وسعھم الجامع لکن یستخلف الامام من یصلی بالضعفاء والمرضی بناء علی ان صلاۃ العید فی الموضعین جائزۃ بالاتفاق الخ یعنی عیدگاہ جانا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش

ہو جاتی ہو لیکن امام کسی کو امام نائب اور خلیفہ بنا جائے جو شہر میں کمزوروں اور بیماروں کو نماز پڑھائے اس لئے کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو جگہ بالا تفاق جائز ہے (مجالس الابرار ص ۲۱۲ و ص ۳۳۴) فقط واللہ اعلم بالصواب، ۱۳ شوال ۱۳۷۹ھ۔

عیدگاہ میں نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:

(سوال ۱۹۲) بعد سلام مسنون ذیل کے سوالات کے جوابات مع حوالہ قرآن و حدیث مرحمت فرمائیں۔

ہمارے گاؤں میں سات سو ۷۰۰، آٹھ سو ۸۰۰ مسلمان ہیں۔ گاؤں میں ایک مسجد اور ایک عیدگاہ ہے۔ بارش کے موسم کے علاوہ دوسرے اوقات میں نماز عید عیدگاہ میں ہوتی ہے۔ چند آدمی نماز عید کے لئے وقت مقرر کرتے ہیں۔ جب وقت ہوتا ہے تو اس وقت قریب بعید سے لوگ آتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض لوگ آواز دیتے ہیں کہ نماز کا وقت وقت ہو گیا شروع کیجئے۔ امام صاحب سمجھاتے ہیں کہ ان کی نماز فوت ہو جائے گی تو یہ دوبارہ نماز عید نہ پڑھ سکیں گے۔ ایسی حالت میں پانچ دس منٹ تاخیر کی جائے تو کیا حرج ہے؟ اگر تاخیر کی گنجائش ہو اور لوگوں کے کہنے پر نماز شروع کی جائے تو گنہگار کون؟ امام صاحب یا جلد باز اصرار کرنے والے۔

(الجواب) مندرہ ذیل ہدایات پر عمل کیا جائے تو کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

(۱) نماز عید کا وقت ایسا ہونا چاہئے کہ نماز فجر سے فارغ ہو کر بطریق مسنون لوگ تیاری کر کے عیدگاہ پہنچ جائیں۔

(۲) عید کے موقعہ پر کچھ لوگوں کا پیچھے رہ جانا متوقع ہے۔ لہذا امام اور حاضرین کو چاہئے کہ عجلت نہ کریں وقت مقررہ کے بعد بھی پانچ سات منٹ ٹھہر کر نماز شروع کی جائے۔ بے شک حاضرین کو ایسے موقع پر ذرضبط اور صبر سے کام لینا چاہئے۔ امام صاحب کو مشورہ تو دے سکتے ہیں۔ لیکن نماز شروع کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ امام کی بھی ذمہ داری ہے کہ حاضرین کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کی رعایت کرے اور قرأت خطبہ میں اختصار کر کے تلافی مافات کرے۔ سال میں دو موقعہ آتے ہیں کہ بے نمازی بھی شرکت کرتے ہیں۔ ضعیف بیمار اور معذورین بھی ہوتے ہیں۔ نماز فوت ہو گئی تو بڑی برکتوں سے محروم رہیں گے۔ لہذا قدرے انتظار کیا جائے اور تعاونوا علی البر پر عمل کر کے اجر کا مستحق بنا جائے البتہ جو آخری وقت میں آنے کے عادی ہیں اور ان کو حاضرین کی تکلیف کا احساس نہیں ہے۔ اور اپنی نماز کی بھی فکر نہیں ہے۔ "جاتے ہیں جاتے ہیں۔" اس طرح اپنا انتظار کراتے ہیں۔ ایسے غافل کاہل اور سست لوگوں کا انتظار کرنا۔ ان کی عادت کو بگاڑنا ہے۔

وفی المنتقی ان تاخیر المؤذن وتطویل القراءۃ لادراک بعض الناس حرام ھذا اذا مال لاھل الدنیا تطویلاً وتاخیراً یشق علی الناس فالحاصل ان التاخیر القلیل لاعانۃ اھل الخیر غیر مکروہ (شامی ص ۴۶۳ ج ۱)(مکروھات الصلاۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

مسائل تراویح

تراویح میں دو ۲ رکعت پر قعدہ نہیں کیا:

(سوال ۱۹۳) امام تراویح نے دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا چار رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کیا۔ اور سلام پھیرا تو نماز ہو گئی یا اعادہ واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح کی دو رکعتیں ہوئیں اور دو رکعت نفل ہوئیں۔ لکن صححوا فی التراویح انہ لو صلاھا کلھا بقعدۃ واحدۃ وتسلیمۃ انھا تجزئ عن رکعتین فقد اختلف التصحیح. (شامی ص ۶۵۲ ج ۱ باب الوتر والنوافل بحث المسائل الستۃ عشریۃ ﷺ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

تراویح پڑھی اور روزہ نہ رکھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۹۴) ایک شخص نے تراویح پڑھی اور بلا عذر روزہ نہ رکھا۔ تو اس کی نماز تراویح مقبول ہے یا نہیں؟

(الجواب) قبولیت کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔ فقہی گویا قانونی لحاظ سے نماز تراویح کو جائز کہا جائے گا۔ کیونکہ نماز تراویح کے جواز کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں، مگر بلا عذر رمضان کا روزہ چھوڑنا ایسا بڑا گناہ ہے کہ اس کی بناء پر تراویح کا ثواب بھی سوخت ہو جائے تو تعجب نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے من افطر یوما من رمضان من غیر رخصۃ ولا مرض لم یقض عنہ صوم الدھر کلہ وان صامہ (رواہ اصحاب السنن. مشکوۃ الشریف باب تنزیھۃ الصوم کتاب الصوم باب تنزیھۃ الصوم ص ۱۷۷) یعنی جس شخص نے کسی ایسے عذر کے بغیر جو شرعاً معتبر ہو۔ مثلاً مسافر ہو یا بیمار ہو رمضان شریف کے کسی ایک دن کا روزہ نہ رکھا تو اگر اب عمر بھی روزہ رکھتا رہے تب بھی اس فضیلت کی تلافی نہیں کر سکتا جو ایک دن کا روزہ چھوڑنے سے فوت ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح پڑھانے والا پابند شرع نہ ہو تو شرعی حکم:

(سوال ۱۹۵) ذیل میں مذکورۃ الصفات کے پیچھے تراویح صحیح ہے یا نہیں؟ (۱) خلاف سنت داڑھی رکھنے والے کے پیچھے (۲) سرکاری ملازم یا اسکول کے ٹیچر (تعلیم دینے والے) حافظ کے پیچھے (۳) دکاندار ہو یعنی سودی رقم سے بلیک مارکیٹ کرتا ہو، ناجائز طریقہ سے تجارت کرتا ہو اس کے پیچھے تراویح صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) خلاف سنت داڑھی والا، سودی معاملہ کرنے والا اور ناجائز طریقہ سے تجارت کرنے والا شخص امامت کے قابل نہیں ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ لیکن حاضرین میں سے کوئی دوسرا شخص ایسا بھی نہ ہو تو تنہا پڑھنے کے بجائے ایسے امام کے پیچھے پڑھ لینی چاہئے۔ کیونکہ جماعت کی بڑی فضیلت اور تاکید ہے۔ [1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قولہ وفاسق من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ وھل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربا ونحو ذلک. شامی باب الامامت. ج ۱ ص ۵۲۳.

تراویح پڑھنے والے کو لقمہ کون دے؟:

(سوال ۱۹۶) حافظ صاحب تراویح میں غلطی کرے اور سامع اچھی طرح نہ بتا سکے تب دوسری تیسری صف میں سے کوئی لقمہ دے تو کچھ حرج ہے؟ امام صاحب کہہ رہے ہیں کہ لقمہ دینا ہو تو پہلی صف میں کھڑا رہے تو اگر دیر سے آنے والے حافظ صاحب کو پہلی صف میں جگہ نہ ملے تو کیا اس کو لقمہ دینے کا حق نہیں؟

(الجواب) اگر سامع مقرر ہے تو اسکو غلطی بتانی چاہئے۔ کسی دوسرے کو جلدی نہ کرنا چاہئے اس سے نماز میں انتشار اور ایک طرح کی گڑبڑ ہوجاتی ہے۔ البتہ اگر سامع نہ بتا سکے یا اچھی طرح نہ بتائے۔ تو اب جو بھی اچھی طرح بتا سکے اس پر غلطی کی اصلاح کرنا فرض ہے خواہ وہ کسی صف میں ہو۔ قریب ہو یا دور ہو۔ اس پر فرض ہے کہ غلطی کی اصلاح کرے اگر اصلاح نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ نماز میں امام کےساتھ شریک ہو۔ جو نماز میں شریک نہ ہو اس نے اگر غلطی بتائی اور امام نے اس کی غلطی کے بتانے (لقمہ دینے سے اصلاح کی۔ تو امام کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیس ۲۰ رکعت تراویح سنت مؤکدہ

سامرودی صاحب کے اعتراضات اور مفصل جوابات

(سوال ۱۹۷) مکرمی حضرت مفتی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ ایک غیر مقلد مولوی عبدالجلیل صاحب سامرودی نے ہنگامہ برپا کر رکھا ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح ثابت نہیں ہیں ان کا ایک اشتہار گجراتی اخبار پرتاپ میں شائع ہوا ہے جس میں چیلنج دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت کسی ضعیف حدیث سے بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔

سامرودی صاحب نے فقہ احناف کی کتابوں۔ طحطاوی۔ مراقی الفلاح۔ فتح القدیر۔ عینی۔ کبیری وغیرہ وغیرہ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ ان میں بھی آنحضرت ﷺ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت نہیں ہے ان کتابوں کی عبارتیں بھی نقل کی ہیں۔ انہیں سامرودی صاحب نے اپنی کتاب نبی کی نماز میں لکھا ہے:۔

دوستو! اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ نبی صاحب ﷺ نے بیس رکعات تو پڑھی ہی نہیں ہیں۔ البتہ لوگوں (صحابہ) نے بعد میں زیادہ (بیس رکعات تراویح) پڑھی ہیں۔ اب یہی سوچنا اور انصاف کرنا ہے کہ ہمارے لئے خدا پاک نے نبی صاحب ﷺ ہی کی فرمانبرداری اور تابعداری کرنی فرض قرار دی ہے یا کہ لوگوں (صحابہ) کی؟ دین اسلام شریعت کی قائم کرنے کا حق کیا خدا پاک نے کسی امتیوں کو دیا ہے؟ لوگ (صحابہ) کا زیادہ مقدار (۲۰ رکعات) تراویح پڑھنے پر دھوکہ نہ کھانا۔ (نبی ﷺ کی نماز گجراتی ص ۵۴)

مہربانی فرما کر تراویح کی بیس رکعات کے متعلق تفصیل سے تحریر فرمائیے، لوگوں میں بہت انتشار اور تشویش ہے۔ بینوا توجروا۔

اس قسم کے سوالات محترم جناب حکیم احمد میاں صاحب مدظلہ و مکرم جناب حافظ غلام محمد شیخ محمد چیچی صاحب سورتی و مکرم جناب عبدالشکور وغیرہ کی جانب سے ہوتے رہے ہیں طوالت کے خوف سے سب کو نقل نہیں کیا گیا، خلاصہ لکھ دیا گیا ہے۔ (مرتب)

(الجواب) (بعون اللہ تعالیٰ وارشادہ)

آج جبکہ مسلمانوں کی اکثریت بے نمازی ہے، تراویح کی پابند نہیں، مساجد ویران اور تھوڑ آباد ہیں تو بیس رکعت کے خلاف گمراہ کن بحث مباحثہ اور چیلنج یہ اسلام کی کونسی خدمت ہے؟

شعر:۔

گر معلم ایں چنیں گر مقتن ایں چنیں
الوداع اے سنت دیں الفراق اے ورع دیں

افسوس عین اس وقت جب کہ جبل پور وغیرہ میں مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے اور ساری دنیا کے مسلمان بےچین ہو کر ان مظلومین کی امداد کی فکر میں لگے ہوئے تھے تب یہ سامرودی صاحب بیس رکعت کے خلاف ہزار روپے کے انعام کی چیلنج پر چیلنج دے رہے تھے۔

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت مگر یہ ادا نہ دے

ان کی اس طرح کی نازیبا حرکتوں نے ان کی جماعت کو بدنام و رسوا کر دیا ہے، جس کی بناء پر ان کی جماعت کے سنجیدہ اور سمجھدار لوگ ان سے سخت بیزار ہیں اور ان کو بجائے سامرودی کے "سامری" (موسیٰ کے زمانے کا چالباز منافق) کہنے اور لکھنے لگے ہیں اخبار ترجمان، دہلی کے ایڈیٹر صاحب ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء کے شمارہ میں "فتنہ سامری" کے زیر عنوان تحریر کرتے ہیں کہ "اس عجیب انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہنگامہ پسندی اس کا خاص شعار ہے ان کی زندگی کے حالات ہنگامہ آرائی، اندیشوں اور فتنوں کی ہوا خیزی اور ساکن فضا میں تموج انگیزی سے ہیں۔ ان کی نسبت (سامرودی) ایک فتنہ خیز و شر انگیز "سامری" کے ہمنام ہو کر رہ گئی ہے۔ (از رکعت تراویح جدید ایڈیشن حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ ص ۸۷)

ان سامرودی صاحب کا اہل حدیث کے پیشوا مولانا ثناء اللہ کی شان میں کیا ہوا بکواس مولانا ثناء اللہ صاحب عقیدۂ اہل حدیث ہرگز نہ تھے عقیدۂ معتزلہ جہمیہ نیچرل تھے (ملاحظہ ہو) ترجمان دہلی ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء)۔

جو لوگ صحیح علم و فہم سے محروم برخود غلط کم عقل اور ناقص العلوم ہوتے ہیں، جن کے سامنے دین کی ایک ناتمام حقیقت اور صرف ایک پرچھائی ہوتی ہے۔ جس کو وہ دین کامل گمان کرتے ہیں وہ ہمیشہ فساد کے بیج بویا کرتے ہیں اور فتنے برپا کیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

دست ناقص دست شیطان است دیو
زانکہ اندر دام تکلیف دیو

ناقص شخص کا ہاتھ شیطان دیو کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ یہ ناقص دیو ہے۔ جو تکلیف کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔(۱)

خوارج ناقص اور سطحی علم رکھتے تھے ان کے سامنے دین کی حقیقت ناتمام تھی، اسی کو دین کامل سمجھتے تھے۔ قرآن حکیم کی ایک آیت ان الحکم الا للہ کے الفاظ کو بہانہ بنا کر خلیفہ راشد حضرت علیؓ پر الزام لگایا کہ وہ معاذ اللہ قرآن پاک کی حکم عدولی کر رہے ہیں لہذا وہ بھی معاذ اللہ گمراہ اور کافر اور ان کے ساتھی بھی کافر پھر ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ قرآن ان کی زبان پر تھا مگر دل اس کی تاثیر سے محروم اور دماغ اس کے سمجھنے سے قاصر۔ انہیں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی تھی یقرئون القران لا یجاوز حنا جرھم (الحدیث) قرآن پڑھیں گے مگر یہ قرآن ان کے چنبرۂ گردن (ہنسلیوں) سے آگے نہیں بڑھے گا (نہ دل پر اثر کرے گا اور نہ عند اللہ قبولیت کی منزل پر پہنچے گا۔(بخاری شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کو سمجھانے کے لئے تشریف لے گئے، آپ نے دریافت فرمایا حضرت علیؓ کے بارے میں تمہیں کیا اعتراض ہے؟ جواب دیا کہ وہ دین کے بارے میں لوگوں کو حکم بناتے ہیں اور انسان کے فیصلے کا اعتبار کرتے ہیں جو قرآن کی صریح خلاف ورزی ہے قرآن میں ہے ان الحکم الا للہ سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ خود قرآن میں انسان کو حکم بنانے کا حکم موجود ہے مثلاً حالت احرام میں اگر کوئی شکار کر لے تو اس کے لئے خدائے پاک نے جزا مقرر فرمائی ہے مثل ما قتل۔ یعنی مارے ہوئے جانور کا مثل اور مماثلت کا فیصلہ دو عادل مسلمانوں کے حوالے کیا ہے " یحکم به ذوا عدل منکم "اسی طرح میاں بیوی کے نزاع کی صورت میں ارشاد ربانی ہے فابعثوا حکماً من اھله وحکما من اھلھا (سورۂ نساء) یعنی ایک حکم مرد کے کنبہ کا اور ایک حکم عورت کے کنبہ کا بھیجو (فیصلہ ان کے حوالے کر دو۔)

سامرودی صاحب بھی قران کے معنی ومطلب کو سمجھے بغیر اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کا ورد کرتے ہیں اور حدیث حدیث پکارتے رہتے ہیں۔ مگر قرآن پاک کی دوسری آیات واحادیث اور تعامل صحابہؓ وغیرہ سے آنکھ بند کر لیتے ہیں

خوارج نے حضرت علیؓ اور ان کے رفقاء کرام کو معاذ اللہ گمراہ کہا تھا مگر سامری صاحب ان تمام اہل ایمان اور حاملان دین کو جو تیرہ سو برس سے تراویح کی بیس رکعتیں پڑھ رہے ہیں۔ جن میں صحابہ کرام۔ تابعین وتبع تابعین اور دین کے تمام مقدس بزرگ اولیاء اللہ مشائخ طریقت حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد حنبلؒ وغیرہ سب داخل ہیں سب کو مخالفین سنت اور مخالفین حدیث اور معاذ اللہ گمراہ ثابت کرتے ہیں اور تعامل صحابہؓ پر عمل کر کے بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنے کو فریب خوری قرار دیتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)

شعر:۔

انقلاب چمن دہر کی دیکھی تکمیل
آج قارون بھی کہہ دیتا ہے حاتم کو بخیل

(۱) یعنی یہ ناقص العلم شخص بظاہر انسان ہے، جس پر شریعت کے احکام نافذ ہیں اور وہ نمائشی طور پر ان پر عمل بھی کرتا ہے مگر درحقیقت اس کا نفس خبیث ایک دیو ہے اور یہ احکام شریعت کی پابندی دل سے نہیں کرتا بلکہ اس طرح کرتا ہے جیسے کسی دیو یا جن کو گرفتار کر لیا جائے اور وہ تعمیل پر مجبور ہو پس ایسے ناقص شخص کے ہاتھ میں اگر ہاتھ دے دیا گیا تو ظاہر ہے اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کر دیا۔(معاذ اللہ)

بو حنیفہ کو کہے طفل و بستان جاہل
مہ تاباں کو دکھانے لگی مشعل قندیل
حسن یوسف میں بتانے لگا ابرص سو عیب
لگ گئے چیونٹی کو پر کہنے لگی ہیچ ہے فیل
شرک توحید کو کہنے لگے اہل تثلیث
لوح محفوظ کو کہتی ہے محرف انجیل
سامری موسیٰ عمران کو کہے جادو گر
شیخ کی کرتے ہیں اسکول کے بچے تجہیل
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان
طوق زریں ہے گدھے کے لئے عزت کی دلیل

مولوی سامرودی صاحب کے اشتہارات اور چیلنج کے مثال وہی ہے وانتم سکاریٰ کو حذف کر کے لا تقربوا الصلوۃ سے استدلال کیا جائے (نماز کے پاس نہ جاو) یا شوق شراب کی خرمستی میں "ولا تسرفوا" فراموش کر دیا جائے اور کلوا واشربوا کو بار بار دھرایا جائے۔ اکبرالہ آبادی نے ایسے خود فراموشوں کی یاوہ گوئی نقل کر کے خوب جواب دیا ہے:۔

(دلیل) توبہ جب ہم کریں شراب وکباب سے　　قرآن میں جو آیا کلوا واشربوا نہ ہو
(الجواب) تسلیم قول آپ کا تب ہم کریں جناب　　کلوا واشربوا کے آگے ولا تسرفوا نہ ہو

خدا کی پناہ۔ انتہا ہو گئی اس جرأت اور دیدہ دلیری کی جو سامرودی صاحب نے اختیار کی ہے آپ نے اپنے اشتہارات میں طحطاوی، اشباہ، مراقی الفلاح حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی کتاب "مکتوبات" مولانا انور شاہ صاحبؒ کی عرف شذی، علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر، علامہ عینی کی شرح بخاری علامہ حلبیؒ کی کبیری، ملا علی قاریؒ کی مرقاۃ اور طحطاوی شریف کے حوالے دیئے ہیں۔ مگر تعجب اور حد درجہ تعجب ہے کہ جو عبارتیں نقل کی ہیں۔ ناقص۔ تراشیدہ۔ منشاء اور مقصد کے سراسر خلاف۔

چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد

ملاحظہ فرمایئے اور دیدہ دلیری کی داد دیجئے۔ ہر ایک کی کتاب کی مثال پیش کی جاری ہے ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ.

(ا) طحطاوی:

(ا) علامہ طحطاویؒ طویل بحث کے بعد تحریر فرماتے ہیں فعلی ھذا یکون عشرون ثابتاً من فعله صلی اللہ علیه وسلم یعنی حدیث ابن عباسؓ کی بنا پر بیس ۲۰ رکعت آنحضرت ﷺ کے فعل سے ثابت ہیں (طحاوی، شرح در مختار ج ا ص ۲۶۶ صلاۃ التراویح) نیز تحریر فرماتے ہیں بیس رکعت تراویح دس۔ ۱۰ تسلیمات سے

متوارث ہے یعنی زمانہ سلف سے آج تک اس پر برابر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے (ج ا ص ۴۶۸ صلوۃ التراویح)

(۲) مراقی الفلاح:

میں ہے۔ التراویح سنة موکدہ وھی عشرون رکعة باجماع الصحابة رضی اللہ عنھم بعشر تسلیمات کما ھو المتوارث یعنی تراویح سنت موکدہ ہے اور اجماع صحابہؓ کے بموجب اس کی بیس ۲۰ رکعتیں ہیں دس سلاموں سے، جیسا کہ زمانہ سلف سے سلسلہ وار برابر چلا آ رہا ہے (باب التراویح ص ۸۱)

(۳) الاشباہ والنظائر:

والتراویح عشرون رکعةً بعشر تسلیمات یعنی تراویح بیس ۲۰ رکعت ہیں دس سلام سے (اشباہ مع شرح حموی ص ۴۷ صلاۃ التراویح)

(۴) لطائف قاسمی:

حضرت مولانا محمد قاسمؒ لطائف قاسمی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(الجواب) (۱) اینکہ ہر چہ صحابہؓ براں مواظبت فرمودہ باشد سنت موکدہ میباشد بقولہ علیہ السلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین (مکتوب سوم ج ا ص ۱۶) (یعنی) جس (بات) پر صحابہ کرامؓ نے مواظبت کی ہے (جس کو وہ ہمیشہ کرتے رہے ہیں) وہ سنت موکدہ ہوتی ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے علیکم بسنتی الخ)

(الجواب) (۲) الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابہؓ در آخر زمان عمرؓ ثابت شدہ، پس سنت باشد و کسے کہ از سنیت آں انکار دارد خطا است (مکتوب سوم ص ۱۸)

الحاصل بیس رکعت تراویح کا ثبوت حضرت عمرؓ کے آخری دور میں باجماع صحابہ ہو چکا ہے لہذا بیس رکعت سنت ہے اور جو کوئی بیس رکعت کی سنیت سے انکار کرے وہ خطا اور غلطی پر ہے (ص ۹) اس کے علاوہ تصفیۃ العقائد میں آپ کا فتویٰ موجود ہے جو آخر میں مع سوال پیش کیا جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے ص ۳۴۲۔

(۵) حضرت علامہ انور کشمیریؒ:

آپ کی مطبوعہ تقریر ترمذی المعروف "عرف شذی" میں ہے لم یقل احد من الائمة الاربعة باقل من عشرین رکعة والیہ جمھور الصحابة رضی اللہ عنھم یعنی چاروں اماموں سے کوئی ایک بھی تراویح کی بیس ۲۰ رکعت سے کم کا قائل نہیں۔ جمہور صحابہ کا عمل اور عقیدہ بھی یہی تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ بیس ۲۰ سے بھی زیادہ ۳۶ رکعات کے قائل ہیں (عرف الشذی ج ا ص ۳۲۹ کتاب الصوم باب الترغیب فی قیام شھر رمضان وما جاء فیہ من الفضل) عرف الشذی میں یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ کے مسلک کے بموجب جماعت کے ساتھ تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں ہی پڑھی جائیں گی مگر اہل مدینہ کا تعامل اور عام طریقہ یہ تھا کہ وہ ترویحہ میں یعنی چار رکعت پڑھ کر امام صاحب بیٹھتے تھے تو اس وقفہ میں چار رکعت اور پڑھ لیا کرتے تھے۔ جو حضرات مکہ معظمہ میں حرم شریف میں

28

تراویح پڑھتے تھے وہ اس ترویحہ کے وقفہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر لیا کرتے تھے۔ اہل مدینہ خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے تھے تو وہ اس کا تدارک اس طرح کرتے تھے کہ چار ترویحوں میں سولہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے (العرف الشذی ص ۳۲۹)۔

(۶) علامہ ابن ہمام:

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں، سند صحیح سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں صحابہؓ وغیرہ (تابعینؒ) بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے جو یزید ابن رومان سے مؤطا امام مالکؒ میں مروی ہے اور بیہقی نے حضرت سائب ابن یزید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں ہم بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے۔ جس کی سند صحیح ہونے کی تحقیق امام نوویؒ نے خلاصہ میں کی ہے۔ (فتح القدیر ج ا ص ۴۰۷ باب قیام شہر رمضان)

(۷) عینی شرح بخاری:

علامہ عینی شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں کہ تعداد تراویح بیس رکعت ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں ان سب کی دلیل وہ روایت ہے جس کو بیہقی نے بسند صحیح حضرت سائب ابن یزیدؓ سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے۔ پھر فرماتے ہیں اتباع کے لئے افضل و انسب طریقہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین کا ہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ج۷ ص ۱۷۸ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۸) علامہ حلبیؒ:

علامہ حلبی کبیری میں فرماتے ہیں۔ علم من ھذہ المسئلة ان التراویح عندنا عشرون رکعة بعشر تسلیمات وھو مذھب الجمھور وعند مالک ستة وثلثون رکعة احتجاجاً بعمل اھل المدینة وللجمھور ما رواہ البیھقیؒ باسناد صحیح عن السائب ابن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر رضی اللہ عنہ بعشرین رکعة وعثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ مثلہ وھذا کالاجماع۔ یعنی بحث مذکور سے معلوم ہوا کہ بے شک ہمارے نزدیک تراویح بیس رکعت ہے، دس تسلیمات سے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعت ہے۔ وہ اہل مدینہ کے تعامل سے استدلال کرتے ہیں اور جمہور کی دلیل وہ روایت ہے جس کو امام بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے نیز حضرت عثمان وعلی (رضی اللہ عنہما) کے دور میں۔ اور مؤطا میں یزید ابن رومان سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ رمضان میں تیئیس ۲۳ رکعت وتروں سمیت پڑھا کرتے تھے، اور کتاب "المغنی" میں حضرت علیؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو بیس ۲۰ رکعتیں پڑھائیں۔ فرمایا یہ مثل اجماع کے ہے۔ ابن رومان کی روایت اگرچہ منقطع ہے مگر امام مالکؒ کے نزدیک حجت ہے اس لئے معتبر ہے۔ (کبیری ص ۳۸۸ صلوۃ تراویح تحت قولہ والصحیح انھم یصلون فرادی)

(۹) علامہ ملا علی قاریؒ:

علامہ ملا علی قاریؒ شرح النقایہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ فصار اجماعاً لما روی البیهقی باسناد صحیح انهم كانوا يقومون على عهد عمر رضي الله عنه بعشرين ركعة وعثمان رضي الله عنه وعلي رضي الله عنه . یعنی امام بیہقیؒ نے بسند صحیح حضرت عمرؓ کے زمانے میں اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بیس ۲۰ رکعت پڑھنے کی روایت کی ہے لہٰذا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔(شرح النقایہ ج ۱ ص ۱۰۴ صلوٰۃ تراویح)

(۱۰) طحاوی شریف:

بے شک امام طحاویؒ نے تین رکعت وتر کے سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ تراویح کی رکعتیں ۸ تھیں۔ لیکن اگر امام موصوف اس کے قائل تھے تو ان کو یہ روایت تراویح کے بیان میں نقل کرنی چاہئے تھی مگر وہاں نقل نہیں کی کیونکہ معلوم تھا کہ تراویح کی بیس رکعت پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔[۱]

اب حدیث اور حضرات محدثین ومجتہدین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

احادیث اور حضرات محدثین وائمہ مجتہدین کے اقوال وارشادات

سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي في شهر رمضان في غير جماعة عشرين ركعة والوتر ۔ بے شک آنحضرت ﷺ ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔(ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوة. باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو "ابن ابی شیبہ" نے مصنف میں، طبرانی نے کبیر میں ابن عدی نے مسند میں، اور بغوی نے مجمع صحابہ میں نقل کیا ہے۔ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. زجاجة المصابيح ج ۱ ص ۳۶۶ باب قيام شهر رمضان.

حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام رافعی رحمہ اللہ کے واسطہ سے نقل کیا ہے انه صلى الله عليه وسلم صلى بالناس عشرين ركعةً ليلتين فلما كان في الليلة الثالثة اجتمع الناس فلم يخرج اليهم ثم قال من الغداني خشيت ان تفرض عليكم فلا تطيقونها من حديث عائشة دون عدد الركعات.

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ نے دو رات بیس بیس رکعتیں پڑھائیں۔ جب تیسری رات ہوئی تو لوگ جمع ہوئے مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہ لائے پھر صبح کو فرمایا۔ مجھے خیال ہوگیا کہ تم پر فرض ہو جائے گی تو تم اس کو نبھا نہ سکوگے۔

(۱) روایت یہ ہے عن السائب بن يزيد قال امر عمر بن الخطاب أبي بن كعب وتميما الداري ان يقوما للناس باحدى عشرة ركعة قال فكان القارى يقرء بالمئين حتى يعتمد على العصى من طول القيام وما كنا ننصرف الا في فروع الفجر معاني الآثار للطحاوي باب الوتر ص ۲۰۵ روایت کا آخری جملہ وما کنا ننصرف الخ بتارہا ہے کہ یہ صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد سے متعلق ہے تراویح سے نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں متفق علی صحته اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے تلخيص الحبير في تخريج احاديث الرافع الكبير ج ۱ ص ۱۱۹ الحاوی للفتاوى ج ۲ ص ۷۵ اللوامع الدراری شرح صحیح البخاری ص ۱۵۵. ۱۵۶ باب قيام النبي بالليل في رمضان وغيره ونحو في العناية على مستخلص الحقائق ص ۲۰۴ للمحدث الفقيه شيخ اكمل الدين رحمه الله وهكذا قال الفقيه المحدث السيد جلال الدين الكرلاني الخوارزمي في الكفاية مع الهداية ج ۱ ص ۱۶۳ فصل في التراويح.

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب روض الریاض میں ہے والتراويح سنة مؤكدة عشرون ركعة بما روى ابو بكر عبد العزيز الشافعي عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي في شهر رمضان عشرين ركعة (ونحوه في فتاوى قاضي خان ج ۱ ص ۱۱۰ صلوة التراويح)

سامرودی صاحب کے ہم مشرب، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے مگر اس کو بھول جاتے ہیں کہ سند کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اختلاف ہو۔ مثلاً یہ کہ آنحضرت ﷺ نے آمین بالجہر فرمائی یا بالسر اور جہاں اختلاف ہی نہ ہو حضرات صحابہ کے دور مقدس سے لے کر آج تک ان تمام علماء محدثین اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام کا اتفاق پایا جاتا ہو جن پر امت اعتماد کرتی ہے یہ اتفاق یہ عمل تواتر اور تلقی بالقبول خود سند اور نہایت قابل وثوق سند ہے، چنانچہ ایسے اقتباسات ہزاروں پیش کئے جاسکتے ہیں جن سے تلقی بالقبول ثابت ہوتا ہے۔ ہم یہاں صرف چند پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) امام ترمذیؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ نیز دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت سفیان ثوریؒ (المتوفی ۱۶۱ھ) حضرت ابن المبارکؒ (المتوفی ۱۸۱ھ) حضرت امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) تراویح میں بیس رکعت کے قائل تھے اور امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ اہل مکہ کو میں نے بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے (ترمذی ج ۱ ص ۹۹ کتاب الصوم باب ماجاء فی قیام شہر رمضان)

(۲) حدیث کی مشہور کتاب "کنز العمال" میں ہے کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ کو لوگوں کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ فصلى بهم عشرين ركعة پس انہوں نے لوگوں کو (صحابہؓ وتابعینؒ کو) بیس ۲۰ رکعت پڑھائی (ج ۴ ص ۲۸۴)

(۳) حدیث کی تیسری مشہور کتاب بیہقی میں ہے كنا نقوم في زمن عمر بن الخطابؓ بعشرين ركعة والوتر یعنی حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس ۲۰ رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے (بيهقي ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوٰة باب ماروى في عدد ركعات القيام في شهر رمضان. نصب الرايه ج ۱ ص ۲۹۴ فصل في قيام شهر رمضان)

(۴) حدیث کی چوتھی مشہور کتاب موطا امام مالکؒ میں ہے کہ یزید ابن رومان سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ تراویح بیس اور وتر تین کل تیئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة. ص ۴۰ ماجاء في قيام رمضان.

(۵) معرفۃ السنۃ میں ہے۔امام بیہقی نے بسند صحیح روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں حضرات قراء کو بلایا اور ایک صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں حضرت علیؓ وتر پڑھایا کرتے تھے۔ عن عبدالرحمن السلمی ان علیاً دعا القرأ فی رمضان فامر رجلاً ان یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوتر بهم معرفة السنة للبیهقی ج ا ص ۴۷۷ وسنن کبری للبیهقی ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوة باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان)

(۶) محدث ابن قدامہ کتاب ''المغنی'' میں رقم طراز ہیں کہ بیس ۲۰ رکعت تراویح پر اجماع صحابہؓ ہوا ہے۔(ج ا ص ۸۰۳)(۱)

(۷) محدث علامہ ابن حجر ہیثمیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے تحفۃ الاخیار صفحہ:۱۹۷۔

(۸) مشہور حافظ حدیث علامہ عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔مرقات ج ۲ ص:۱۷۴۔باب قیام شہر رمضان۔

(۹) امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ حضرت ابی ابن کعبؓ کی امامت پر صحابہ کرامؓ کو جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعت پڑھاتے تھے۔مرقات ج:۲ ص:۱۷۵۔ایضا۔فلما کان ذلک یشق علی الناس قام بهم ابی بن کعب فی زمن عمر بن خطاب عشرین رکعة یوتر بعدها۔فتاویٰ ابن تیمیہ ص:۱۴۸۔

آگے چل کر اس سے زیادہ صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فانه قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذلک هو السنة لانه قام بین المهاجرة والانصار ولم ینکره منکر

(ترجمہ) بے شک ثابت ہوگیا کہ حضرت ابی بن کعبؓ صحابہؓ کو رمضان میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔پس بہت سے علماء کا مسلک یہی ہے کہ یہی سنت ہے کیونکہ حضرت ابی ابن کعبؓ نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں بیس رکعتیں پڑھائیں اور کسی بھی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ا ص ۱۹۱) یہ ہے ان کا فتویٰ جن کو غیر مقلد اپنا پیشوا کہتے ہیں اس فتوے میں صراحت ہے کہ بیس ۲۰ رکعتیں ہی سنت ہے۔

(۱۰) قطب العارفین امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ''پھر حضرت عمرؓ نے تیئیس رکعات کا حکم دیا ان میں سے تین رکعات وتر تھی اور تمام بلاد میں اس پر عمل ہوتا رہا (کشف الغمه ج ص ۱۶۷) ثم ان عمر رضی الله عنه امر بفعلها ثلاثا وعشرین رکعة ثلاث منها وتر واستقر الا مر علی ذلک فی الا مصار (حواله مذکور)

(۱۱) مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کا عقیدہ ہے کہ ''حضرت عمرؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعات کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔'' (عون الباری ج ۴ ص ۳۰۷ باب قیام النبی صلی الله علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیره)

(۱) وروی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة وعن علی انه امر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة وهذا کالا جماع، حکم صلوة التراویح.

(۱۲) علامہ بحرالعلومؒ فرماتے ہیں ثم تقرر الامر علی عشرین رکعة (پھر بیس رکعت پر اتفاق ہوا (رسائل الارکان ص ۱۳۸ فصل فی صلوٰۃ التراویح)

(۱۳) حافظ حدیث ابن ہمامؒ کی تحقیق ''بالآخر بیس ۲۰ رکعت پر اتفاق ہوا اور یہی متوارث ہے'' (فتح القدیر ج ا ص ۴۰۷ فصل فی التراویح) ثم استقر الامر علی العشرین فانه المتوارث (حواله مذکور)

غیر مقلدوں کے مقتدیٰ اور امام حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی حدیث مذکور نقل فرمائی ہے (دیکھئے منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۲۴)

(۱۴) شیخ الاسلام علامہ عینیؒ نقل فرماتے ہیں" کانوا یقومون علی عهد عمر رضی الله عنه بعشرین رکعة وعلی عهد عثمان وعلی مثله الخ " یعنی صحابہ کرام حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح عمل ہوتا تھا، سند صحیح ہے)(عینی شرح بخاری شریف ج۷ ص ۱۷۸ کتاب التهجد باب قیام النبی صلی الله علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیره)

(۱۵) ''فیض الباری'' شرح بخاری شریف میں ہے،سأل ابو یوسف ابا حنیفة رحمهما الله تعالیٰ هل کان لعمر رضی الله عنه عهد من النبی صلی الله علیه وسلم فی عشرین رکعة فقال له ابو حنیفه رحمه الله تعالیٰ لم یکن عمر رضی الله عنه مبتدعاً ۔باب قیام النبیؐ باللیل فی رمضان۔

(ترجمہ) حضرت امام ابو یوسفؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا کہ کیا حضرت عمرؓ کے پاس بیس ۲۰ رکعات تراویح کے لئے آنحضرت ﷺ کی جانب سے کوئی عہد (کوئی قول وقرار) تھا۔حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ اپنی طرف سے ایجاد کرنے والے نہیں تھے یقیناً ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت تھا (فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۰ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیره)(مراقی الفلاح ص ۸۱ بتغیر فصل فی التراویح)(بحر الرائق ج ۲ ص ۶۶ اخر باب الوتر والنوافل)

(۱۶) ''مؤطا امام محمدؒ'' میں امام محمدؒ فرماتے ہیں وبهذا ناخذ..... لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلک ورأوه حسنا وقد روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال ما رأه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن (ترجمہ) حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ کو رمضان میں امام بنا کر تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہے) اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں.... اس لئے کہ مسلمانوں (صحابہؓ) نے اس (بیس رکعات) پر اجماع کیا ہے اور اس کو پسند کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان (صحابہؓ) جسے پسند کریں وہ خدا کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے۔'' (ص ۱۱۱۔۱۱۲ باب قیام شہر رمضان ومافیہ من الفضل)

(۱۷) ''المنتقی من اخبار المصطفی'' میں ہے کہ ''حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم رمضان میں (بشمول وتر) تیئیس رکعتیں پڑھتے تھے (ص ۷۸)

(۱۸) حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ (قاضی مدینہ منورہ) سے روایت ہے ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بهم عشرین رکعة ، اسناده مرسل قوی (یعنی) بیشک حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک

صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس ۲۰ رکعات پڑھایا کریں اس کی سند مرسل قوی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶ بحوالہ رکعات التراویح) (آثار السنن ج ۲ ص ۵۵ باب فی التراویح بعشرین رکعات)

(۱۹) حضرت عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ یو تر بثلث، اسنادہ مرسل قوی (یعنی) حضرت ابی بن کعبؓ رمضان میں مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، اس کی سند مرسل قوی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶) آثار السنن ج ۲ ص ۵۵، باب فی التراویح)

(۲۰) حضرت ابوالخصیبؒ فرماتے ہیں کان یؤ منا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ، اسنادہ حسن (ترجمہ) حضرت سوید بن غفلہؒ رمضان میں ہماری امامت کرتے تھے اور پانچ ترویحوں میں بیس ۲۰ رکعات پڑھاتے تھے، اس کی سند حسن ہے۔ (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶) (آثار السنن ج ۲ ص ۵۵ باب فی التراویح)

(۲۱) حضرت شتیر بن شکلؒ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) کے شاگرد رمضان میں امامت کرتے تھے اور بیس رکعات پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، یہ روایت قوی ہے۔ (۲۲) جلیل القدر تابعی مفتی مکہ حضرت عطاء (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوۃ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان) (قیام اللیل ص ۹۱) (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۱۷۴ باب قیام شہر رمضان)

جلیل القدر تابعی مفتی مکہ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثا وعشرین رکعۃ بالوتر واسنادہ حسن (ترجمہ) میں نے صحابہؓ وغیرہ سب لوگوں کو مع وتر کے مکہ میں تیئس رکعت پڑھتے دیکھا ہے۔ "اس کی سند حسن ہے" (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶) فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التہجد، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ ج ۴ ص ۲۱۹ (قیام اللیل ص ۹۱) آثار السنن ج ۱ ص ۵۵ باب فی التراویح بعشرین رکعات)

(۲۳) حضرت نافعؒ شاگرد ابن عمرؓ فرماتے ہیں کان ابن ملیکۃ رضی اللہ عنہ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ" اسنادہ حسن (آثار السنن ج ۲ ص ۵۶ ایضاً) (حضرت ابن ابی ملیکہ بیس رکعت پڑھاتے تھے (اس کی سند حسن ہے)

(۲۴) حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں ان عبداللہ بن مسعود کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور تین وتر۔" اس کی سند مرسل قوی ہے ۔" (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ ج ۱ ص ۱۲۷) (قیام اللیل ص ۹۱)

(۲۵) حضرت ابوالبختریؒ رمضان میں پانچ ترویحات پڑھتے تھے اور تین وتر" (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶)

(۲۶) حضرت ابوالحسناءؒ سے روایت ہے ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بنا خمس

ترویحات عشرین رکعۃ (ترجمہ) حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ہمیں پانچ ترویحوں میں بیس ۲۰ رکعت پڑھائیں۔ (سنن کبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان)

(عمرو بن قیس کی متابعت کی وجہ سے روایت قوی ہے۔ دیکھئے (الجوہر النقی ج ۱ ص ۲۰۸ ایضاً) (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۱ ص ۱۲۷ باب قیام النبیؐ

(۲۷) حضرت محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ (ترجمہ) حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ رمضان شریف میں بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے (قیام اللیل ص ۹۱)

(۲۸) حضرت سعید بن عبید فرماتے ہیں ان علی بن ربیعۃ کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات ویو تر بثلاث (ترجمہ) علی بن ربیعہ رمضان میں پانچ ترویحات (بیس ۲۰) رکعت پڑھاتے تھے اور تین وتر۔ اس کی سند صحیح ہے (آثار السنن ج ۲ ص ۵۶ باب فی التراویح بعشرین رکعات)

(۲۹) علامہ سبکی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "ہمارا مسلک بیس رکعت تراویح سنت ہونے کا ہے جو بسند صحیح ثابت ہے" (شرح المنہاج)

(۳۰) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (غوث الاعظم) فرماتے ہیں۔ وھی عشرون رکعۃ یجلس عقب کل رکعتین ویسلم (ترجمہ) اور وہ بیس رکعت ہیں ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور سلام پھیرے ...... و نوی فی کل رکعتین اصلی رکعتی التراویح المسنونۃ (اور ہر دو رکعت پر یہ نیت کرے کہ میں دو رکعت تراویح مسنون پڑھتا ہوں (غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۱۔۱۰)

(۳۰) حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفیتھا مشھورۃ وھی سنۃ مؤکدۃ (ترجمہ) تراویح بیس رکعت ہے اس کی کیفیت (طریقہ) معلوم ہے اور وہ سنت مؤکدہ ہے۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۸ من الروایت صلاۃ التراویح) وقولہ عشرون رکعۃ بیان لکمیتھا وھو قول الجمھور لما فی المؤطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بثلث وعشرین رکعۃ (ج ۲ ص ۲۶) (یعنی) اور بیس رکعت جمہور علماء کا قول ہے اس لئے کہ مؤطا میں ہے یزید بن رومانؒ نے فرمایا کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں (وتر سمیت) تیئس رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۳۱) شیخ احمد رومی فرماتے ہیں و الصحابۃ حینئذ متوافرون منھم عثمان وعلی وابن مسعود والعباس وابنہ وطلحۃ والزبیر ومعاذ وغیرھم من المھاجرین والانصار وما رد علیہ واحد منھم بل ساعدوہ ووافقوہ وامروہ بذلک وواظبوا علیھا حتی ان علیاً اثنی علیہ ودعالہ بالخیر وقال نور اللہ مضجع عمر کما نور مساجدنا وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی وھی عشرون رکعۃ (مجالس الابرار مجلس نمبر ۲۸)

(ترجمہ) اس زمانہ میں جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کی جماعت ایک کی اور حضرت ابی بن کعب کو امامت کے لئے نامزد فرمایا حضرات صحابہ بکثرت موجود تھے ان میں حضرت عثمان حضرت علی ابن مسعود عباس اور ان کے

صاحبزادے ابن عباس حضرت طلحہ حضرت زبیر، حضرت معاذ اوران کے علاوہ سب ہی حضرات مہاجرین وانصار موجود تھے، کسی نے حضرت عمرؓ پر اعتراض نہیں کیا ان کی تردید نہیں کی بلکہ سب نے ساتھ دیا، ان کی تائید وموافقت کی اور اسی کو جاری اور رائج کیا اور ہمیشہ پابندی سے پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی (ان کا شکریہ ادا کیا) اوران کے لئے دعاء خیر کی (وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے) اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے حضرت عمر نے (رضی اللہ عنہ) ہماری مسجدیں روشن کیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے طریقے اور خلفاء راشدین جو میرے بعد ہوں ؓ، ان کے طریقہ کو لازم پکڑو اور تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں ہیں (مجالس الابرار م ۲۸ ص ۱۸۷)

(۳۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعینؒ کے زمانہ میں تراویح کی بیس ۲۰ رکعت مقرر ہوئی تھیں وزادت الصحابة ومن بعدهم فی قیام رمضان ثلاثة اشیاء الا جتماع له فی مساجدهم وذلک لا نه یفید التیسیر علی خاصتهم وعامتهم واداؤ ه فی اول اللیل مع القول بأن صلوٰ ة اخر اللیل مشهودة وهی افضل کما نبه عمر رضی الله عنه لهذا التیسر الذی اشرنا الیه عدده عشرون رکعة (حجة الله البالغه ج ۲ ص ٦٧ من النوافل قیام شهر رمضان)

(۳۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں ''من بعد عدد بست وسہ را اختیار کردند دریں عدد اجماع شدہ بود (یعنی) صحابۂ کرام نے تیئیس رکعت (بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر) اختیار فرمائی اس عدد پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے (مجموعہ فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۱۲۶)

(۳۴) مولانا قطب الدین خاں محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں ''لیکن اجماع ہوا صحابہؓ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۳۳ باب قیام شہر رمضان)

(۳۵) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں سے کسی نے بھی بیس رکعت سے اختلاف نہیں کیا اس لئے تمام حضرات بیس رکعت پر متفق تھے۔ فتح الملهم شرح صحیح المسلم ج ۲ ص ۳۲۰ باب الترغیب فی قیام رمضان هو التراویح)

جب ان حوالجات سے جو مشتے نمونہ از خروارے ہیں آفتاب نیم روز کی طرح ثابت ہو گیا کہ اگر پہلے کچھ اختلاف بھی رہا ہو مگر حضرت فاروق اعظمؓ کے دور مسعود میں بیس رکعات تراویح پر اجماع ہو گیا۔ حضرت فاروقؓ کی بعد باقی خلفاء راشدین (حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ) کے دور میں بیس رکعات کے اجماع کو مزید استحکام حاصل ہوا۔ تو اب حضرات علماء محدثین اور فقہاء کرام کے مندرجہ ذیل اقوال پر تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں:۔

تراویح با جماعت شعار اسلام میں سے ہے۔ نماز عید کے مشابہ ہے۔ (لانه من الشعائر الظاهرة فاشبه صلوة العید(نووی شرح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۹)

فمودی ثمان رکعات یکون تارکا للسنة الموکدة (تعلیقات ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۱) تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہوگا۔ جب ترک سنت کی بات آ گئی تو ہر ایک صاحب ایمان کو ترک سنت کی وعید اور سزا سے

خائف رہنا چاہئے۔

عن عائشة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ستة لعنتهم ولعنهم الله وکل نبی مجاب . الزائد فی کتاب الله عزوجل والمکذب بقدر الله عزوجل والستحل حرمة الله والستحل من عترتی ماحرم الله والتارک اللسنة .مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۰.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ چھ شخص وہ ہیں جن پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور ہر ایک برگزیدہ نبی نے ان پر لعنت بھیجی ہے۔ وہ شخص جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے۔ جو تقدیر کی تکذیب کرے جو ایسی چیز کو حلال قرار دے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔ جو میری آل اولاد میں سے اس کو حلال کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اور جو تارک سنت ہو۔

اس کے بالمقابل ہر ایک صاحب ایمان کو یہ بشارت ہونی چاہئے کہ رمضان شریف کی برکت سے سنت تراویح کا ثواب فرض کے برابر ہوگا (انشاء اللہ) کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان شریف میں کسی بھی خصلت خیر (اچھی بات) کا ثواب فرض جیسا ملتا ہے۔ من تقرب فیه بخصلة من الخیر کان کمن ادی فریضة فیما سواه (مشکوة شریف ص ۱۷۳) وفقنا الله لما یحبه ویرضاه .امین .

تفصیلی جائزہ

سنجیدہ تنقیحات۔ منصفانہ فیصلے کے لئے عادلانہ شرائط اوران کے تقاضے

اوپر کے صفحات میں سامرودی صاحب کے غلط حوالوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے، پھر وہ اقتباسات پیش کئے گئے ہیں جن سے بیس ۲۰ رکعت کا تواتر اور توارث معلوم ہوتا ہے۔ جہاں تک سامرودی صاحب کے بلند بانگ دعووں کا تعلق ہے ان کی تردید کے لئے یہ تحریر کافی ہے۔ لیکن یہ فقیر چاہتا ہے کہ مسئلہ کی مزید وضاحت کی جائے۔ سامرودی صاحب بظاہر ان میں سے ہیں جو سنے کو ان سنا کر دیتے ہیں لهم اعین لا یبصرون بها ولهم آذان لا یسمعون بها . مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے طلب حق کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ وہ سنجیدہ تحقیق کی قدر کرتے ہیں اور اس سے مطمئن ہوتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه (سورہ زمر ع ۲) (اے پیغمبر۔ میرے ان بندوں کو بشارت سنا دو جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر جو اچھی بات ہوتی ہے اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر چلتے ہیں۔'' یہی صاحب اخلاص طالبان حق جو بشارت خداوندی کے مستحق ہیں، ہمارے مخاطب ہیں۔ وباللہ التوفیق۔)

جب کسی شخص یا کسی جماعت کی طرف سے کوئی اعتراض سامنے آئے تو ایک حق پرست انصاف پسند کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ رائے قائم کرنے اور کوئی فیصلہ صادر کرنے سے پہلے دیکھے کہ وہ شخص یا وہ جماعت جس پر یہ الزام لگایا جا رہا ہے اس کا طرز و انداز اس کا ذوق وفکر اور اس کا کردار کیا ہے اور اس اعتراض کی نوعیت کیا ہے۔ اگر اس شخص یا اس جماعت کی کچھ مشہور و معروف خصوصیتیں ہیں جو اعتراض کرنے والے کے نزدیک بھی مسلم ہیں تو کیا ان خصوصیتوں

کے ہوتے ہوئے ممکن ہے کہ یہ الزام اس جماعت یا اس شخص پر چسپاں ہو سکے یا الزام لگانے والے کے متعلق یہ کہنا درست ہوگا۔

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم(۱)
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اگر سامرودی صاحب کو خوش کرنے کے لئے تسلیم کرلیا جائے کہ تراویح کی بیس رکعتیں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہیں تو پھر لازمی طور پر سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت اور حضرات صحابہ کی جماعت سے آتی ہے کیونکہ یہی حضرات تراویح کے موجد قرار پاتے ہیں نیز نماز اور قرآن حکیم کا مسئلہ سامنے آتا ہے کیونکہ تراویح کی حقیقت یہی ہے کہ خاص طرح پر نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے جس میں بالا قساط پورا قرآن شریف دہرایا جاتا ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا عمر فاروقؓ کی شخصیت ایسی ہے کہ کسی بدعت کی موجد ہو سکے بالخصوص قرآن شریف اور نماز کے بارے میں کوئی نئی ایجاد امت کے سر مڑھ سکے۔

کیا عمر فاروقؓ کی شخصیت لوگوں کے اعتراض سے بالاتھی اور کوئی ان کے سامنے زبان نہیں ہلا سکتا تھا، کیا کوئی صحابی اور خصوصاً جماعت صحابہ اپنی آنکھوں کے سامنے کسی بدعت کو دیکھ سکتے تھے۔ آیئے اور ہر ایک تنقیح کا جائزہ لیجئے:۔

سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو پہچاننے کی کوشش کیجئے۔

یہی وہ عمر ہیں جن کا خطاب فاروق ہے کیونکہ ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک قول حق و باطل کے درمیان فرقان ہوتا ہے جو دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر دیتا ہے۔ جن کی خصوصیت صادق مصدوق ﷺ کی لسان صداقت آفرین نے یہ بیان فرمائی ہے اشدھم فی امر اللہ (خدا کے معاملہ (دین کی باتوں) میں نہایت سخت ہیں) آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد نے تواتر کی حیثیت اختیار کرلی ہے اکثر خطباء خطبہ جمعہ میں اس ارشاد کو برسر منبر دہراتے ہیں۔

یہ وہی عمر ہیں جن کے نام نامی سے شیطان بھی لرزتا ہے حتیٰ کہ جس راستہ پر عمر فاروقؓ قدم رکھتے ہیں شیطان کا وہاں گذر نہیں ہو سکتا۔ وہ اس راستہ سے کترا کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔ (حدیث صحیح)

باایں ہمہ استقامت و تقدس آپ کا ارشاد یہ ہے۔

احب الناس الی من رفع الی عیوبی (تاریخ الخلفاء) (مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے، جو مجھ تک میرے عیب پہنچائے (جو مجھے میری غلطی سے آگاہ کرے)

اچھی طرح پہنچاننے یہ عمر فاروقؓ وہی ہیں جنہوں نے عہد خلافت کے بعد سب سے پہلا اعلان یہی کیا تھا کہ "میری اطاعت اس وقت تک ہے جب تک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے فرمان اور سیرت صدیق پر عمل کرتا ہوں۔ اور جہاں خالق کی معصیت ہو وہاں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔"

پھر یہ اعلان رسمی نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت اور سراسر حقیقت تھا اور مختلف عنوانات سے آپ اس کا اعادہ فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے برسر منبر دریافت فرمایا:۔

(۱) اگر دن میں چمگادڑ   نہیں دیکھ سکتی تو اس میں آفتاب کا کیا قصور۔

لوگو! اگر میں سنت نبوی اور سیرت صدیقی کے خلاف کوئی حکم دوں تو تم کیا کروگے۔ لوگ خاموش رہے۔ پھر دوبارہ آپ نے دریافت فرمایا۔ تو ایک نوجوان تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور اشارہ کر کے بتادیا یعنی انقلاب برپا کردیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا جب تک یہ جرأت باقی ہے امت گمراہ نہیں ہو سکتی۔ (سیرۃ خلفاء راشدین ص ۶۸)

ایک مرتبہ آپ تقریر کرنے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا اسمعوا و اطیعوا۔ (سنو اور عمل کرو) ایک شخص نے فوراً کھڑے ہو کر اعلان کردیا لا نسمع ولا نطیع (نہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور نہ آپ کے کہنے پر عمل کریں گے) فاروق اعظم نے اس اعلان کرنے والے کی گردن اڑادینے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ وجہ دریافت کی۔ اعلان کرنے والے نے جواب دیا کہ آپ نے مال غنیمت کی تقسیم میں مساوات سے کام نہیں لیا۔ یہ کپڑا جس کا آپ حلہ پہنے ہوئے کھڑے ہیں ہمیں بھی ملا ہے مگر ہم اس میں حلہ (چادر اور تہبند) نہیں بنا سکے اور آپ نے حلہ بنالیا۔ آپ نے ہم سے دوگنا لیا ہے مساوات نہیں برتی۔

عمر فاروقؓ نے خود جواب نہیں دیا بلکہ اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر کو طلب فرمایا۔ انہوں نے شہادت دی کہ جو کپڑا مجھے ملا تھا وہ میں نے حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں پیش کردیا۔ اس طرح دو حق داروں کے دو حصوں سے مل کر یہ ایک حلہ بنا ہے اعتراض کرنے والے نے اپنی جرأت کی کوئی معذرت نہیں کی بلکہ نہایت سادہ انداز میں کہ دیا۔ اچھا اب آپ فرمایئے ہم سنیں گے اور عمل کریں گے دیکھئے الاسلام بین العلماء والحکماء ص:۲۷۔

(گویا معمولی بات تھی کہ فاروق اعظم کے متعلق غلطی کا شبہ بھی ہو تو عام مسلمانوں کی عدالت اس کی تحقیق کرے اور فیصلہ صادر کرے)

پھر یہ آزادی صرف مردوں کو حاصل نہیں تھی بلکہ عورتوں کو بھی تنقید کا اتنا ہی حق تھا اور وہ بھی ایسی ہی جرأت اور دلیری سے جرح کیا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے خطبہ میں ہدایت فرمائی کہ چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ رکھے جائیں۔ (آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کے یہی مہر مقرر فرمائے تھے۔ صاحبزادی محترمہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کے مہر بھی پانچ سو درہم ہی تھے) ایک قریشی بڑھیا نے برجستہ جرح کردی کہ ارشاد خداوندی ہے واتیتم احداھن قنطاراً فلا تاخذوا منه شیئاً (اگر تم دے چکے کسی بیوی کو مال کا توڑا (ڈھیر) پس مت واپس لو اس میں سے کچھ) سورۂ نساء ع ۱۴۔ جب اللہ تعالیٰ نے قنطار پر بھی پابندی نہیں لگائی تو آپ کو کیا حق ہے کہ چار سو درہم سے زائد پر پابندی لگادیں۔ (خلاصۃ التفاسیر ج ا ص ۳۶۳)

صحابہ کرام اور بدعت سے نفرت:

یہ عمر فاروق ہیں (رضی اللہ عنہ) اب حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کردار پر نظر ڈالئے۔ ان کا ذوق کیا تھا اور ان کی فطرت کیا بن چکی تھی۔ یہ مقدس طبقہ جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان (ﷺ) کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ جس کو آخری پیغام کا حامل بنایا۔ جو اس دین کامل کا محافظ اول اور مبلغ تھا، جو قیامت تک رہنے والا ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کی سنن مبارکہ کا اتنا دلدادہ اور عاشق تھا۔ بدعت اور خلاف سنت فعل سے اتنا بیزار تھا کہ امت کا

کوئی طبقہ یا کوئی فرد اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ جماعت صحابہ کے ایک فرد حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی شہادت ہے لو اراحدمن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الا سلام یعنی منہ ترمذی شریف (ج ا ص ۳۳ باب ماجآء فی ترک الجھر ببسم اللہ الرحمن الرحیم) میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ بدعت سے زیادہ اور کسی چیز سے بغض رکھتا ہو۔

ذیل کی مثالوں میں آپ صحابہ کرام کی دقت نظر کا جائزہ لیجئے۔ جو باتیں ہمیں بہت معلوم ہوتی ہیں صحابہ کرامؓ کی نظر کتنی کڑی اور سخت ہوتی ہے اور کس طرح وہ بڑے سے بڑے صاحب شوکت وحشمت کو ٹوک دیتے ہیں۔ پھر بنظر انصاف فیصلہ کے لئے کہ کیا ایسے سخت گیر پابند سنت متبع شریعت حضرات کی پوری جماعت کے سامنے ممکن ہے کہ کوئی فعل علانیہ طور پر خلاف سنت ہوتا رہے اور وہ اس پر ہنگامہ برپا نہ کریں بلکہ اس کے خلاف اس میں پورے ذوق وشوق سے شریک ہوں اور قلبی اطمینان کا اظہار کریں، اب مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) بانیٔ بدعت سے سلام بند:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ایک شخص نے سلام پہنچایا، آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ اس نے بدعت ایجاد کی ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری طرف سے اس کو سلام پہنچانے کی کوئی حاجت نہیں، عن نافع ان رجلا اتی ابن عمرؓ فقال ان فلا نا یقرأ علیک السلام فقال انہ بلغنی انہ قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرأہ منی السلام (مشکوۃ شریف ص ۲۳ باب الا یمان بالقدر)

(۲) اذان کے بعد تثویب پر اظہار نفرت:

مکہ معظمہ میں موذن نے اذان صبح کے بعد تثویب کہی مثلاً لوگوں کو بلانے کے لئے زور سے پکارا الصلوٰۃ جامعۃ (جماعت تیار ہے) تو حضرت فاروقؓ نے نہایت سختی کے ساتھ دھمکا کر فرمایا الیـــس فـی اذانک مـا یکفینا؟ (کیا تو نے اپنی اذان میں جو کہا (حی علی الصلوۃ) وہ ہمیں کافی نہ تھا؟) کفایہ ج ا ص ۴۸)

(۳) حضرت علیؓ نے موذن کو عشاء کی اذان کے بعد تثویب کرتا ہوا دیکھا تو خفا ہو کر فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو ان علیاً رضی اللہ عنـہ مؤذنـا یثوب للعشـاء فقال اخر جوا ھذا المبتدع من المسجد (اقامۃ الحجۃ ص۷) (بحر الرائق ج ا ص ۲۶۱ باب الا ذان تحت قولہ ویثوب)

(۴) حضرت ابن عمرؓ نے اذان ظہر کے بعد مؤذن کو تثویب کرتے ہوئے دیکھا تو بے حد غضب ناک ہوئے اور اپنے ساتھی ''حضرت مجاہد'' سے کہا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہمیں لے چلو (چونکہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے) پھر مسجد چھوڑ کر چلے گئے اور وہاں نماز نہ پڑھی وروی عن مجاھد قال دخلت مع عبداللہ بن عمر مسجداً وقدا ذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبداللہ بن عمر وقال اخرج بنا من عند ھذا المبتدع ولم یصل فیہ (ترمذی شریف ج ا ص ۲۸ باب ماجآء فی التثویب فی الفجر) (ابوداؤد شریف ج ا ص ۸۶) (الاعتصام ج ۲ ص ۲۲۴) (واللفظ للترمذی)

(غور فرمائیے۔ جو حضرات اذان کی بعد ایک لفظ کا پکارنا گوارا نہیں کر سکتے تھے کیا وہ تراویح کی بیس ۲۰

رکعتیں برداشت کر لیتے)

(۵) خلاف سنت تقریب سے مقاطعہ:

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو ختنہ میں بلایا گیا تو انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ختنہ کے موقعہ پر نہ ہم جاتے تھے نہ ہمیں بلایا جاتا تھا۔ (مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۱۷)

(۶) تلبیہ کے ایک لفظ کے اضافہ سے ناراضگی:

حضرت سعد بن مالکؓ نے ایک حاجی کو تلبیہ میں لبیک ذاالمعارج کہتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ لفظ نہیں کہتے تھے۔ ان سعد بن مالک سمع رجلا یقول لبیک ذا المعارج فقال ماکنا نقول ھذاعلی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تلبیس ابلیس ص ۱۷)

(۷) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت امیر معاویہؓ خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے، حضرت امیر معاویہؓ نے خانہ کعبہ کے تمام کونوں کو بوسہ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ان دوکونوں یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کے علاوہ کسی اور گوشہ کو بوسہ نہیں دیا کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا اس مقدس گھر کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کو چھوڑ دیا جائے (بوسہ نہ دیا جائے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (تمہارے لئے رسول مقبول ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے) (اگرچہ خانہ کعبہ کا ہر ذرہ متبرک ہے مگر ہمیں وہ عمل کرنا ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے) حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ آپ کا فرمانا صحیح ہے (مسند امام احمد)

تنبیہ:

جو حضرات خلاف سنت بیت اللہ کو بوسہ دینا گوارا نہیں کر سکتے تھے کیا ممکن تھا کہ وہ مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) اور حرم مکہ میں معاذ اللہ بیس رکعت والی بدعت دیکھیں اور خاموش رہیں۔

(۸) بے وقت نوافل پر تنبیہ:

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت طاؤس کو عصر بعد نوافل پڑھتے دیکھ کر روکا اور فرمایا کہ خلاف سنت ہے۔

(۹) حضرت علیؓ نے عید گاہ میں نماز عید سے پہلے ایک شخص کو نفل پڑھنے سے روکا۔ اور فرمایا کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا یا کرنے کی ترغیب نہیں دی ہے۔ اس کے کرنے میں ثواب نہیں ہے، لہذا تیری یہ نماز عبث ہے اور (عبادات میں) عبث کام حرام ہے، اندیشہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے خدا پاک تجھے عذاب دے دے۔ (مجالس الابرار ص ۱۲۹ م ۱۸) غور فرمائیے حضرت علیؓ دو رکعت نفل نماز کو اس لئے حرام اور مستحق عذاب سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے مطابق نہیں ہے لیکن تراویح کی بیس رکعت سے منع تو کیا کرتے اس کا اہتمام کرتے ہیں اور ان کو پڑھانے کے لئے امام مقرر کرتے ہیں (جیسا کہ نمبر ۲۰ میں گذر چکا ہے)

(۱۰) مسنون وقت سے پہلے خطبہ پر حاکم وقت کو تنبیہ:

حضرت ابوسعید خدریؓ نے خلیفہ مروان کو نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا کہ یہ خلاف سنت ہے (اقامۃ الحجۃ ص۵)

(۱۱) ہیئت مسنونہ کے خلاف خطبہ پڑھنے پر عتاب اور برہمی:

حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبدالرحمن بن ام حکم کو خلاف سنت خطبہ بیٹھ کر پڑھتے ہوئے دیکھا تو غضبناک ہو کر فرمایا۔ دیکھو! یہ خبیث خطبہ بیٹھ کر پڑھتا ہے، عن ابی عبیدۃ عن کعب بن عجرۃ قال دخل المسجد وعبد الرحمن بن ام حکم یخطب قاعداً فقال انظرو االی ھذا الخبیث یخطب قاعداً (صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۸۴ کتاب الجمعۃ)

(۱۲) غلط فتوے پر حاکم اور قاضی (جج) کو تنبیہ:

حضرت ابوموسیٰ شعریؓ حاکم کوفہ اور حضرت سلمان بن ربیعہؒ قاضی کوفہ نے میراث کے ایک مسئلے میں ملکیت کے دو حصے فرما کر لڑکی کو ایک اور بہن کو ایک حصہ دینے کا اور پوتی کے محروم ہونے کا فتویٰ دیا اور مستفتی کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بھیجا کہ اس سے تصدیق کرائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک یہ فتویٰ صحیح نہیں تھا۔ آپ نے برجستہ فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے جو سنا ہے اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا، اگر کہوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق نصف ملکیت (ترکہ) لڑکی کو اور سدس (چھٹا حصہ) پوتی کو اور بقیہ ترکہ بہن کو دیا جائے (بخاری شریف ج۲ ص۹۹۷ پ۲۷ کتاب الفرائض باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ)

(۱۳) دعا یا خطبہ میں خلاف سنت ہاتھ اٹھانے پر تنبیہ:

ایک شخص کو دعا میں سینہ سے اوپر تک ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر حضرت ابن عمرؓ نے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔ دلیل میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو دعا کے وقت (سوائے کسی خاص موقعہ کے) سینہ سے اوپر تک ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا۔ عن ابن عمرؓ انہ یقول ان رفعکم ایدیکم بدعۃ مازاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا یعنی الی الصدر. رواہ احمد (مشکوۃ شریف ص ۱۹۶ کتاب الدعوات الفصل الثالث)

(۱۴) بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر حضرت عمارہ بن رویبہؓ نے فرمایا قبح اللہ ھاتین الیدیتین القصیرتین لقدر ایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یزید علی ھذا واشارھشیم بالسبابۃ (یعنی) اللہ ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو خراب کردے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا)(ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۸ ابواب الجمعۃ باب ماجآء فی کراھیۃ رفع الایدی علی المنبر).

(۱۵) قعدہ میں دعا میں ہاتھ اُٹھاتا ہوا دیکھ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا آنحضرت ﷺ جب تک

نماز سے فارغ نہ ہولیتے، دعا میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

(۱۶) خلاف سنت تسبیح وتہلیل اور ذکر اللہ پر ناراضگی:

نماز صبح میں لوگ جمع ہو کر خاص طریقہ سے سومرتبہ اللہ اکبر سومرتبہ لا الہ الا اللہ سومرتبہ سبحان اللہ پڑھتے تھے اس کی خبر حضرت عبداللہ بن مسعود کو ملی، آپ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا اے امت محمد ﷺ! تم پر افسوس تمہاری ہلاکت کی گھڑی کتنی قریب آ گئی ہے، ابھی تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ موجود ہیں، تمہارے نبی کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے ان کے برتن سلامت ہیں اور تم ابھی سے بدعتوں میں مشغول ہو گئے؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یا تو تم ایک ایسے دین پر ہو جو حضرت محمد ﷺ کے دین سے (نعوذ باللہ) زیادہ راست اور صحیح ہے یا تو تم گمراہی کے دروازے پر پہنچ گئے ہو، جو عنقریب کھلنے والا ہے (ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل پنجم ص ۱۳۰)

(۱۷) ایک روایت میں ہے کہ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھا کرتی تھی اور ان میں سے ایک شخص کہتا کہ اتنے مرتبہ اللہ اکبر کہو اور اتنی بار سبحان اللہ کہو اور اتنی بار الحمد للہ کہو اور لوگ کہتے جاتے تھے، حضرت ابن مسعودؓ کو اس کی خبر دی گئی، آپ ان لوگوں کے پاس گئے وہ جو کچھ کہتے تھے جب آپ نے سن لیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں عبداللہ ابن مسعودؓ ہوں، قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک یا تو تم نہایت تاریک بدعت میں مبتلا ہو گئے یا حضرت محمد ﷺ کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے۔ اور پھر ان کو مسجد سے نکال دیا (الاعتصام ج۲ ص ۱۶۵) (مجالس الابرار م۱۸ ص ۱۲۵) تعجب ہے محض تسبیحات پڑھنے پر مسجد سے نکال دیا جائے اور تراویح کی بیس ۲۰ رکعتوں پر کوئی اعتراض نہ ہو۔

(۱۸) چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے، مگر (گھر میں یا مسجد میں تنہا) اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں علانیہ پڑھتے ہیں تو آپ نے اس کو بدعت قرار دیا۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۳۸ ابواب العمرۃ، باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۳۸) (شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۲۰۹)

(۱۹) حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے فرزند ارجمند نے نماز میں سورۂ فاتحہ شروع کرتے ہوئے آواز سے بسم اللہ پڑھی تو حضرت عبداللہؓ نے فوراً تنبیہ فرمائی، بیٹا بدعت ہے بدعت سے الگ رہو۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجآء فی ترک الجمعۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم)

(۲۰) حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی اس نے کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ. یہ زائد کلمہ یعنی والسلام علی رسول اللہ. اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے مگر اس موقع پر خلاف سنت ہے تو حضرت موصوف نے فوراً تنبیہ کی کہ یہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم نہیں ہے (ترمذی شریف ج۲ ص ۹۸ ابواب الآداب باب مایقول اذا عطس)

نوٹ:۔ اگر آٹھ میں بارہ کی زیادتی ہوئی تو کوئی کیوں نہیں بولا؟؟؟

(۲۱) حضرت طارقؓ سے) ان کے بیٹے ابو مالک اشجعیؒ نے نماز صبح میں ہمیشہ قنوت پڑھنے کے متعلق سوال

کیاتو آپؐ نے یہی فرمایا۔ بیٹا۔ بدعت ہے۔ نسائی شریف ج ۱ ص ۱۲۲۔

غور فرمائیے۔ جو حضرات بسم اللہ کے جہر کو۔ چھینک کے بعد السلام علی رسول اللہ اور نماز صبح میں ہمیشہ قنوت پڑھنے جیسی معمولی باتوں کو جو انفرادی طور پر ہوئی تھیں برداشت نہیں کر سکتے ان کو بدعت قرار دے کر رد کر دیا، وہ تراویح کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے جو انفرادی نہیں بلکہ جماعتی طور پر علانیہ ہوتی تھیں اور جن کے لئے دن اور رات کی تمام سنتوں سے زیادہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں یعنی دو چار نہیں بلکہ بیس رکعتیں۔

(۲۲) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ نماز جنازہ میں وہ بھی شرکت کر سکیں اس لئے فرمائش کی کہ آپ کے جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھ لی جائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح عراق۔ نہ صرف سابقین اولین میں سے ہیں بلکہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمائش کر رہی تھیں مگر مسجد میں نماز جنازہ خلاف سنت تھی تو کیا ہوا؟ حدیث کے الفاظ یہ ہیں فانکر الناس ذلک علیہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس فرمائش کو تسلیم نہیں کیا گیا حضرات صحابہؓ نے انکار کر دیا۔ (صحیح مسلم شریف ص ۳۱۲ کتاب الجنائز)

اگر آٹھ رکعت کے بجائے بیس رکعت بدعت تھیں اور آنحضرت ﷺ سے ان کا ثبوت نہیں تھا تو تعجب ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کا یہ جذبۂ انکار بیس رکعتوں کے بارے میں کیوں نہیں رونما ہوا۔

(۲۳) حضرت عمرؓ نے انگلی کی دیت میں ایک فیصلہ صادر فرمایا۔ پھر آپ کے سامنے آنحضرت ﷺ کا فرمان پیش کیا گیا جو اس فیصلہ کے خلاف تھا حضرت عمرؓ نے فوراً ہی اپنا فیصلہ بدل دیا۔ (سیرۃ ابن الخطاب لابن الجوزی ص ۱۲۵)

نوٹ:۔ بیس رکعت کا فیصلہ اگر آنحضرت ﷺ کے خلاف تھا تو کیوں کسی نے اس کو پیش نہیں کیا۔

(۲۴) حضرت عمرؓ نے ایک زانیہ کے سنگسار کرنے کا فیصلہ صادر کیا۔ یہ زانیہ دیوانی تھی حضرت علیؓ کو علم ہوا تو آپ نے اس کی مخالفت کی اور دلیل یہ پیش کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین قسم کے آدمی مرفوع القلم ہیں۔ (۱) سونے والا جب تک بیدار نہ ہو (۲) بچہ جب تک بالغ نہ ہو (۳) مجنون جب تک ہوش میں نہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے فوراً اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ (مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۴۰) حضرت عمرؓ نے صرف فیصلہ واپس ہی نہیں لیا بلکہ آپ نے حضرت علیؓ کا شکریہ ادا کیا کہ غلطی پر متنبہ کر دیا اور جیسا کہ مشہور ہے اسی موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا لولا علی لہلک عمر ۔ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔

بہر حال جماعت صحابہ کے متفقہ عمل اور بیس رکعت کو خلاف سنت بتلانا غلط ضد اور ہٹ دھرمی ہے، صحابہ کا یہ متفقہ فیصلہ واجب العمل ہے۔ اس فیصلہ کو عمل کے لئے ناکافی سمجھنا اور دوسرے دلائل کا مطالبہ کرنا جہالت وضلالت ہے۔

حضرت ابو ایوب سختیانیؒ روایت فرماتے ہیں اذا حدثت الرجل بالسنة فقال دعنا من ھذا وحدثنا بما فی القران فاعلم انه ضال (ترجمہ) جب تو کسی کو سنت طریقہ بتلائے اور وہ کہے کہ اس کو چھوڑ، قرآن کیا کہتا ہے یہ بتا، تو وہ شخص گمراہ ہے (غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۵۶)

اتباع سنت کا شوق:

حضرت حق جل مجدہ نے (۱) آنحضرت ﷺ کو حکم فرمایا۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ۔(سورہ ال عمران)

آپ فرما دیجئے کہ (اے مسلمانو!) اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو اس کی عملی صورت یہ ہے کہ میری اتباع کرو۔ اور میرے نقش قدم پر چلو۔

(۲) مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ. تا آخر آیت سورہ احزاب ع ۳.

بے شک تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو، رسول اللہ کی ذات مبارک میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حب رسول اور حب خدا کا معیار یہ فرمایا:۔

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت به (مشکوۃ شریف باب الاعتصام)

(یعنی) تم میں سے کسی کا بھی ایمان قابل ذکر نہیں ہے جب تک یہ صورت نہ ہو کہ اس کی چاہ (اس کا جذبہ اور رجحان خاطر) اس کے تابع نہ ہو جائے جس کو لے کر میں آیا ہوں۔

صحابہ کرام اللہ اور رسول کے ان ارشادات مبارکہ کی مثال کامل اور بہترین نمونہ تھے۔ ایک طرف ان کو بدعت سے بغض اور سخت ترین نفرت تھی جس کی مثالیں گذشتہ صفحات میں گذریں تو دوسری جانب آنحضرت ﷺ کی اتباع کے حریص۔ نقش قدم کے عاشق۔ اور سید الانبیا محبوب رب العالمینؐ کے اشاروں پر جان دینے والے تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین) اس سلسلہ میں بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، ضخیم ضخیم کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ ہم یہاں صرف چند مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

(۱) آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف فرما ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اجلسوا بیٹھ جاؤ حضرت عبداللہ ابن مسعود مسجد کے دروازے پر ہیں (جہاں جوتیاں اتاری جاتی ہیں) جیسے ہی یہ ارشاد کانوں میں پڑتا ہے وہیں بیٹھ جاتے ہیں (مسلم شریف)

(۲) آنحضرت ﷺ امامت فرما رہے ہیں۔ نعلین زیر پا ہیں، دفعۃً نعلین نکال دیتے ہیں۔ جن کے پیروں میں نعل تھے وہ بھی فوراً اتار دیتے ہیں۔ نماز سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا آپ صاحبان نے نعل کیوں اتار دیئے۔ صحابہ نے عرض کیا اس لئے کہ حضور نے اتار دیئے تھے (ﷺ) ارشاد ہوا میں نے تو اس لئے اتارے) تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ نعل میں کچھ نجاست لگی ہوئی ہے۔ (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۰۲ باب الصلوۃ فی النعل)

(۳) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب غصہ آئے تو اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔ غصہ جاتا رہے گا سیدنا ابوذر غفاریؓ باغ میں پانی دے رہے تھے ایک شخص نے ایسی حرکت کی کہ نالی کی پال ٹوٹ گئی

اور پانی باہر نکل کر بہنے لگا۔ حضرت ابوذرؓ کو غصہ آیا۔ مگر فوراً آنحضرت ﷺ کا ارشاد یاد آ گیا۔ آپ وہیں کیچڑ اور پانی میں بیٹھ گئے۔ سارے کپڑے لت پت ہو گئے مگر آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کی تعمیل میں تاخیر برداشت نہیں کی (مسند احمد ج۵ ص ۱۵۲)

(۴) آنحضرت ﷺ کی تعلیم ہے کہ کھانے کی چیز اگر زمین پر گر جائے تو اس کو چھوڑ نہ دو یہ کفران نعمت ہے شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ تم شیطان کو خوش مت کرو۔ بلکہ نوالہ گر گیا ہے تو اس کو اٹھا لو اور مٹی لگ گئی ہے تو اسے صاف کر کے باقی کھالو۔

ایک مرتبہ حضرت حذیفہ ابن یمانؓ کے دست مبارک سے نوالہ گر گیا۔ وہاں عجمی لوگ موجود تھے جو دیکھ رہے تھے ان کے یہاں گرے ہوئے ٹکڑے کا اٹھانا بہت معیوب تھا۔ حضرت حذیفہؓ گرا ہوا نوالہ اٹھانے لگے تو کسی نے کہا، یہاں یہ حرکت نہ کیجئے یہاں عجمی موجود ہیں جو اس بات کو بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے برجستہ جواب دیا۔ أأترک سنة حبیبی لهو لاء الحمقاء . کیا ان احمقوں کی خاطر میں اپنے محبوب (ﷺ) کی سنت ترک کر دوں۔ انتبہ فی الاسلام ج۱ ص ۸۷ مختصراً

(۵) سیدنا عمر فاروقؓ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے، جب حجر اسود کو بوسہ دینے لگے تو فرمایا میں جانتا ہوں تو پتھر ہے، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے تجھ کو بوسہ دیا ہے تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ (بخاری شریف وغیرہ کتاب المناسک باب ما ذکر فی الحجر الاسود ج ۱ ص ۲۱۷)

(۶) خانہ کعبہ میں ایک خزانہ تھا۔ مشرکین چڑھاوے میں سونے چاندی کی قیمتی چیزیں بھینٹ کیا کرتے تھے، وہ اس خزانہ میں جمع کر دی جاتی تھیں۔ اسلام نے اس چڑھاوے کی اجازت نہیں دی مگر اس خزانہ کو ختم بھی نہیں کیا ۔ حضرت شیبہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز عمر فاروقؓ خانہ کعبہ کے قریب تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ میں جو کچھ سنہری روپیلی دولت جمع ہے سب تقسیم کر دوں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے دونوں بزرگ رفقاء (آنحضرت ﷺ اور خلیفہ اول صدیق اکبر) نے تو یہ کیا نہیں (جیسے ہی یہ سنا فاروق اعظم کا ارادہ فسخ ہو گیا) فرمایا۔ یہ دونوں تو وہ ہیں جن کی میں پیروی کرتا ہوں۔ (بخاری شریف ص ۲۱۷ کتاب المناسک باب کسوۃ الکعبۃ)

(۷) ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر نے وہ تمام مقامات یاد کر رکھے تھے جہاں آنحضرت ﷺ نے سفر حج میں قیام فرمایا تھا۔ نماز پڑھی تھی۔ یا کوئی کام کیا تھا (بخاری) نے انہیں کی روایت سے ان تمام مقامات کا نشان اور پتہ بتایا ہے (ص ۷۰ باب المساجد التی علی طرق المدینۃ والمواضع التی صلی فیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عبداللہ بن عمر جب حج کے لئے تشریف لے جاتے تو جہاں جہاں آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ وہاں نماز پڑھتے اور جہاں جو کام کیا تھا، وہاں وہ کام کرتے۔ عرفات اور مزدلفہ کے درمیان ایک گھاٹی میں تشریف لے جا کر آنحضرت ﷺ نے قضاء حاجت کی تھی پھر وضو کیا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس گھاٹی میں جاتے اور جہاں آنحضرت ﷺ نے وضو کیا تھا وہاں وضو کرتے۔ (بخاری شریف ص ۲۲۶ کتاب المناسک باب النزول بین العرفۃ وجمع)

(۸) ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر شہید کئے گئے۔ تاریخ اسلام کا مشہور ظالم حجاج بن یوسف حجاز کا

گورنر بنایا گیا۔ حج کا زمانہ آیا تو لوگوں میں بہت بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور یقین تھا کہ اس موقع پر دوبارہ جنگ چھڑ جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سفر حج کا ارادہ کیا۔ صاحبزادوں نے منع کیا کہ جنگ کا خطرہ ہے۔ ممکن ہے آپ حرم کعبہ تک نہ پہنچ سکیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے (صلح حدیبیہ سے پہلے) عمرہ کا ارادہ کیا تھا تب بھی بہت خطرہ تھا یعنی جنگ کے خطرہ کی وجہ سے ملتوی کر دینا خلاف سنت ہے۔ پھر فرمایا اگر مجھے روک دیا گیا تو آنحضرت ﷺ کی دوسری سنت سامنے ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی داخلہ مکہ سے روک دیا تھا۔ آپ نے ہدی ذبح کی اور احرام ختم کر دیا لہٰذا میں بھی ہدی کا جانور ساتھ لے جا رہا ہوں اگر مجھے روک دیا گیا تو میں بھی وہی کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے کیا تھا۔ (بخاری شریف ص ۲۲۲ باب طواف القارن)

صلح حدیبیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چودہ سو جاں نثاروں کی ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے ۔ مکہ معظمہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچے تھے کہ مشرکین مکہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ آنحضرت ﷺ نے جنگ کے بجائے صلح کو پسند کیا۔ کفار قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود بات چیت کرنے آئے۔ جو گفتگو کی اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ عروہ بن مسعود نے اثناء گفتگو میں صحابہ کرام کا جو رنگ دیکھا تو اس نے واپس جا کر قریش کے سرداروں سے کہا۔

حضرات! میں بادشاہوں کے درباروں میں جاتا رہتا ہوں شاہ ایران اور شاہ روم کے درباروں میں بھی گیا ہوں۔ میں شاہ حبش نجاشی، کی دربار میں بھی گیا ہوں۔ میں نے کسی بادشاہ کے جان نثاروں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی تعظیم محمد کے ساتھی محمد کی کرتے ہیں (ﷺ) خدا کی قسم میں نے یہ دیکھا کہ محمد کھنکارتے ہیں تو اس کیساتھ کھنکار (لعاب دہن) کو زمین پر گرنے نہیں دیتے (کھنکار کسی کی ہتھیلی پر پڑتی ہے تو وہ فوراً اس کو چہرے پر اور اپنے بدن پر مل لیتا ہے (گویا عطر میسر آ گیا) جہاں کسی بات کا اشارہ پاتے ہیں وہ تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں۔ محمد وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے اس پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپس میں لڑنے لگیں گے۔ جہاں آپ نے کچھ بولنا شروع کیا سب دم بخود خاموش ہو جاتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ محمد کی تعظیم کی وجہ سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ بخاری شریف ص ۳۷۹ باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب و کتاب الشروط مع الناس بالقول.

نقش پا رسول اللہ پر اس طرح جاں نثاری اور فدائیت کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جو فدا کار لعاب دہن کو زمین پر نہ گرنے دیں کیا ممکن ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی کسی سنت کو نظر انداز کر دیں؟

تراویح اور حفاظت قرآن

ان علینا جمعه وقرأنه

سامرودی صاحب فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کا ثبوت کسی ضعیف حدیث سے بھی پیش نہیں کیا جاسکتا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے دقت نظر عطا فرمائی اور جن کو مالک یوم الدین نے توفیق بخشی ہے کہ وہ حقائق پر زیادہ گہرائی سے نظر ڈالیں۔ وہ بیس رکعت تراویح کا سلسلہ قرآن پاک سے جوڑتے ہیں اور اس کو وعدۂ خداوندی۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون. اور انا علینا جمعہٗ وقرآنہٗ کی تکمیل قرار دیتے ہیں۔

اس کی وضاحت معنے خیز اور نہایت دلچسپ ہے۔

وضاحت:

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت کا آغاز تھا اور آنحضرت ﷺ کی وفات پر چند ماہ گذرے تھے کہ مسیلمہ کذاب سے خون ریز جنگ ہوئی جس میں کئی ہزار صحابہ شہید ہوئے جن میں سات سو حفاظ قرآن تھے۔

جنگ ختم ہوئی، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح بخشی۔ مسیلمہ کذاب اور اس کی امت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ یہ صدیق اکبرؓ کا عظیم الشان کارنامہ تھا جس کو اسلام کی عظیم الشان تاریخ کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ مگر سات سو حفاظ قرآن کی شہادت معمولی بات نہیں تھی۔ آنحضرت ﷺ ہر ایک آیت کو جیسے ہی نازل ہوتی قلمبند کرادیا کرتے تھے۔ تمام آیتیں اور سورتیں لکھی ہوئی موجود تھیں۔ مگر یکجا نہیں تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ نے یہ احساس پیدا کیا کہ اگر آیات کلام اللہ اور سورتیں یونہی منتشر رہیں اور جن کو پورا قرآن پاک یاد ہے وہ ایسے ہی شہید ہوتے رہے تو فتنہ عظیم رونما ہوگا۔ بہت ممکن ہے معاذ اللہ قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ اس طرح ضائع ہوجائے لہٰذا ضروری ہے کہ قرآن حکیم صرف سینوں میں نہ رہے بلکہ کتابی شکل میں یکجا جمع ہوجائے۔

یہ ایک عظیم الشان کام تھا۔ وحی الٰہی سے اس کا تعلق تھا جو اسلام کا بنیادی سرمایہ ہے یہ کام سرکاری طور پر پورے اہتمام کے ساتھ ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا حضرت عمر فاروقؓ خلیفۂ رسول اللہ ﷺ (ابوبکر صدیقؓ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تجویز پیش کی کہ پورے قرآن پاک کو کتابی شکل میں یک جا ہونا چاہئے۔

صدیق اکبرؓ نے تجویز سنی۔ تو دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنے سے جو نفرت ان کے مقدس قلوب میں جاگزیں تھی۔ اس کی بنا پر پہلے تو حضرت صدیقؓ نے جرح کی۔

کیف تفعل شیئاً لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم

جو کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا اسے آپ کیسے کرسکتے ہیں۔؟

عمر فاروق نے فرمایا۔ هذا والله خیر (قسم بخدا یہ کام لامحالہ اچھا ہے) پھر ان دونوں مقدسین کے درمیان بحث ہوئی۔ اس بحث کی تفصیل تو معلوم نہیں ہے البتہ حضرت صدیقؓ کا یہ ارشاد نقل کیا جاتا ہے۔

فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح الله صدری لذلک .ورأیت فی ذلک الذی رأی عمر.

عمر مجھ سے الٹ پھیر (بحث) کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس کام کے لئے شرح صدر عطا فرمایا (اللہ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا ذہن کی تنگلک جاتی رہی) اور میری بھی اس بارے میں وہی رائے ہوگئی جو عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی رائے تھی ان دونوں حضرات کی رائے متفق ہوگئی تو پھر حضرت زید بن ثابتؓ کو اس خدمت پر مامور کرنے کے لئے طلب فرمایا۔

حضرت زید بن ثابتؓ معتمد صحابی تھے کہ آنحضرت ﷺ نے کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد فرمارکھی تھی ان کی موجودگی میں وحی نازل ہوتی تو یہی قلمبند کیا کرتے تھے، بہت ذہین، صاحب فہم وذکا اور اپنے کام میں نہایت چست اور مستعد تھے صحابہ کرام کے معتمد تھے۔ مگر جب حضرت صدیقؓ نے ان پر واضح کیا کہ ان کو جمع قرآن کی خدمت انجام دینی ہے تو یہی سوال آپ نے بھی کیا۔

"کیف تفعلون شیئاً لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم."

(آپ صاحبان وہ کام کیسے کرسکتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا۔) اور پھر خود حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے۔

"فلم یزل ابو بکر یراجعنی حتی شرح الله صدری للذی شرح له صدر ابی بکر و عمر."

(حضرت ابوبکر مجھ سے جواب وسوال (الٹ پھیر) کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا (مجھے بھی شرح صدر ہوگیا) جس کے لئے ابوبکر وعمر کو شرح صدر ہوچکا تھا۔)

اس کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ نے نہایت جانفشانی اور پورے حزم واحتیاط سے یہ خدمت انجام دی اور قرآن حکیم کا نسخہ مرتب کیا جو خلیفہ رسول اللہ ﷺ (ابوبکر صدیقؓ) کی تحویل میں رہا۔ ان کی وفات کے بعد خلیفہ دوم (عمر فاروقؓ) کی تحویل میں رہا۔ انہوں نے اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ کرادیا۔ بخاری شریف ص ۷۴۵ باب جمع القرآن۔

اس کے بعد جب حضرت فاروق اعظم نے اپنے دور خلافت میں دیکھا کہ تراویح کی سنت جو آنحضرت ﷺ نے قائم فرمائی تھی (کہ دو روز صحابہ کرام کو تراویح پڑھانے کے بعد جماعت سے اجتناب کیا تھا) صحابہ کرام اس پر عمل پیرا ہیں نیز آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه(۱) (صحاح) پر اس طرح عمل کرتے ہیں کہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو نفلیں پڑھتے ہیں، کچھ الگ الگ پڑھتے ہیں اور کچھ جماعت بنالیتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی جماعتیں متعدد ہوجاتی ہیں تو آپ نے ارادہ کیا کہ ان سب کی ایک جماعت ہوجائے اور حضرت ابی بن کعبؓ جن کو لسان رسالت (علیٰ صاحبها الصلوة والسلام) نے "اقرء هم لکتاب الله" کے مخصوص خطاب کا شرف عطا فرمایا تھا۔ وہ ان کو تراویح پڑھایا کریں تو کنز العمال میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو بلا کر ان پر اپنا یہ ارادہ اور یہ منصوبہ ظاہر فرمایا تو حضرت ابن کعبؓ نے بھی یہی جرح کی کہ جماعت کی یہ صورت جو آنحضرت کے زمانے میں جاری نہیں رہی آپ اس کو کیسے جاری فرماتے ہیں؟ اس

(۱) جو شخص (اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر) ایمان ویقین رکھتے ہوئے ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رمضان کی راتوں میں قیام کرے اس کے پہلے گناہ سب بخش دیے جائیں گے۔

پر بحث ہوئی اور نتیجہ میں حضرت ابی بن کعب کو بھی اسی طرح شرح صدر ہوگیا جیسے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کو پہلے ہو چکا تھا۔ تب آپ نے حضرت فاروقؓ کے ارشاد پر عمل شروع کیا (کنز العمال ج ۴ ص ۲۸۴) اور اس طرح تراویح کی باقاعدہ جماعت ہونے لگی۔

یہ واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ یہ درحقیقت تکمیل ہے ان وعدوں کی جو قرآن حکیم کی ان آیتوں میں کیا گیا تھا۔

الف. انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون(ب)اور ولا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه' وقرأنه'.

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

باید دانست کہ جمع کردن شیخین قرآن عظیم را در مصاحف بسبیل حفظ آں شد کہ خدا تعالیٰ بر خود لازم ساختہ بود وعدہ اں فرمودہ وفی الحقیقت ایں جمع فعل حق است وانجاز وعدہ اوست کہ بر دست شیخین ظہور یافت ۔(ازالۃ الخفاء ج ا ص ۵۱) جاننا چاہئے کہ حضرات شیخین (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کا قرآن حکیم کو مصاحف میں جمع کرنا۔ قرآن حکیم کے تحفظ کا راستہ اور طریقہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم فرمایا تھا اور اس کا وعدہ کیا تھا (کہ ارشاد ہوا تھا ہم ہی ہیں اس کے محافظ) درحقیقت یہ جمع کرنا حضرت حق جل مجدہ کا فعل اور اپنے وعدہ کو پورا کر دینا تھا جس کا ظہور حضرت شیخین کے دست مبارک پر ہوا۔

دوسری آیت (ب) کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی (ﷺ) سے فرما رہے ہیں آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ جو آیتیں نازل ہو رہی ہیں وہ کس طرح یاد رہیں گی اور یاد رکھنے کی خاطر اپنے ذہن کو حفظ کرنے کی مشقت میں مشغول نہ کریں۔ یہ کام آپ کا نہیں ہے یہ ہمارا کام ہے جس کا ظہور آپ کی تبلیغ (وحی الٰہی کو سنا دینے) کے وقت سے عرصہ بعد ہوگا آپ کا کام یہ ہے کہ جب حضرت جبرائیلؑ کی زبانی اس کی تلاوت کی جائے تو آپ کان لگا کر سنتے رہیں۔ ''چون بر زبان جبرائیل تلاوت آن کنیم در پے استماع آن باش۔''

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس وعدہ خداوندی کی تکمیل کی پہلی منزل تو یہ تھی کہ جیسے ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے آپ وحی الٰہی سنتے تھے ''بخاطر متمکن مے شد'' ذہن میں جم جاتی تھی۔ چنانچہ بطور خرق عادت (اور بطور معجزہ) یہ ہوتا تھا کہ قرآن پاک یا قرآن پاک کی کسی آیت کے یاد کرنے میں جو مشقت امت کو برداشت کرنی پڑتی ہے (کہ بار بار یاد کرتے ہیں جب آیت یاد ہوتی ہے) آنحضرت ﷺ کو یاد کرنا تو درکنار دھرانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ خود بخود یاد ہو جاتی تھی۔

دوسری منزل یہ تھی کہ حضرات شیخین کو اس طرح جمع قرآن پر آمادہ کیا۔ یہ ان علینا جمعہ' (بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا (یکجا کرنا) کی ذمہ داری کی عملی صورت تھی۔ (ازالۃ الخفاء ص ۵۰ و ص ۵۱)

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ ہی کی وہ شخصیت ہے جو تبلیغ قرآن اور اشاعت قرآن کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ اور امت کے درمیان واسطہ بنی۔ آج کسی بھی گروہ اور کسی بھی طبقہ کا مسلمان قرآن شریف

پڑھتا ہے تو منت فاروق اعظم بر گردن اوست'' (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۰۹) حضرت فاروق کا احسان عظیم اس کی گردن پر ہے۔

حضرت شاہ صاحب کچھ تفصیل کرنے کے بعد بطور خلاصہ فرماتے ہیں۔

اول کسیکہ داعیہ الٰہیہ در خاطر او ریزش نمود و او را بمنزلہ جارحہ خود ساخت در اتمام مراد خویش کہ مضمون وانا لہ لحافظون باشد و فحوائے ان علینا جمعہ وقرأنہ فاروق اعظم است۔

سب سے پہلا شخص جس کے دل میں تقاضاء خداوندی کا نزول ہوا (ریزش ہوئی اور جس کو مشیت خداوندی نے " انا لہ' لحافظون" اور" ان علینا جمعہ وقرأنہ" کے منشاء کی تکمیل کے لئے اپنا آلہ اور جارحہ (ظاہری سبب) بنایا وہ فاروق اعظم ہیں۔

حضرت شاہ صاحب جمع قرآن۔ حفاظت اور نشر و اشاعت کی ان صورتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو حضرت فاروق اعظم نے اختیار فرمائیں مثلاً قرآن پاک کو کتابی شکل میں مرتب کرانا۔ ہر ایک آیت کے بارے میں علیٰحدہ علیٰحدہ تحقیق و تفتیش۔ حفظ کلام اللہ کی ترغیب، کلام پاک حفظ کرانے کے لئے اساتذہ کا تقرر وغیرہ انہیں خدمات کا ایک اہم باب وہ ہے جس کو بخاری اور مسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن عبد القاری کی سند سے نقل کیا ہے کہ رمضان کی ایک شب کو میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ صحابہ کرام متفرق جماعتوں میں بٹے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں کوئی اپنی نماز الگ پڑھ رہا ہے اور کوئی امام بنا ہوا ہے کچھ صحابہ اس کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں اور جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ان سب کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو بہت بہتر اور افضل ہو۔ چنانچہ حضرت ابی ابن کعبؓ کو ان کا امام مقرر فرمایا اور سب کو ایک ساتھ کر دیا۔ فجمعهم علی ابی بن کعب. بخاری شریف ص ۲۶۹ باب فضل من قام رمضان.

یہ وہی تراویح ہیں جن کے لئے سامرودی صاحب حدیث ضعیف کا مطالبہ کر رہے ہیں اور حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو آلہ اور جارحہ بنا کر اپنا وعدہ پورا فرمایا ہے۔

غالباً یہی حقیقت تھی جس کو ان بزرگوں نے (حضرت صدیق اکبر عمر فاروق اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم) نے اس وقت پیش نظر رکھا جب غور و خوض اور بحث فرما رہے تھے۔ ورنہ کیا مجال تھی عمر فاروق کی کہ وہ کلام اللہ شریف اور نماز باجماعت کے بارے میں اپنی عقل چلاتے اور من مانی کرتے۔ معاذ اللہ . (کبرت کلمة تخرج من افواههم.)

گروہ اہل حدیث کے مسلم مقتدیٰ و پیشوا حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔ صحابہؓ کی یہ عادت تھی کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ ﷺ کے کوئی شرعی اور دینی کام محض اپنی طرف سے قائم و جاری نہیں کرتے تھے (مجموعہ فتاویٰ نذیریہ ج ا ص ۳۵۸)

جماعت صحابہ معیار حق ہے

کتاب اللہ اور احادیث مقدسہ کی روشنی میں

سامرودی صاحب کے یہ فقرے کتنے گستاخانہ ہیں:۔

''نبی صاحب نے بیس ۲۰ رکعات تو پڑھی ہی نہیں ہیں...... البتہ لوگوں (صحابہ) نے بعد میں زیادہ (بیس ۲۰ رکعات تراویح) پڑھی ہیں۔ اب یہی سوچنا اور انصاف کرنا ہے کہ ہمارے لئے خدا پاک نے نبی صاحب کی فرماں برداری اور تابعداری کرنی فرض قرار دی ہے یا کہ لوگوں (صحابہ) کی؟ دین، اسلام، شریعت کے قائم کرنے کا حق کیا خدا پاک نے کسی امتی کو دیا ہے؟ لوگ (صحابہ) کا زیادہ مقدار (۲۰ رکعات) تراویح پڑھنے پر دھوکہ نہ کھانا۔ (نبی کی نماز گجراتی ص ۵۴)

یہ لوگ کون ہیں؟ ظاہر ہے صحابہ کرام ہیں (رضی اللہ عنہم) اسی سلسلہ میں سامرودی صاحب یہ بھی فرمارہے ہیں:۔

اب یہی غور وانصاف کی بات ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ہی کی اتباع اور فرماں برداری قرار دی ہے یا لوگوں کی۔ دین۔ اسلام۔ شریعت کے قائم کرنے کا حق کیا اللہ تعالیٰ نے کسی امتیوں کو دیا ہے......؟ (حوالۂ مذکور)

ان فقروں کا واضح اور کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ سامرودی صاحب صحابہ کرام کو بھی اپنے جیسے لوگوں کی جماعت قرار دے رہے ہیں اور جس طرح ہم جیسے لوگوں کا کردار کوئی شرعی حجت اور معیار حق نہیں ہے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو بھی معیار حق اور ان کے کردار اور فیصلوں کو حجت شرعی نہیں مانتے مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ سامرودی صاحب کو نہ کتاب اللہ کی خبر ہے نہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد مبارک کی۔ اگر ان کو تلاوت کلام اللہ کی توفیق ہوتی ہے تو ان کی تلاوت آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے مصداق ہے '' لا یجاوز حناجرھم.'' یعنی محض حلق اور زبان کی حرکت تک تلاوت کا اثر ہوتا ہے۔ آگے نہیں بڑھتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف ''ازالۃ الخفا'' میں قران پاک کی تقریباً سو آیتیں پیش کی ہیں، جن کا واضح منشایہ ہے کہ جماعت صحابہ کو مسلمانوں کی عام جماعتوں پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان وہ شرف بخشا ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ اس امت کا بہترین طبقہ اور خیر امۃ۔ اور امۃ وسطاً کا صحیح ترین مصداق اول ہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ جماعت انبیاء علیہم السلام کے بعد صرف جماعت صحابہ ہی ہے جس کو پوری کائنات کی آنکھ کا تارا'' کہا جا سکتا ہے اور جو یقیناً معیار حق ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ نے ان آیات کو بہت ہی موزوں اور مناسب ترتیب کے ساتھ عہد زریں میں جمع کر دیا ہے جو اردو میں ازالۃ الخفاء کی بہترین شرح ہے تفصیل کو ان کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے ہم یہاں صرف تین آیتیں پیش کرتے ہیں۔ فیصلہ خود آپ کے حوالہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

۱۔ فانزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین والزمھم کلمۃ التقویٰ و کانوا احق بھا

واھلھا . وکان اللہ بکل شئی علیماً. (سورۂ فتح ع ۳)

ترجمہ:۔ پس نازل کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سکون (اور اطمینان) اپنے رسول پر اور مومنین پر، اور ان کو جمادیا۔ تقویٰ کی بات پر (چپکادی ان پر تقوے کی بات) اور یہ مومنین اس کی سب سے زیادہ مستحق تھے۔ اور اس کے اہل تھے۔ (اس وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور مسعود میں جو مومنین تھے۔ وہ صحابہ ہی تھے) اور اللہ تعالیٰ ہر بات کا پورا علم رکھتا ہے۔

۲۔ دوسری آیت ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم. وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون فضلاً من اللہ ونعمۃ واللہ علیم حکیم. (سورۂ حجرات ع ۱)

ترجمہ:۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب کر دیا۔ تمہارے لئے ایمان (تمہارے دلوں میں اس کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری دی۔ اور ایمان کو آراستہ کر دیا (سجا دیا) تمہارے دلوں میں اور تمہارے اندر پوری کراہیت پیدا کردی کفر سے۔ فسق سے اور حکم عدولی سے۔ یہی ہیں وہ جو راہ راست پر ہیں (راشد ہیں) اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام سے اور اللہ بہت جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے (سورۂ حجرات ع: ۱۳)

کلام اللہ شریف سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے؟ کسی کو معیار حق اس لئے قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اس میں فسق وکفر یا حکم عدولی کے جراثیم ہوتے ہیں لیکن جن برگزیدہ ہستیوں کو اور پوری کائنات کے جن منتخب افراد کو آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا تھا ان کے متعلق کتاب اللہ شریف کی شہادت یہ ہے کہ ان جراثیم سے ان کے دماغ پاک ہو چکے ہیں، ان کے مقدس ذہنوں میں کفر وعصیان اور فسق وفجور کے جراثیم نہیں رہے بلکہ ان سے کراہیت اور ان باتوں سے نفرت ان کے پاک ذہنوں میں رچ گئی ہے۔ کفر وفسق کے برخلاف ایمان کی محبت ان مقدس ذہنوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے اور ان کے دلوں میں ایمان کو سجا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سکون نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ تقویٰ ان پر چپکا دیا ہے (اور روح تقویٰ کو ان کے رگ وپے میں جاری اور ساری کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کو ایسی موزوں فطرت عطا فرمائی ہے کہ یہ جماعت اس کی اہل ہے کہ کلمۂ تقویٰ ان کے سر کا تاج اور ان کی سیرت وجبلت کا پیوند بن جائے ان خصوصیتوں کی بنا پر ان برگزیدہ شخصیتوں کے متعلق کتاب اللہ کا اعلان اور فیصلہ یہ ہے۔

اولئک ھم الراشدون ۝

یہی ہیں وہ جو راہ راست پر ہیں۔

۳۔ تیسری آیت۔ السابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان. رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ. (سورۂ توبہ)

آگے بڑھ کر اسلام لانے میں پہل کرنے والے اور جو اچھے کردار کے ساتھ ان کے تابع ہوئے ہیں اور ان کے بعد ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے خدا سے راضی ہو گئے۔

اب معیار حق کے معنی مقرر فرمائیے اور خود فیصلہ کیجئے کہ جن کے تقدس کی شہادت خود قرآن مجید دے رہا ہے۔ جن کو واضح الفاظ میں ''راشد'' فرما رہا ہے اور اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

کیا کسی صاحب ایمان کے لئے گنجائش ہے کہ ان پاکباز مقدسین کی جماعت کو معیار حق نہ قرار دے۔

احادیث رسول اللہ ﷺ آیات کتاب اللہ کی تشریح اور توضیح ہوا کرتی ہیں۔ اب چند احادیث کے مطالعہ سے ذہن کو تازہ اور ضمیر کو روشن کیجئے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا جو بنو اسرائیل پر آچکا ہے۔ بنو اسرائیل کے بہتر ۷۲ فرقے ہوگئے تھے میری امت کے بھی بہتر ۷۲ فرقے ہوجائیں گے وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک ملت (ناجی ہوگی) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ وہ ملت کونسی ہے۔ ارشاد ہوا۔ ما انا علیہ واصحابی وہ ملت وہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے ساتھی۔ (ترمذی شریف مسند احمد وابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام)

۲۔ ارشاد ہوا۔ ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائدا ونوراً لهم یوم القیامة (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۶ ابواب المناقب)

میرے اصحاب میں سے کوئی بھی صحابی جس سرزمین میں وفات پائے گا، قیامت کے روز اس سرزمین والوں کے لئے قائد اور نور بن کر اٹھے گا۔

۳۔ نیز ارشاد ہوا۔ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم. (مشکوة شریف باب المناقب)

میرے ساتھیوں کی مثال تاروں جیسی ہے جس کی اقتداء (پیروی) کرلوگے۔ ہدایت پاجاؤ گے۔

۴۔ نیز ارشاد ہوا۔ ان الله نظر الی قلوب العباد فاختار محمداً فبعثه برسالته ثم نظر فی قلوب العباد فاختار له اصحابه فجعل انصار دینه ووزراء نبیه فما رأه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن ومارأه المسلمون قبیحاً فهو عند الله قبیح (اقامة الحجه ص ۸ مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۳۰ موطا امام محمد ص ۱۲ اس کی سند صحیح ہے۔ البدایة والنهایة ج ۱۰ ص ۳۲۸)

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی پس محمد (ﷺ) کو رسالت کے لئے انتخاب فرمایا۔ پھر بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو آپ کے اصحاب کو آپ کے لئے منتخب فرمالیا۔ ان اصحاب کرام کو آپ کے دین (دین محمد ﷺ) کے مددگار اور اپنے نبی (ﷺ) کے وزیر بنادیا۔ (پس یہ اصحاب کرام انصار اللہ اور آنحضرت ﷺ کے وزیر ہیں) پس جس کام کو یہ مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی بہتر ہے اور جس کو یہ برا سمجھیں وہ عند اللہ بھی برا ہے۔

۵۔ نیز ارشاد ہے:۔ تمام ادوار میں سب سے بہتر دور میرا دور ہے۔ پھر ان کا دور جو میرے دور والوں سے متصل ہیں پھر ان کا دور جو ان سے متصل ہیں۔ اس کے بعد کذب پھیل جائے گا۔ لوگ بے بلائے گواہی دینے کو تیار ہوجایا کریں گے۔ (بخاری شریف وغیرہ ترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل من رأی النبی صلی الله علیه وسلم وصحبة)

(نوٹ) حدیث نمبر ۵ نے واضح کردیا کہ حدیث نمبر ۴ میں مسلمان سے مراد صحابہ کرام ہی ہیں اور صحابہ کرام کی شان یہ ہے کہ جس کام کو وہ اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔

یہ چند روایتیں صحابہ کرام سے متعلق تھیں جو اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ حضرات صحابہ معیار حق

ہیں ان کی اتباع اتباع حق ہے۔ مگر تراویح کا معاملہ عام صحابہ کے علاوہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت علیؓ سے متعلق ہے جیسا کہ سابق روایتوں میں گذر چکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بہت سی جماعتوں کو ایک جماعت بنایا اور حضرت علیؓ نے اس کی تائید کی۔ اس پر مسرت ظاہر فرمائی اور خود اپنے دور میں بھی عمل کیا۔ یہ دونوں بزرگ خلفاء راشدین میں سے ہیں۔ خلفاء راشدین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے طریقہ کو بھی آنحضرت ﷺ نے سنت فرمایا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اس کو مضبوطی سے سنبھالے رکھیں دانتوں اور کونچلیوں سے پکڑلیں۔ عضوا علیها بالنواجذ. (بخاری شریف وغیرہ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰)

سامرودی صاحب فرماتے ہیں۔ "دین۔ اسلام۔ شریعت قائم کرنے کا حق کیا اللہ تعالیٰ نے کسی کو دیا ہے۔"

بے شک صحابہ کرام (معاذ اللہ) نیا دین، نیا اسلام یا نئی شریعت نہیں بناسکتے، نہ معاذ اللہ کسی نئے دین یا نئی شریعت یا نئے اسلام کی بحث ہے۔

بحث ہے سنت رسول اللہ ﷺ کی۔ آپ کے احکام کو سمجھنے اور آپ کے منشاء مبارک کو عملی جامہ پہنانے کی۔

بحث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات، اشارات اور آپ کے منشاء مبارک کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہتر سمجھ سکتے ہیں یا سامرودی صاحب اور ان کے ہم مشرب۔ اور اگر سامرودی صاحب جیسے لوگ آڑے آتے ہیں تو معیار حق کون ہیں؟

سابق احادیث نے یہ بتادیا کہ ایسے موقع پر صحابہ کرام ہی (رضی اللہ عنہم) معیار حق ہیں انہیں کی تعمیل واجب اور انہیں کی اتباع اتباع شریعت ہے۔ علماء حق کا یہی فیصلہ ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔ کسی کی اتباع اور اقتداء کرنی ہو تو حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ کی ہی اقتداء کرو۔ خدا پاک نے اس بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا ہے۔ لہذا تم ان کے فضل (بزرگی) کو پہچانو اور انہی کے نقش قدم پر چلو، وہ سیدھے اور صاف راستے پر تھے عن ابن مسعود قال من کان مستنا فلیستن بمن قدمات فان الحی لا تومن علیه الفتنة اولئک اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم کانوا افضل هذه الامة ابرها قلوباً واعمقها علما واقلها تکلفا اختارهم الله لصحبة نبیه ولا قامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علی اثارهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسیرهم فانهم کانوا علی الهدی المستقیم (مشکوة شریف ص ۳۲ کتاب العلم)

اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔

"یہ جماعت پوری امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرے علم کی مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لئے اسے پسند کیا تھا وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں لگی رہا کرتی تھی، اس کو دھن تھی تو اسی کی، تلاش تھی تو اسی کی،" اس کعبہ کے پروردگار کی قسم وہ جماعت صراط مستقیم پر گامزن تھی" (الموافقات ج ۴ ص ۷۸، بحوالہ ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۳۶)

حضرت محمد بن سیرینؒ سے حج کا ایک مسئلہ پوچھا گیا، تو آپ نے کہا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اس کو مکروہ سمجھتے تھے، اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے زیادہ (قریب وحدیث کے) عالم تھے اور اگر ان کی ذاتی رائے تھی تو ان کی

رائے میری رائے سے افضل ہے (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۱)

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ۔ ''بس علم تو وہی ہے جو آپ ﷺ کے صحابہ سے منقول ہے اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں۔'' جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۹)

حضرت عامر شعبیؒ کا بیان ہے کہ'' اے لوگو! جو باتیں تمہارے سامنے آپ ﷺ کے صحابہؓ سے نقل کی جائیں انہیں اختیار کرلو اور جو اپنی سمجھ سے کہے اسے نفرت سے چھوڑ دو۔'' (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔ فارض لنفسک مارضی به القوم لانفسهم فانهم علیٰ علم وقفوا...... فان کان الهدیٰ ما انتم علیه لقد سبقتمو هم الیه...... الخ.

(ترجمہ) جماعت صحابہؓ نے اپنے لئے جو راستہ پسند کیا تم بھی اسی کو اپنے واسطے پسند کرنا اور مسلک بنالینا اگر تم سمجھتے ہو کہ (صحابہ اور تمہارے اختلاف میں) تم حق پر ہو (جیسے بیس رکعت تراویح کے متعلق سامرودی صاحب سمجھتے ہیں) اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم خود کو صحابہ کی جماعت سے آگے بڑھا ہوا مانتے ہو (ظاہر ہے کہ یہ خیال کتنا حماقت آمیز اور گمراہ کن ہے۔ (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۵ باب فی لزوم السنة)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ ' پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلها ومن التسلیمات اکملها تمیز فرقۂ واحدہ ناجیہ ازاں فرق متعددہ فرمودہ است آنست الذین هم علی ما انا علیه واصحابی یعنی آں فرقۂ واحدہ ناجیہ آنانند کہ ایشاناں بطریقے اند کہ من برآں طریقم واصحاب من برآں طریق اند ذکر اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ دریں موطن برائے آن تواند بود کہ تابدانند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است و طریق نجات منوط باتباع طریق ایشانست وبس چنانکہ حق سبحانہ فرمودہ من یطع الرسول فقدی اطاع الله پس اطاعت رسول عین اطاعت حق آمد سبحانہ وخلاف اطاعت او ﷺ عین معصیت او تعالیٰ وتقدس...... پس درما نحن فیہ دعویٰ اتباع آں سرور نمودن علیہ الصلوٰۃ والسلام بخلاف اتباع طریق اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دعویٰ باطل است بلکہ آں اتباع فی الحقیقت عین معصیت رسول است پس نجات را در آں طریق مخالفت چہ مجال (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۰۲۔۱۰۳) (یعنی)

آنحضرت ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس طریقہ پر میں ہو اور میرے صحابہؓ، ظاہراً اتنا فرمادینا کافی تھا کہ'' جس طریقہ پر میں ہوں'' صحابہؓ کا ذکر اپنے ساتھ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحابؓ کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی ہی میں منحصر ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد من یطع الرسول فقد اطاع اللہ نے واضح کردیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی مخالفت بعینہ حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ میں معصیت اور حکم عدولی ہے۔ پس زیر بحث مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرنا اور ساتھ ہی صحابہؓ کے طریقہ کی مخالفت کرنا (جیسا کہ سامرودی کا طریقہ ہے) دعویٰ باطل ہے بلکہ یہ اتباع درحقیقت سراسر معصیت رسول ہے (ﷺ) پس اس مخالفت کے راستہ میں نجات کی کیا گنجائش اور امید ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ رقم طراز ہیں۔'' ومیزان در معرفت حق وباطل فہم صحابہ وتابعین است

آنچہ این جماعت از تعلیم آنحضرت ﷺ بانضمام قرائن حالی ومقالی فہمیدہ اند دراں تخطیہ ظاہر نہ کردہ واجب القبول است (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۵۷)

(ترجمہ) حق وباطل کا معیار صحابہ اور تابعین کی سمجھ ہے، جس چیز کو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے قرائن حالی ومقالی کو سامنے رکھ کر سمجھا ہے (اس میں کوئی غلطی نہیں بتائی اس کا تسلیم کرنا واجب ہے۔

تابعی جلیل، خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔'' سن رسول الله صلى الله عليه وسلم وولاة الأمر من بعده سنناً الأخذ بها تصديق لكتاب الله واستعمال لطاعة الله ومعونة على دين الله ليس لاحد تغييرها ولا النظر فى رأى من خالفها فمن خالفها واتبع غير سبيل المؤمنين ولاه والله ما تولى واصلاه جهنم وساءت مصيرا : (جامع فضل العلم لابن عبدالبر.

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد حضور ﷺ کے جانشین اولوالامر حضرات نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمادیئے ہیں کہ ان کا اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر عمل پیرا ہونا اور خدا کے دین کی مدد کرنا ہے کسی کو ان کے تغیر وتبدل کا حق نہیں پہنچتا اور نہ ان کی مخالفت کرنے والوں کی رائے قابل التفات ہے پس جو ان طریقوں کے خلاف کرے گا اور اہل ایمان کے طریقے کے خلاف چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف موڑ دے گا جس طرف کا اس نے رخ کیا ہے، پھر اس کو جہنم میں داخل کردے گا۔ اور جہنم بہت ہی بڑی جگہ ہے (التشبہ فی الاسلام ج ۲ ص ۴۹)

بیس ۲۰ رکعت کے خلاف غیر مقلدوں کے غلط دلائل اور ان کے جوابات

دلیل اول:

عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه اخبره انه سأل عائشة كيف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى رمضان فقالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد فى رمضان ولا فى غيره على احدى عشرة ركعة يصلى اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلثا قالت عائشة فقلت يا رسول الله اتنام قبل ان توتر فقال يا عائشة ان عينى تنامان ولا ينام قلبى (بخارى شريف ، كتاب التهجد ب ۵ ج ۱ ص ۱۵۴ وج ۱ ص ۲۶۹.

(ترجمہ) حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی نماز رمضان میں کیسے ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نہ رمضان میں گیارہ سے زیادہ پڑھاتے تھے نہ غیر رمضان میں چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کی بات نہ پوچھو؟ پھر چار رکعت پڑھتے تھے ان کی بھی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو۔ پھر تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔ (بخاری شریف)

سامرودی صاحب اور ان جیسے مدعیان حدیث کی کوتاہ بینی اور فہم حدیث کی صلاحیت سے محرومی پر تعجب ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس نماز کا تذکرہ فرمارہی ہیں جو رمضان شریف کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی سال بھر پڑھی جاتی ہے اور ظاہر ہے سوال بھی ایسی ہی نماز کے متعلق تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ حضرت عائشہ جیسی سخن فہم اور منشاء سائل کو پرکھنے والی خاتون کا جواب کچھ ہوتا اور سائل کا سوال کچھ۔ ایسی بے جوڑ بات معمولی انسان بھی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ذکی ذہین صاحب سلیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا؟ اب کھلی ہوئی بات ہے کہ جو نماز رمضان اور غیر رمضان میں سال بھر پڑھی جاتی ہے وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد کی نماز ہے تراویح کے متعلق خود بخاری شریف کی روایت پہلے گذر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین روز پڑھائی تھی۔ پھر صحابہ کرام تشریف لائے مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہیں لائے اور نماز نہیں پڑھائی۔ پس جب کہ روایت صحیحہ میں یہ موجود ہے کہ یہ نماز صرف تین دن پڑھی گئی جس میں صحابہ کی جماعت شامل ہوئی آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی تو ان تمام تصریحات کو تہجد پر محمول کرنا ابلہ فریبی نہیں ہے تو کیا ہے؟ تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ تمام سال پڑھتے تھے۔ مگر نہ کبھی اس میں اس طرح اجتماع ہوا۔ نہ کبھی صحابہ کی جماعت بنی نہ آنحضرت ﷺ نے تہجد میں کبھی جماعت صحابہ کو نماز پڑھائی۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین حدیث علماء کبار نے تصریح کردی ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نماز تہجد کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔

شارح صحیح بخاری محدث علامہ شیخ شمس الدین کرمانی فرماتے ہیں:۔ اما ان المراد بها صلوة الوتر والسوال والجواب واردان علیه (حدیث شریف میں تہجد مراد ہے، حضرت ابوسلمہ کا (مذکورہ بالا) سوال اور حضرت عائشہ کا جواب تہجد کے متعلق تھا)۔

آگے تحریر فرماتے ہیں۔ اوهو معارض بما روی انه صلی الله علیه وسلم صلی بالناس عشرین رکعة لیلتین (اگر تہجد مراد نہ ہو تو یہ روایت اس روایت سے معارض ہوگی جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رات تک بیس بیس رکعتیں پڑھائی۔ وروایة المثبت مقدمة علی روایة النافی (اور تعارض کی صورت میں (بیس رکعت والی روایت جو مثبت ہے وہ مقدم ہوگی کیونکہ اصول حدیث کی رو سے مثبت، نافی پر مقدم ہوتی ہے۔ الکوکب الدراری شرح صحیح بخاری ج۹ ص ۱۵۶. ۱۵۵ کتاب التهجد باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیره.

(۲) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ ’’صحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گزارد ہمہ تہجد وے بود کہ یازدہ رکعت باشد (اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ گیارہ رکعت (وتر کے ساتھ پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔ (اشعۃ اللمعات ج۱ ص۵۴۴)

(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ’’آں روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان وغیرہ رمضان یکساں بود (وہ روایت نماز تہجد پر محمول ہے کہ رمضان و غیر رمضان میں برابر تھی (مجموعہ فتاوی عزیزی ج۱ ص۱۲۵)

(۴) حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ وقد اوتر رسول الله صلی الله علیه وسلم برکعة وثلاث وخمس وهکذا بالأوتار الی احدی عشرة رکعة والروایة مترددة فی ثلث عشرة وفی

حدیث شاذ سبع عشرة وکانت هذه الرکعات اعنی ما سمینا جملتها وترا صلوة باللیل وهو التهجد (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۲ رواتب الفرائض)

(ترجمہ)۔ آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت، تین رکعت، پانچ رکعت، سات رکعت نو رکعت اور گیارہ رکعت سے وتر ادا کیا ہے، تیرہ رکعت کی روایت متردد ہے اور ایک حدیث شاذ میں سترہ رکعت بھی آئی ہیں اور یہ تمام رکعتیں جن کے متعلق ہم نے وتر کا لفظ استعمال کیا ہے آنحضرت ﷺ رات میں پڑھتے تھے یہی تہجد ہے۔

ان حضرات علماء حدیث کے ارشادات سے بھی واضح بات یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۴ وعدد رکعت النبی صلی الله علیه وسلم فی اللیل الخ سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۶ ابو اب قیام اللیل باب فی صلوة اللیل ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۸ باب ماجاء فی وصف صلوة النبی ﷺ باللیل نسائی شریف ج ۱ ص ۱۵۴ کتاب قیام اللیل وتطوع النهار باب کیف الوتر بثلاث. موطا امام مالکؒ ص ۴۲ باب ماجاء فی صلوة اللیل صلوة النبی ﷺ فی الوتر امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اپنی مشہور کتاب ’’قیام اللیل‘‘ میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہؓ نقل نہیں فرمائی اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں۔ دیکھئے قیام اللیل ص۹۲۔۹۱ حافظ حدیث ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد ج۱ ص۸۶ میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں نقل کی ہے اور اگر کسی کتاب میں یہ روایت رمضان کی عبادت کے طور پر تراویح کے ساتھ نقل ہوگئی ہو تو اسے تراویح سے متعلق روایت سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔ تہجد بھی تراویح کی طرح رمضان کی ایک عبادت ہے۔ اس مناسبت سے تراویح کے ساتھ نقل کی جاسکتی ہے۔ پس اگر بالفرض کہیں نقل ہوگئی ہے تو اسے دلیل قطعی نہیں بنایا جاسکتا۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.

علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبیؒ کا یہ قول بھی نظر انداز نہ ہونا چاہئے کہ ’’بہت سے اہل علم مذکورہ روایت کو مضطرب مانتے ہیں‘‘ (عینی شرح صحیح بخاری کتاب التہجد ج۷ ص۱۸۷ طبع جدید)

مختصر یہ کہ مذکورہ روایت آٹھ رکعت تراویح کے لئے کسی بھی طرح قابل حجت نہیں، اس کے برخلاف بیس رکعت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی موافقت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور جمہور امت نے اس کو عملاً قبول کرلیا ہے امام ابوداؤدؒ کا فیصلہ ہے کہ اذا تنازع الخبران عن النبی صلی الله علیه وسلم ینظر بما اخذ به اصحابه (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۲۶۳ کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم) یعنی جب دو حدیثیں متضاد ہمارے سامنے ہوں (جیسے کہ آٹھ رکعت اور بیس رکعت والی حدیثیں، تو دیکھا جائے گا کہ عمل صحابہ کس کے مطابق ہے؟ جس کے مطابق ہوگا وہ قابل قبول اور لائق عمل ہے۔

(۱) امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۹ھ) فرماتے ہیں کہ اذا جاء عن النبی صلی الله علیه وسلم حدیثان مختلفان وبلغنا ان ابابکر وعمر عملا باحد الحدیثین وترکا الاخر کان ذلک دلیلا علی ان الحق فیما عملا به یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو مختلف حدیثیں آجائیں اور ہمیں معلوم ہو کہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ان میں سے کسی ایک پر عمل کیا ہے اور دوسرے کو ترک کر دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ جس حدیث پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی صحیح اور حق ہے (التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد ص ۴۴)

(۲) امام ابوداؤد سجستانیؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں۔ اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم ینظر ما اخذ بہ اصحابہ ۔ یعنی جب دو مختلف حدیثیں آئیں تو دیکھا جائے گا صحابہؓ نے کس پر عمل کیا ہے جس پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی حق ہے (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۲۶۳ کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم)

(۳) امام مجتہد ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (المتوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:۔ متی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبر ان متضاد ان وظہر عمل السلف باحدھما کان الذی ظہر وعمل السلف بہ اولیٰ بالا ثبات یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو حدیثیں متضاد مروی ہوں اور ان میں سے کسی ایک حدیث پر سلف کا عمل رہا ہو تو وہی اولی بالاثبات۔دگی (احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۷ باب القول فی بسم اللہ الرحمن الرحیم ،فصل وما الجہر بہا)

(۴) امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) عثمان دارمی سے نقل فرماتے ہیں۔ لما اختلفت احادیث الباب ولم یتبین الراجح منہا نظرنا الی ما عمل بہ الخلفاء الراشدون بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجحنا بہ احد الجانبین اھ یعنی جب ایک بات کی مختلف حدیثیں آ گئی ہوں اور راجح کا یقین نہ ہو سکے تو ہم خلفاء راشدین کے عمل کو دیکھیں گے اور اس سے ترجیح دیں گے یعنی اس کے مطابق عمل کریں گے (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۶۹ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۵) محدث خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی تاریخ میں امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۹ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ لو کان ہذا الحدیث ہو المعمول بہ لعملت بہ الا نمہ ابو بکر وعمر وعثمان بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ ان یصلی الامام قاعداً ومن خلفہ قعوداً ۔ یعنی اگر یہ حدیث معمول بہ ہوتی کہ امام (عذر کی وجہ سے) بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں۔تو اس پر رسول خدا ﷺ کے بعد کے ائمہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ ضرور عمل کرتے (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۴۷ مطبع مصر)

(۶) محقق ابن ہمام رحمہ اللہ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ وممّا یصحح الحدیث ایضاً عمل العلماء علی وفقہ ۔ یعنی جن امور کی بنا پر حدیث کی صحت معلوم کی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے علماء اس کے موافق عمل کریں (تو یہ دلیل ہے حدیث کے صحیح ہونے کی۔(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۹ قبیل باب ایقاع الطلاق)

(۷) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:۔

"اتفاق سلف و توارث ایشاں اصل عظیم است درفقہ۔یعنی اتفاق سلف اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔(ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ج ۲ ص ۸۵)

(۸) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں ۔"میزان درمعرفت حق و باطل فہم صحابہ وتابعین است آنچہ ایں جماعت از تعلیم آنحضرت ﷺ بانضمام قرائن حالی ومقالی فہمیدہ اند ودریں تخطیہ ظاہر نکردہ واجب القول است یعنی حق اور باطل سمجھنے کے لئے میزان اور معیار صحابہؓ اور تابعینؒ کا فہم ہے جو اس جماعت نے

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے حالی اور مقالی قرائن کے انضمام کے ساتھ سمجھا ہے جب کہ اس فہم میں خطاء ظاہر نہ کی گئی ہو تو وہ فہم واجب القبول ہے (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۵۷)

دلیل ثانی:۔

آٹھ رکعت کے متعلق حضرت جابرؓ کی روایت (قیام اللیل ص ۹۰) پر سامرودی صاحب کو بہت ناز ہے اور مباہلہ کے لئے تیاری بتلاتے ہیں، مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس کی سند قابل اعتبار نہیں ہے اس سند کے رجال کے متعلق ائمہ فن کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔سند میں ایک راوی "ابن حمید رازی" ہیں جن کے متعلق ناقدین حدیث بزرگان کرام کے تبصرے ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) وھو ضعیف۔وہ ضعیف ہے (حافظ ذہبیؒ)

(۲) کثیر المناکیر۔بہت منکر احادیث بیان کرتا ہے (یعقوب بن شیبہؒ)

(۳) فیہ نظر۔اس میں نظر (اعتراض) ہے (امام بخاری)

(۴) کذبہ ابو زرعہ۔وہ جھوٹا ہے (ابوزرعہؒ)

(۵) اشھد انہ کذاب۔میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے (اسحاق کوسج)

(۶) فی کل شی یحدثنا ما رأیت اجرأ علی اللہ منہ کان یأخذ احادیث الناس فیقلب بعضہ علی بعض (ترجمہ) ہر چیز میں حدیثیں بیان کرتا ہے، اللہ پر اس سے زیادہ جری شخص میں نے نہیں دیکھا لوگوں کی حدیثوں کو بدل دیتا ہے (صالح جزرہ)

(۷) واللہ یکذب خدا کی قسم یہ جھوٹا ہے (ابن خراش)

(۸) لیس بثقہ معتبر نہیں (امام نسائی) (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۰۔۴۹)

دوسرے راوی یعقوب بن عبداللہ اشعری القمی کے متعلق:۔

(۱) لیس بالقوی قوی نہیں ہے (دارقطنی) میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۲۴)

تیسرے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق:۔

(۱) عندہ مناکیر اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں (ابن معین)

(۲) منکر الحدیث منکر الحدیث ہے (نسائی)

(۳) متروک الحدیث متروک الحدیث ہے (نسائی)

(۴) منکر الحدیث منکر الحدیث ہے (ابوداؤد۔خلاصہ)

(۵) ضعفاء میں شمار ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۱)

بلوغ المرام میں حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ اس میں رکعت کی تعداد ہی نہیں ہے۔دیکھئے بلوغ المرام ۴۳۔۴۲) دوسرا اضطراب یہ ہے کہ وتر فرض ہو جانے کے خوف سے آنحضرت ﷺ کے باہر تشریف نہ لانے کا ذکر ہے۔حالانکہ احادیث صحیحہ میں تراویح کا ذکر ہے۔(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۴۳۔۴۲)

یہ ہے آٹھ رکعت والوں کی پونجی، جس کے سہارے بیس ۲۰ کی مخالفت کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں ۔افسوس!

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بیس رکعت تراویح کے متعلق سامرودی صاحب کا ایک شگوفہ اور اس کی تردید:

(سوال ۱۹۸) غیر مقلد مولوی عبدالجلیل سامرودی کہتے ہیں کہ مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب فتح سر المنان ص ۳۲۷ میں لکھا ہے کہ بیس ۲۰ رکعت کی روایت حضور ﷺ سے ثابت نہیں، مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں کہ کیا یہ صحیح ہے اور یہ بھی بتائیں کہ علماء ہند حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز وغیرہ کا مسلک کیا رہا ہے۔ بیس رکعت کا ثبوت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیے۔

(الجواب) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت بالکل لچر ہے سبحانک ھذا ابھتان عظیم بلکہ آپ مذکورہ روایت کی تائید فرما رہے ہیں۔ آپ کو بیس رکعت تراویح کے مخالف کہنا بالکل غلط ہے۔ آپ بیس رکعت کے قائل ہیں۔ بیس ۲۰ کے خلاف آپ کا قول و عمل ثابت نہیں، آپ تنہا ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے مشہور و مسلم محدثین حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ وغیرہ صدہا محدثین بیس ۲۰ رکعت کے قائل ہیں۔ بیس ۲۰ سے کم پڑھنا کسی سے ثابت نہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۶۷) (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲۵) (مالابد منہ ص ۶۳)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب فتح المنان میں تحریر فرماتے ہیں کہ فالظاھر انہ ثبت عندھم صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ کما جاء فی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ فاختارہ عمر رضی اللہ عنہ ۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہو چکا تھا جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں وارد ہے اسی لئے حضرت عمرؓ نے بیس ۲۰ رکعت اختیار فرمائیں اور فرماتے ہیں۔ کہ

وصحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گذارد ہمہ نماز تہجد وے بود کہ یازدہ رکعت باشد و ابن ابی شیبہ از ابن عباسؓ آورد کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گذارد بست رکعت بود یعنی اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو گیارہ رکعت (مع الوتر) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی اور ابن ابی شیبہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جو پڑھی ہیں وہ بیس ۲۰ رکعت ہیں (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۴۴) اور فرماتے ہیں کہ۔ زیرا کہ بصحت رسیدہ است کہ قیام میکردند در عہد عمرؓ بہ بست رکعت۔ یعنی صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرامؓ بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۴۷) اور "ماثبت بالسنۃ" میں تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک تراویح بیس ۲۰ رکعت سنت ہے کہ بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرامؓ بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے۔ نیز

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی یہی عمل رہا۔ (ص ۲۲۳)

یہ ہے اصل حقیقت اور آپ کا عقیدہ، کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ حضرت شیخ محدث دہلویؒ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو "بالکل لچر" کہتے ہیں اور آپ بیس ۲۰ رکعت کے مخالف تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ دونوں صحابی ہیں ان کے درمیان کوئی ضعیف راوی نہیں جس سے حدیث ابن عباسؓ کو ضعیف کہہ سکیں اور عمل صحابہ ضعیف حدیث کی بنیاد پر ہونا سمجھ سکیں: ان کا عمل صحیح بنیاد پر تھا لہٰذا ان کی پیروی کرنے والے کس طرح دھوکا کھانے والے ہو سکتے ہیں؟ غرض کہ صحابہ کے اعتبار سے حدیث مذکور ہرگز ضعیف نہیں ہے البتہ بعد میں ایک ضعیف راوی ابراہیم بن عثمان شامل ہونے سے بعد والوں کے اعتبار سے روایت مذکورہ "روایۃً" ضعیف کہی جا سکتی ہے مگر "درایۃً" تو صحیح ہی ہوگی کیونکہ خلفاء راشدین وغیرہ صحابہؓ کا بیس ۲۰ رکعت پر عمل و مواظبت اس کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ بحر العلومؒ فرماتے ہیں:۔ ومواظبۃ الصحابۃ علیٰ عشرین قرینۃ صحۃ ھذہ الروایۃ یعنی صحابہ کرامؓ کی بیس ۲۰ رکعت پر مواظبت اس بات کا قرینہ اور علامت ہے کہ حضرت ابن عباس کی روایت صحیح ہے۔ (رسائل الارکان ص ۱۳۸ فصل فی صلوٰۃ التراویح)

آنحضرت ﷺ کے ہر وقت کے ساتھی اور عبادت کے شریک صحابہؓ کا آخری اور دائمی عمل بیس رکعت کا ہے۔ دیکھئے! حضرت امام ترمذی فرماتے ہیں۔ رکعت تراویح کے بارے میں اہل علم (محدثین) میں اختلاف ہے۔ بعضے وتر کے ساتھ ۴۱ رکعت کے قائل ہیں جیسے کہ اہل مدینہ کا قول و عمل ہے لیکن اکثر کا وہی عقیدہ ہے جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ سے مروی اور منقول ہے اور وہ بیس ۲۰ رکعت ہے۔ یہی قول امام الحدیث سفیان ثوریؒ اور ابن المبارکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بھی بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۹۹ ابواب الصوم باب ماجآء فی قیام شھر رمضان) ائمہ روایت کے ان اقوال کی بناء پر ہمیں یقین آ جانا چاہئے کہ ابراہیم ابن عثمان بیس ۲۰ رکعت کے بارے میں سچا ہے جس کام کی صحیح طور پر۔ (تعامل صحابہؓ) سے تصدیق ہو جائے اس کو جھٹلاتے رہنا سراسر بے انصافی اور ظلم ہے۔ رہا محدثین کا نزاع تو وہ ایک قانونی بحث ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیس رکعت کے مخالف ہیں اور وہ بیس رکعت پڑھتے نہ تھے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ابن ہمامؒ وغیرہ جن کو بطور مخالف پیش کیا جاتا ہے ان کا عمل بیس رکعت سے کم ثابت نہیں۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کی اتباع ہمارے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اے ایمان والو! تم خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولوالامر ہیں ان کی بھی۔ (قرآن حکیم)

حضرات خلفاء راشدینؓ اولوالامر کے سب سے پہلے مصداق ہیں ملاحظہ ہو اہل حدیث کے امام مولانا صدیق حسن صاحب کی تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن (ج ۱ ص ۵۸۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما اٰتکم الرسول فخذوہ. ترجمہ۔ اور رسول ﷺ تم کو جو کچھ دے اس کو قبول کرلو۔ (قرآن حکیم)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کے لوگ بہت اختلاف دیکھیں گے اس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ میرے اور میرے خلفاء راشدینؓ کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رہیں ۔ (ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۷ کتاب السنۃ باب لزوم السنۃ)

مذکورہ آیات واحادیث کی بنا پر ہمارے لئے لازم ہوجاتا ہے کہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا فرمان عالی ہے کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتداء کرنا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰ باب مناقب ابی بکر و عمر) اور ارشاد فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی تم اقتداء کرو گے ہدایت پالو گے (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابۃ

اور مؤطا امام محمد میں ہے کہ جس طریقہ کو مومن پسند کریں وہ عند اللہ بھی پسندیدہ ہے۔ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہ طریقہ حق اور نجات دہندہ ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ ابن مسعودؓ کی وصیت کو مضبوط پکڑے رکھو یعنی ان کی وصیت پر مکمل عمل کرو (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۱ ابواب المناقب مناقب عبداللہ بن مسعود)

اب حضرت ابن مسعودؓ کی وصیت دربارۂ صحابہ گیا ہے۔ وہ ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں: تم میں سے اگر کسی کو اقتداء کرنا ہے تو وہ اصحابؓ محمد ﷺ ہی کی اقتداء کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی حفاظت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ لہذا تم بھی ان کی عظمت پہچانو اور انہیں کے نقش قدم پر چلو اس لئے کہ وہ واضح راہ راست پر تھے۔ (الموافقات ج ۴ ص ۷۸)

اور حضرت حسنؒ شہادت دے رہے ہیں کہ اس کعبہ کے رب کی قسم کہ صحابہؓ کی یہ جماعت صراط مستقیم پر قائم تھی (الموافقات ج ۴ ص ۷۸ از ترجمان السنہ ج ۱)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ فرقۂ ناجیہ کی علامت کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے الذین هم علی ما انا علیه و اصحابی. یعنی نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جو میرے اور میرے اصحابؓ کے طریقہ پر ہو۔ پھر حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں۔ بظاہر یہ فرمادینا کافی تھا کہ جس پر میں ہوں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اصحاب کا ذکر بھی اپنے ساتھ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ میرے اصحاب کا طریقہ وہی ہے جو میرا طریقہ ہے۔ لہذا نجات کی راہ صحابہ کی اتباع ہی سے وابستہ ہے۔ جیسے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ یعنی جس نے رسول ﷺ کی اطاعت واتباع کی اس نے اللہ کی اطاعت کی یعنی رسول ﷺ کی اطاعت کرنا ہی اللہ کی اطاعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنا عین اللہ کی نافرمانی ہے اسی طرح حضور ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرنا اور ساتھ ہی صحابہؓ کے طریقہ کی اتباع کی مخالفت کرنا یہ دعوی رد اور باطل ہے بلکہ اس طرح کی اتباع درحقیقت آپ کی نافرمانی شمار ہوگی تو اس صورت میں نجات کی گنجائش کہاں رہ سکتی ہے۔ ویحسبون انهم علیٰ شئی الا انهم هم الکاذبون. یعنی وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم کسی حقیقت پر ہیں مگر جان لو! کہ وہ جھوٹے ہیں (قرآن حکیم) یہی حال ان کا ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جس جماعت نے اصحاب رسول ﷺ کی اتباع کو لازم بنالیا ہے وہی اہل سنت والجماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور گردانے۔ (مکتوبات ج ۱ ص ۱۰۳ المکتوب نمبر ۸۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیز (المتوفی ۱۰۱ھ) کے اس مکتوب گرامی کو محدثین نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں حضرات صحابہؓ نے اپنے لئے جو رائے اور عقیدہ پسند کیا ہے تم بھی اپنے لئے اسی کو پسند کرو اور اس کو اپنا مسلک بنالو کیونکہ حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ خدا کی طرف سے جو علم لائے تھے صحابہ کرامؓ اس سے پوری طرح واقف و باخبر تھے۔ دین کے بارے میں ان کو بصیرت تامہ اور فہم رسا حاصل تھی جس کی وجہ سے ہر چیز کی حقیقت تک وہ پہنچتے تھے اور تم سے زیادہ دین کی حقیقت اور شریعت کے منشاء کو سمجھتے تھے اس کے باوجود اگر تم سمجھتے ہو کہ (صحابہ اور تمہارے اختلاف میں) تم حق پر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے آپ کو جماعت صحابہؓ سے بھی افضل سمجھتے ہو ظاہر ہے کہ یہ خیال کتنا احمقانہ اور گمراہ کن ہے (ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۵ باب لزوم السنۃ)

ایک مرتبہ حضرت علیؓ خوارج کو سمجھانے لگے خوارج کہنے لگے کہ ہم تو صرف قرآن کا حکم مانیں گے دوسری کوئی دلیل سننا نہیں چاہتے۔ حضرت علیؓ نے قرآن ہاتھ میں لے کر فرمایا اے قرآن بول اور جس بارے میں یہ نزاع کر رہے اس کی حقیقت ان کو سمجھا دے۔ پھر آپ نے خوارج سے فرمایا تم نے دیکھا قرآن نے میرے کہنے کے باوجود کچھ نہیں کہا (مطلب یہ تھا کہ قرآن کی اتباع کی صورت یہی ہے کہ اس کے جاننے اور سمجھنے والے جو کچھ بتائیں اس کی اتباع کرو۔ یہی قرآن کی اتباع ہے) پھر فرمایا کہ احمقو! جن لوگوں نے رسول خدا سے (ﷺ) بلاواسطہ قرآن اور دین اخذ کیا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان سے زیادہ قرآن و دین کے جاننے والے ہو؟

غرض کہ بیس ۲۰ رکعت پڑھنے والے حق پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرامین، اس کے رسول ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ پر عمل کرنے والے ہیں، دھوکا کھانے والے نہیں، دھوکا کھانے والے بیس ۲۰ سے کم پڑھنے والے ہیں کہ رمضان کے مبارک ماہ میں ایک ایسی عبادت سے محروم ہیں جس پر خلفاء راشدینؓ، صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین، سلف صالحین سے لے کر خلف لاحقین تک اجماع اور اتفاق ہوچکا ہے ایک ایسی حدیث پر جس میں دوسرے احتمالات موجود ہوں عمل کر کے دوسری احادیث صحیحہ کو ترک کردینا امانت داری نہیں ہے امانت دار تو وہ ہے جو تمام احادیث پر عمل کرتا ہو اور ان کو تسلیم کرتا ہو۔

خدارا بیس ۲۰ رکعت پڑھنے دو۔ عبادت سے مت روکو اور خود بھی بیس ۲۰ پر عمل کرو چاہے سنت خلفائے راشدینؓ سمجھ کر پڑھو۔ لیس الا بامرہ صلی اللہ علیه وسلم.

بانی دارالعلوم دیوبند شمس الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کا بیس ۲۰ رکعت کے بارے میں فیصلہ کن فتویٰ پڑھئے۔

(سوال) علماء دین کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک شخص کبلن دھرا پرگنہ نگینہ ضلع بجنور کا باشندہ آیا ہے وہ کہتا ہے کہ "ضاد" "مخرج" "زا" پڑھو نہیں تو نماز باطل ہوگی اور تراویح آٹھ رکعت پڑھو۔ بیس ۲۰ رکعت پڑھنا فضول ہے! (حضرت مولانا نے تراویح کے متعلق جو جواب دیا ہے وہ درج ذیل ہے)

(الجواب) باقی رہی تراویح! اس میں آج کل کے ملانوں نے تخفیف کر ڈالی ہے۔ یعنی بیس ۲۰ کی آٹھ کر ڈالی ہے وہ سب کو سہولت کی وجہ سے پسند آتی ہے مگر یہ بات کوئی سمجھتا نہیں کہ آٹھ رکعت جو حدیث میں وارد ہے تہجد کی رکعات ہیں۔ تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز ہے تراویح تو بیس ۲۰ ہی رکعت ہیں!

حضرت عمرؓ کے دور میں ہزار ہا صحابہؓ موجود تھے اس زمانہ سے لے کر آج تک کسی نے بیس ۲۰ رکعت میں حجت نہیں کی تھی (خوشی خوشی بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے) مگر آج کل ایسے عامی ان پڑھ عالم پیدا ہوئے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام کو بھی غلط کہا۔ سبحان اللہ یہ منہ اور مسور کی دال! یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ سے پہلے بیس ۲۰ رکعت پڑھی نہ جاتی تھی، یہ غلط خیال ہے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس ۲۰ رکعت خاص اہتمام سے پڑھی جانے لگی اس سے یہ کیسے لازم ہوا کہ پہلے بیس ۲۰ رکعت نہ پڑھی جاتی تھی۔ البتہ اتنے اہتمام اور جماعت کثیر کے ساتھ نہ پڑھی جاتی تھی الگ الگ متفرق جماعتوں سے پڑھی جاتی تھی حضرت عمرؓ نے سب کو ایک بڑی جماعت سے پڑھنے کا اہتمام کردیا۔

دیکھئے! پہلے نکاح ثانی کا اتنا اہتمام نہ تھا کیونکہ نکاح ثانی کو اتنا معیوب نہیں سمجھتے تھے جب حضرت شاہ ولی اللہ نے دیکھا کہ لوگ نکاح ثانی کو نہایت معیوب سمجھنے لگے تو اس کا ذکر آپ نے اپنی کتابوں میں کیا اور ان کی اولاد اور شاگردوں نے نکاح ثانی کے اجراء کے لئے کمر کس لی مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نکاح ثانی کا طریقہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی ایجاد ہے اور حضور ﷺ کے دور کا طریقہ نہیں ہے! بس اسی طرح بیس ۲۰ رکعت تراویح کو حضرت عمرؓ اور آپ کے دور کے صحابہؓ کی ایجاد نہیں بلکہ سنت نبوی ﷺ ہی سمجھنا چاہئے ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت عمرؓ سنی نہ تھے آپ کے دور کے صحابہ بھی سنی نہ تھے تمام نعوذ باللہ بدعتی تھے! آپ ﷺ کی سنت کو محو کردیا اور اپنی سنت جاری کی۔ اب آپ ہی بتلایئے کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام کو برا سمجھنے والے کون ہیں؟ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کی اتباع کا حکم تو احادیث صحیح میں موجود ہے۔ چند احادیث لکھے دیتا ہوں۔ غیر مقلد مولوی صاحب سے ان کا مطلب دریافت کرلینا جو آٹھ رکعت کا نقارہ بجاتے ہیں اور بیس ۲۰ رکعت کو فضول کہتے ہیں۔

(۱) علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی (۲) اقتدوا بالذین من بعدی (۳) اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم. (تصفیۃ العقائد ص ۳۹.۳۸) فقط واللہ اعلم بالصواب.

تراویح اور وتر کے متعلق متفرق مسائل

(سوال ۱۹۹) تراویح پڑھانے کے لئے ایک حافظ ہے اور قرآن سننے والا حافظ نہیں تو ایسی حالت میں ایک آدمی امام کے پیچھے قرآن مجید کھول کر سنے تو کیا حکم ہے؟ اور لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا امام قرآن مجید اپنے سامنے کھلا رکھ کر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے؟ میں نے خود نے "بریاؤ" میں اس طرح نماز پڑھی ہے؟ فی الحال جو امام صاحب ہیں وہ انکار کرتے ہیں کہ کھول کر دیکھنا صحیح نہیں ہے۔ اہل حدیث کے مولوی کے کہنے کے مطابق پڑھ سکتے ہیں۔ لہذا شرعی حکم کیا ہے اس سے آگاہ فرمائیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب امام کے پیچھے مقتدی بیٹھ کر قرآن مجید میں دیکھ کر لقمہ دے گا تو قرآن مجید ہاتھ میں اٹھائے گا یا آغوش میں یا رحال پر رکھے گا اور بار بار ورق پلٹے گا۔ رکوع کے وقت قرآن مجید ہٹائے گا اور دوبارہ اپنی طرف کھینچے گا اور قرآن مجید میں سے سیکھ کر امام کو بتلائے گا یا امام کو سکھلائے گا تو قرآن مجید معلم اور مقتدی و امام متعلم بنیں گے جس سے عمل کثیر لازم آئے گا۔ لہذا نماز فاسد ہوجائے گی۔ قال فی الھدایہ . ان حمل المصحف

والنظر فیہ وتقلیب الاوراق عمل کثیر ولا نہ تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیرہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے نھانا امیر المومنین ان نوم الناس فی المصحف وان یومنا الا محتلم. (عینی شرح ھدایہ ج ۱ ص ۷۸۵ باب مانفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا) یعنی حضرت عمر فاروقؓ نے منع فرمادیا کہ ہم قرآن شریف میں دیکھ کر لوگوں کی امامت کریں۔ نیز ہدایت کردی تھی کہ صرف بالغ شخص ہی امامت کرسکتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ حضرت سعید بن المسیب حضرت حسن بصری حضرت شعبی حضرت سلمی اور حضرات غیر مقلدین کے مقتدا ابن حزم ظاہری کا مسلک بھی یہی ہے البتہ اگر قرآن شریف یا وہ رکوع یا سورت جو پڑھ رہا ہے وہ اس کو حفظ یاد ہے اور سامنے قرآن شریف کھلا رکھا ہے اس پر نظر پڑجاتی ہے یا اس پر نظر ڈال رہا ہے اور پڑھ رہا ہے۔ مثلاً سورۂ اخلاص حفظ یاد ہے وہ حفظ کے اعتماد پر پڑھ رہا ہے۔ سامنے قرآن شریف میں یہی سورت اس کے سامنے کھلی ہوئی ہے یا دیوار پر لکھی ہوئی ہے وہ اس پر بھی نظر ڈال رہا ہے اور پڑھ رہا ہے تو اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔ نماز ہوجائے گی کیونکہ یہاں نماز میں سیکھنے اور یاد کرنے کا عمل نہیں ہو رہا ہے قال فی شرح الھدایۃ للعلامۃ العینی واذا کان یحفظہ عن ظھر القلب وھو مع ذلک ینظر فی المکتوب اوعلی المحراب فیقرأ فلا اشکال انہ یجوز ج ۱ ص ۷۸۴ ایضاً)

جو صاحب حفظ یاد نہ ہونے کی صورت میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے کو نماز میں جائز قرار دیتے ہیں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک عمل سے استدلال کرتے ہیں۔ جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ترجمہ باب میں بلا سند کے نقل کردیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ کانت عائشۃ یومھا عبدھا ذکوان من المصحف ص ۹۶ باب امامۃ العبد والمولی. (ترجمہ۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی امامت کیا کرتے تھے ان کے غلام ذکوان قرآن شریف سے) مگر اس عمل سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ نہیں ہے کہ حضرت ذکوان کو قرآن شریف یاد نہیں تھا بلا یاد وہ قرآن شریف سے پڑھتے تھے اور اس طرح پڑھ کر امامت کیا کرتے تھے۔ یہ بات قرین قیاس بھی نہیں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی صاحب علم اور صاحب فضل ام المومنین نماز جیسی اہم عبادت کے لئے ایسے غلام کو امام بنائیں جس کو قرآن شریف یاد نہ ہو اور بچوں کی طرح قرآن شریف دیکھ کر پڑھتا ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس سے یہ استدلال نہیں کیا۔ امام بخاریؒ نے اس واقعہ کو " امامۃ العبد والمولی " کے سلسلہ میں پیش کیا ہے۔ یعنی یہ کہ زر خرید غلام یا آزاد کردہ غلام آزاد خاتون یا خود اپنے آقا کی امامت کرسکتا ہے)

حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب دنیا میں صرف ایک مصحف تھا۔ احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی تحریک پر قرآن پاک کتابی شکل میں مرتب کرایا۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس محفوظ تھا۔ آپ کی وفات کے بعد خلیفۂ دوم کے سپرد کیا گیا ۔ جو ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔ بخاری شریف ص ۷۴۵ و ص ۷۴۶ باب جمع القرآن۔ اس دور میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ صحابہ کرام کے مقدس سینے قرآن پاک کے محافظ خانے تھے۔ یہی حال ان کے تلامذہ (تابعین) کا بھی تھا۔ اس دور میں اس ایک مصحف کو جو حضرت ابوبکرؓ کے یہاں محفوظ تھا۔ دیکھنا، اس کی زیارت کرنا یا اس کی تلاوت کرنا بہت عجیب اور قابل فخر تھا۔ اس روایت میں

اس عجیب بات کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ذکوان مصحف دیکھ کر یاد نہیں کرتے ہیں بلکہ خاص بات یہ ہے کہ اپنی یاد کو مصحف شریف سے ملاتے ہیں اور پہلے اس طرح اپنی یاد کو قرآن شریف سے ملالیتے ہیں اور مقابلہ کرلیتے ہیں پھر نماز میں اس کو پڑھتے ہیں۔ یہ صورت اس زمانہ کے حالات کے بھی مناسب ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی احتیاط کے بھی مناسب۔ یعنی حضرت ذکوان صرف نماز ہی نہیں پڑھاتے بلکہ اپنی یاد کا مصحف شریف سے مقابلہ کرتے رہتے ہیں اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں یہ مقابلہ ہوتا ہے۔ بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل کو اس موقع پر استدلال میں پیش کرنا مسئلہ کی دلیل نہیں بلکہ واقعات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وتر پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے والا:

(سوال ۲۰۰) امام صاحب نے غلطی سے سولہ رکعات تراویح کے بعد وتر شروع کردے اور مقتدی بہ نیت تراویح شامل تھے سلام کے بعد کہا کہ امام صاحب نے غلطی کی پھر بقیہ چار رکعت تراویح پڑھائی اب دریافت طلب یہ ہے کہ وتر ہوئے یا نہیں؟ امام صاحب کہتے ہیں کہ وتر احتیاطاً لوٹا لو اس صورت میں پہلے وتر معتبر نہ تھے۔ امام نے دوبارہ وتر پڑھائے۔

(الجواب) مذکورہ صورت میں امام صاحب کی پہلی وتر نماز معتبر ہے مگر مقتدی کی نہ پہلی وتر نماز معتبر ہے اور نہ دوسری کیونکہ پہلی مرتبہ میں نماز وتر کی نیت نہ تھی۔ اور دوسری مرتبہ میں اگرچہ وتر کی نیت تھی مگر وتر پڑھے ہوئے کی اقتدا کی گئی اس لئے یہ بھی معتبر نہیں (کبیری)

تراویح کی نیت سے وتر کی اقتدا کی تو شرعاً کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۰۱) اگر تراویح سمجھ کر وتر پڑھنے والے کی اقتدا کرے تو وتر صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) وتر نماز معتبر نہیں۔ ہاں ایسی صورت میں امام کے سلام کے بعد چوتھی رکعت پڑھ لے تو بہتر ہے۔ یہ چار رکعت نفل ہو جائے گی۔ (کبیری ص ۳۹۲)(۱)

(سوال) امام صاحب وتر کی دوسری رکعت میں بجائے بیٹھنے (قعدہ) کے تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوگئے قوم کے لقمہ دینے سے پھر بیٹھ گئے۔ اب تیسری رکعت پوری کر کے تشہد کے بعد سجدۂ سہو کیا تو وتر ہوئے یا نہیں؟

(الجواب) امام صاحب وتر کا قعدۂ اولیٰ بھول گئے تو اب نہ بیٹھتے محض سجدۂ سہو سے وتر صحیح ہو جاتے، کھڑے ہونے کے بعد بیٹھے یہ غلط کیا مگر نماز فاسد نہیں ہوئی۔ اب سجدۂ سہو کیا ہے تو نماز صحیح ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (۲)

(۱) وفيها اقتدى به على ظن أنه في التراويح فاذا هو في وتر تيمه معه ويضم اليها رابعة ولو افسدها لا شئى عليه آخر صلوة التراويح)

(۲) ومن سها وكان اماماً او منفرداً عن القعود الاول من الفرض ولو عملياً وهو الوتر عاد اليه اليه وجوباً مالم يستو قائما في ظاهر الرواية وهو الاصح وان عاد الساهي عن القعود الا ول اليه بعد ما استم قائما اختلف التصحيح في فساد صلاته وارجحهما عدم الفساد مراقي الفلاح على هامش طحطاوى ص ۲۵۳ .

عورتوں کو تراویح میں جماعت کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۰۲) عورتیں اپنی تراویح باجماعت ادا کرسکتی ہیں یا نہیں؟

(الجواب) عورتوں کو چاہئے کہ پنجگانہ نماز اور نماز تراویح اور وتر منفرداً (تنہا تنہا) پڑھیں ان کے لئے جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ اگر ایسی شکل پیش آجائے کہ کوئی میت ہے۔ مرد کوئی نہیں صرف عورتیں ہی عورتیں ہیں تو وہ جنازہ کی نماز پڑھیں اور نماز کی جماعت کرلیں۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۲۸)(۱) فقط واللہ علم بالصواب

تراویح میں چار رکعات کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۰۳) امام صاحب تراویح میں چار رکعت پر دعا کرتے ہیں تو چند آدمی دعا نہیں مانگتے تو از روئے حدیث ہر چہار رکعات پر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

(الجواب) تراویح میں اجازت ہے چاہے تسبیح پڑھے چاہے تلاوت کرے چاہے خاموش رہے یا نفل پڑھے (درمختار مع الشامی)(۲) لہٰذا امام اور قوم کا اجتماعی دعا کرنے کو ضروری سمجھنا اور دعا نہ کرنے والوں پر اعتراض کرنا درست نہیں ہاں انفراداً دعا کرے تو منع نہیں۔

وتر نماز میں تراویح کی نیت کرنا شرعاً کیسا ہے؟:

(سوال ۲۰۴) تراویح کی دو رکعت بھول سے رہ گئی اور نماز وتر شروع کردی قعدۂ اولیٰ میں تراویح کی فائتہ یاد آگئی اب تراویح کی نیت کر کے دو رکعت پر سلام پھیرے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) یہ دو رکعت میں شمار نہ کی جائیں گی۔ (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۲۴۳)(۳)

نابالغ بچہ تراویح پڑھا سکتا ہے؟:

(سوال ۲۰۵) بارہ سال کا بچہ حافظ ہے مگر بالغ نہیں ہے تو یہ تراویح پڑھائے یا نہیں؟

(الجواب) مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ نماز تراویح میں بھی نابالغ بچہ بالغوں کی امامت نہیں کرسکتا۔ (ھدایہ ج ۱ ص ۱۰۳)(۴)

نابالغ بچہ تراویح میں لقمہ دے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۰۶) نابالغ بچہ تراویح میں امام صاحب کو بھول بتائے یا نہیں؟ اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱) ويكره تحريماً جماعة النسآء ولو في التراويح في غير صلاة جنازة الخ)

(۲) ويجلس بين كل اربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر ويخيرون بين تسبيح وقراة وسكوت وصلاة فرادى باب الوتر والنوافل بحث صلاة التراويح)

(۳) امام شرع في الوتر على ظن أنه اتم التراويح فلما صلى ركعتين تذكره أنه ترک تسليمة واحدة فسلم على رأس ركعتين لم يجز ذلک عن التراويح لأنه ما صلى بنية التراويح باب التراويح فصل في السهو واحكامه

(۴) ولا يجوز للرجال ان يقتدوا بامرأة اوصبى والمختار انه لا يجوز في الصلوات كلها لأن نفل الصبى دون نفل البالغ . باب الامامة)

(الجواب) ہاں جب بچہ نماز میں ہو اور لقمہ دے تو نماز فاسد نہ ہوگی (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۹۵)(۱)

تراویح میں سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۰۷) تراویح میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے بعد بجائے اگلی آیت پڑھنے کے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کو شروع کرے تو سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ سورۂ فاتحہ کی تکرار ہوتی ہے۔

(الجواب) سورت شروع کرنے سے پہلے اگر سورۂ فاتحہ کو مکرر پڑھ دے تب تو سجدۂ سہو ہوگا۔ کیونکہ فاتحہ کے بعد بلا تاخیر سورۃ شروع کرنا واجب تھا اس میں تاخیر ہوگئی اور واجب کی تاخیر سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔ لیکن صورت مسئولہ میں جب سورۂ فاتحہ کے بعد قرأت شروع کر چکا تھا تو سورت یعنی قرأت شروع کرنے میں تو تاخیر نہیں ہوئی فاتحہ کے فوراً بعد شروع کردی اب اگلا فرض رکوع کا ہے اس کی ادائیگی قرأت کے بعد ہونی چاہئے مگر قرأت کی کوئی حد معین نہیں جتنی چاہے قرأت کرے اور جس جس سورت کی چاہے قرأت کرے رکوع سے پہلے اس کو مختصر اور طویل قرأت کرنے کا اختیار ہے اس میں تطویل و تاخیر سے سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا۔ رد المحتار تحت قوله كذا ترك تكريرها اما لو قرأها قبل السورة مرة وبعدها مرة فلا تجب كما في خانيه الخ (شامي ج ۱ ص ۴۲۹ باب صفة الصلاة مطلب في واجبات الصلاة) بخلاف مالو اعادها بعد السورة (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۶ الباب الثاني عشر في سجود السهو) لہٰذا اس صورت میں سجدۂ سہو لازم نہیں آئے گا۔

نماز عشاء باجماعت پڑھنے والا تراویح گھر پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۰۸) نماز عشاء باجماعت ادا کرنے والا تراویح گھر میں تنہا پڑھے تو گنہگار ہے یا نہیں؟

(الجواب) تراویح باجماعت کی ادائیگی سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ محلّہ کی مسجد میں تراویح باجماعت ادا ہوتی ہو اور کوئی شخص اپنے مکان میں تنہا ادا کرے تو گنہگار نہ ہوگا مگر جماعت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔ (در مختار مع الشامی ج ۲ ص ۶۶۰ باب الوتر والنوافل مبحث صلاۃ التراویح)

(سوال) ہمارے محلّہ کی مسجد میں آٹھ رکعت تراویح تک نمازی رہتے ہیں پھر کم ہو جاتے ہیں تو ہم اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں تراویح ادا کریں تو کچھ حرج ہے؟

(الجواب) بیس ۲۰ رکعات تراویح باجماعت محلّہ کی مسجد میں ہونا ضروری ہے لہٰذا آپ لوگوں کو اپنی مسجد میں تراویح پڑھنی چاہئے۔ چاہے مصلی کم ہوں مگر محلّہ کی مسجد میں تراویح نہ ہوگی تو سب اہل محلّہ گنہگار ہوں گے۔ (شامی ص ۶۶۰ باب الوتر والنوافل مبحث صلاۃ التراویح)

تراویح پڑھانے پر معاوضہ:

(سوال ۲۰۹) حفاظ کرام تراویح کے لئے روپے متعین کرتے ہیں یا متولی سے کہتے ہیں کہ جو آپ چاہیں دیں یا متولی صاحب کہتے ہیں کہ ہم اپنی خوشی سے جو چاہیں گے دیں گے تو اس طرح کی تعیین جائز ہے۔

(۱) فتح المراهق كا لبالغ باب ما يفسد الصلاة

(الجواب) بے شک تراویح میں اجرت لینا دینا ناجائز ہے۔ لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ اس سے اچھا یہ ہے کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھی جائے۔ لوجہ اللہ پڑھنا اور لوجہ اللہ امداد کرنا جائز ہے۔ مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے۔ ایک مرتبہ پیسے نہ دیئے جائیں تو حافظ صاحب دوسری دفعہ نہیں آئیں گے تو اب للہ کہاں رہا۔ اصل مسئلہ یہی ہے مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہئیں جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں۔ اس بنا پر ایک قابل عمل شکل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ تراویح خوان حافظ نہ ملے وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان کے لئے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کی جائے تو اس مذکور حیلہ سے تنخواہ لینا دینا جائز ہو جائے گا کیونکہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ ہے۔

"اگر رمضان المبارک کے مہینے کے لئے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین (مقرر) کر دی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے۔ کیونکہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔" محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ ۲۷ شعبان ۱۳۷۰ھ۔

حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی مفتی مظاہر علوم فرماتے ہیں:۔

"اصل مذہب تو عدم جواز ہی ہے۔ لیکن حالت مذکورہ میں حیلۂ مذکور کی گنجائش ہے۔" محمود گنگوہی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔ ۱۵ شعبان ۱۳۷۰ھ۔

امام تراویح وغیرہ میں قرأت کیسی آواز سے پڑھے:

(سوال ۲۱۰) امام تراویح وغیرہ جہری نمازوں میں قرأت کس قدر زور سے پڑھے۔

(الجواب) افضل اور بہتر ہے کہ امام جہری نمازوں میں بلا تکلف اس قدر جہر سے پڑھے کہ مقتدی قرأت سن سکے اس سے زیادہ تکلف کر کے پڑھنا مکروہ اور منع ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلاً (بنی اسرائیل ع ۱۲) اور نہ تم اپنی نماز میں زیادہ زور سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو ان کے بیچ درمیانی راہ اختیار کرو۔ مفسرین ...... فرماتے ہیں کہ نماز میں درمیانی آواز سے قرأت کرنی چاہئے اس سے قلب پر اثر ہوتا ہے نہ اس قدر زور سے پڑھے کہ قاری اور سامع دونوں کو تکلیف ہو کہ اس سے حضور قلب میں خلل آ جائے (خلاصۃ التفاسیر ج ۳ ص ۶۰ تفسیر فتح المنان ج ۵ ص ۹۶) فقہاء کرام جہر سے پڑھنے میں دو باتیں ضروری قرار دیتے ہیں اول یہ کہ پڑھنے والا اپنے اوپر غیر معمولی زور نہ ڈالے (یہ مکروہ ہے) دوسرے یہ کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ مثلاً تہجد کے وقت کوئی سو رہا ہے یا کچھ لوگ اپنے کام میں مصروف ہیں آپ ان کے پاس کھڑے ہو کر اتنی بلند آواز سے قرأت کرنے لگیں کہ ان کے کام میں خلل ہو یہ بھی مکروہ ہے۔ ان دو باتوں کے بعد تیسری بات یہ ہے کہ جماعت کی کمی زیادتی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے بموجب قرأت کرے۔ مثلاً مقتدیوں کی تین صفیں ہیں، آپ اتنی بلند آواز سے پڑھیں کہ تیسری صف تک آواز پہنچتی رہے یا اس سے زیادہ زور سے پڑھیں کہ باہر تک آواز پہنچے۔ فقیہ ابو جعفر کا قول یہ ہے کہ جتنی بلند آواز سے پڑھیں اچھا ہے بشرطیکہ پڑھنے والے پر تعب نہ ہو اور کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ مگر دوسرے فقہا کا قول یہ ہے اور راجح یہی ہے کہ بقدر ضرورت آواز بلند کریں یعنی صرف اتنی بلند کریں کہ تیسری صف تک آواز پہنچے البتہ

اگر صفیں زیادہ ہوں تو آواز کو اس سے بلند بھی کر سکتے ہیں بشرطیکہ اپنے اوپر زیادہ زور نہ پڑھے۔(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۳۷ فصل فی واجب الصلوۃ ورد المحتار ج ۱ ص ۴۹۷ مجمع الانھر ج ۱ ص ۱۰۳ عالمگیری ج ۱ ص ۷۲)(۱)

تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کرنے کے بجائے قیام کرے تو کیا حکم ہے.

(سوال ۲۱۱) تراویح کی دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول جائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ جائے اور با قاعدہ سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے۔ اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو چوتھی رکعت ملا کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرے مگر ان چار رکعت کو صرف دو رکعت شمار کیا جائے (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۸)(۲)

فوت شدہ رکعت کی ادائیگی کے وقت آیت سجدہ امام سے سنے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۱۲) امام اور مقتدی چار رکعت پر ترویحہ میں بیٹھے اس وقت میں فوت شدہ رکعت کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوا ابھی میری نماز ناتمام ہی تھی کہ امام نے تراویح شروع کی اور آیت سجدہ پڑھی۔ میں نے بھی سنی تو مجھ پر سجدۂ تلاوت لازم ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں سجدۂ تلاوت لازم ہو گیا۔ ہاں اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے یا سجدہ کرنے کے بعد اس رکعت کے آخر میں امام کے پیچھے نیت باندھ لی اور نماز میں شامل ہو گئے تو امام کا سجدہ آپ کے لئے بھی کافی ہے علیحدہ سجدہ کرنا نہیں ہوگا سمع من امام قد خل معه قبل ان يسجد سجلمعه الى ان قال اما لو ادركه فى الركعة الاخرىٰ يسجلها بعد الفراغ.(عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۳ الباب الثالث فى سجود التلاوة)

(سوال ۲۱۳) امام صاحب تراویح پڑھا رہے تھے۔ دوسری رکعت میں بجائے بیٹھنے (قعدہ) کے سہواً کھڑے ہو گئے مقتدی بیٹھے رہے اور لقمہ دیا تو امام صاحب بھی بیٹھ گئے اور تشہد کے بعد سجدۂ سہو کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں امام صاحب بیٹھ گئے اور سجدۂ سہو کر لیا تو اچھا کیا تراویح صحیح ہو گئی۔(۳)

تراویح میں ہر چار رکعت پر دعا مانگنا صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۲۱۴) تراویح میں ہر چار رکعت پر امام اور مقتدی مل کر دعا کرنے کا دستور ہے تو کیا یہ سنت طریقہ؟ امام زور سے دعا پڑھتے ہیں کوئی کچھ پڑھنا چاہے تو پڑھ نہیں سکتا تو کیا ترویحہ میں صرف دعا ہی کر سکتے ہیں؟ تسبیح وغیرہ ذکر

(۱) والمستحب ان يجهر بحسب الجماعة فان زادفوق حاجة الجماعة فقد أساء، كما لو جهر المصلى بالا ذكار قهستانى عن كشف الاصول وهذا اولىٰ مما فى الزاهدى عن أبى جعفر أنه كلما زاد الامام أو المنفرد فى الجهر فى صلاة الجهر فهو افضل بعد ان لا يجهد نفسهٗ ولا يؤذى غيره وان زاد على حاجة المقتدى)

(۲) وعن أبى بكر الاسكاف أنه سئل عن رجل قام الى الثالثة فى التراويح ولم يقعد فى الثانية قال ان تذكر فى القيام ينبغى ان يعود ويقعد ويسلم وان تذكر بعد ما سجد للثالثة فان أضاف اليها ركعة آخرى كانت هذه الاربع عن تسليمة واحدة الخ فصل فى التراويح)

(۳) وعن أبى بكر الاسكاف أنه سئل عن رجل قام الى الثالثة فى التراويح ولم يقعد فى الثانية قال ان تذكر فى القيام ينبغى ان يعود ويقعد ويسلم ا.فتاوى عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۸ فصل فى التروبح.

واذکار منع ہیں؟ تلاوت اور تسبیح وغیرہ مشغول رہنے والے کو دیوبندی کہتے ہیں۔ لہٰذا باوضاحت بیان کیا جائے۔

(الجواب) تراویح میں ہر ترویحہ کے بعد امام و مقتدی مل کر دعا کرنے کا دستور مطابق سنت نہیں ہے۔ شریعت مطہرہ نے اجازت دی ہے کہ چاہے تلاوت کرے، نفل پڑھے، دعا مانگے، تسبیح تحلیل یا درود وغیرہ اذکار میں مشغول رہے یا چپ بیٹھے، اختیار ہے کسی چیز کو ضروری بنالینا شریعت مطہرہ کی دی ہوئی ...... اجازت میں دخل بے فائدہ ہے اور دوسرے اذکار مثلاً تلاوت، تسبیح، نفل درود وغیرہ سے امتناع کے مرادف ہے۔ لہٰذا طریقہ مذکورہ قابل ترک ہے جس کا جو جی چاہے پڑھے مگر اس طرح کہ دوسرے کو حرج نہ ہو ورنہ منع کیا جائے گا (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۶۱)(۱) اس بارے میں دیوبندی، بریلوی کا مسئلہ کھڑا کرنا جہالت اور نادانی ہے۔ بریلوی حضرات کی مشہور کتاب بہار شریعت میں ہے کہ اس بیٹھنے میں اسے اختیار ہے کہ چپ بیٹھا رہے یا کلمہ پڑھے یا تلاوت کرے یا درود شریف پڑھے یا چار رکعت نفل نماز پڑھے۔ جماعت سے مکروہ ہے یا یہ تسبیح پڑھے سبحان ذى الملک والملكوت سبحان ذى العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت سبحان الملک الحى الذى لا ينام ولا يموت سبوح قدوس ربنا ورب الملئكة والروح لا اله الا الله نستغفر الله نسئلک الجنة ونعوذبک من النار (ج ۴ ص ۳۱)

تراویح باجماعت سنت ہے یا نہیں :

(سوال ۲۱۵) تراویح باجماعت مسجد میں پڑھنا کیا ضروری ہے؟ گھر میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنا سنت ہے مگر سنت کفایہ ہے یعنی مسجد میں اگر تراویح کی جماعت نہ ہوگی تو اہل محلہ گنہگار ہوں گے اور تارکین سنت بھی اگر بعضوں نے باجماعت مسجد میں اور بعض نے گھر میں ادا کر لے تو ترک سنت کا گناہ نہ ہوگا مگر جماعت اور مسجد کی فضیلت سے محروم رہیں گے (صغیری ص ۲۰۵ فصل فی التراویح)

داڑھی منڈھے کا تراویح پڑھانا:

(سوال ۲۱۶) جو حافظ کہ داڑھی منڈاتا ہے اس کے پیچھے تراویح پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) داڑھی منڈانا حرام ہے اور داڑھی منڈانے والا از روئے شرع فاسق ہے لہٰذا ایسے کو تراویح کے لئے امام بنانا جائز نہیں۔ ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔(شامی ج ۱ ص ۵۲۳)(۲)

نابالغ کو امام بنانا:

(سوال ۲۱۷) حافظ لڑکا نابالغ ہے مگر قریب البلوغ (مراہق) ہے تو کیا اس کو نماز تراویح میں امام بنا سکتے ہیں۔

(الجواب) نابالغ بالغوں کا امام نہیں بن سکتا۔ لہٰذا اس کو تراویح کے لئے امام نہیں بنایا جا سکتا۔(۳)

(۱) ويجلس ندبا بين كل اربعة بقدر ها وكذا بين الخامسة والوتر ويخيرون بين تسبيح وقرات وسكوت وصلاة فرادى باب الوتر والنوفل مبحث صلاة التراويح)

(۲) قوله وفاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانى واكل للربا ونحو ذلک باب الامامة)

(۳) وعلى قول آئمة بلخ يصح الاقتداء بالصبيان فى التراويح والسنن والمطلقة كذا فى فتاوىٰ قاضى خان المختار أنه لا يجوز فى الصلوات كلها كذا فى الهداية الفصل الثالث فى بيان من يصح اماما لغيره فتاوى عالمگیری ج ۱ ص ۸۵

تراویح سمجھ کر وتر میں اقتداء کرنا:

(سوال ۲۱۸) امام کے وتر شروع کرنے کے بعد مصلی نے تراویح سمجھ کر اس کی اقتداء کی تو اب وتر ادا ہوں گے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد چوتھی رکعت شامل کر کے نماز کو تمام کرے اور یہ چار رکعت نفل ہو جائیں گی، وتر ابھی ذمہ باقی رہیں گے ان کو ادا کرنا ہوگا (صغیری ص ۲۱۱ فصل فی التراویح)

تراویح میں قرأت قرآن کے وقت بیٹھے رہنا:

(سوال ۲۱۹) تراویح کے وقت بعض لوگ پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اور امام جب رکوع میں جاتا ہے تو کھڑے ہو کر رکوع میں شامل ہو جاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔

(الجواب) اس طرح کرنا منع ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۹)[1]

مقتدی تراویح میں قعدۂ اخیرہ میں سو جائے:

(سوال ۲۲۰) مقتدی تراویح کے قعدۂ اخیرہ میں سو جائے۔ جب امام نے سلام پھیرا تو بیدار ہوا تو اب کیا کرے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں تشہد پڑھ کر سلام پھیر لے نماز صحیح ہو جائے گی (صغیری ص ۲۱۰)

یکبارگی تراویح میں بیس ۲۰ رکعت کی نیت کرنا:

(سوال ۲۲۱) تراویح کی بیس رکعت کے لئے شروع میں ایک مرتبہ نیت کرنا کافی ہوگا یا ہر دو رکعت پر نیت کرنا پڑے گی؟

(الجواب) تراویح کے لئے شروع میں بیس رکعت کی نیت کافی ہے۔ ہر دو رکعت پر نیت کرنا شرط نہیں مگر بہتر ہے[2] واللہ اعلم۔

(سوال ۲۷۴) تراویح کی دوسری رکعت میں اخیری قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اب قیام کے بعد قوم نے لقمہ دیا مگر بیٹھا نہیں تیسری رکعت پوری کر کے چوتھی رکعت بھی پڑھ لی اور سجدۂ سہو کر لیا، اسی طرح تراویح کی چار رکعات پوری کی، پھر اٹھارہ رکعت ادا کی پہلی چار پڑھی ان چار رکعات پر ترویحہ نہیں کیا تھا، بلکہ دو رکعت کو نفل اور دو رکعت کو تراویح خیال کیا آیا ان چار رکعات میں دو رکعت تراویح کی شمار ہوں گی یا نہیں۔ یا چار رکعات نفل ہو گئی ان دونوں رکعتوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اعادہ ہے تو امام و قوم مل کر اعادہ کرے یا تنہا تنہا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ نے غلطی کی مقتدی نے جو لقمہ دیا وہ صحیح تھا آپ پر لازم تھا کہ بیٹھ جاتے لیکن جب[3] چار رکعات پر سجدۂ سہو کیا ہے تو تراویح ہو گئی۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔

(۱) ویکرہ للمقتدی ان یقعد فی التراویح فاذا اراد الامام ان یرکع یقوم وکذا اذا غلبہ النوم (فصل فی التراویح ج ۱ ص: ۱۱۹)
(۲) فاذا صلی التراویح مع الامام ولم یجدد لکل شفع نیۃ جاز کذافی السراجیۃ فتاوی عالمگیری، فصل فی التراویح ج ۱ ص ۱۱۷۔
(۳) واضح رہے کہ ان چار رکعتوں میں سے صرف دو رکعتیں تراویح کی ادا ہوئی یہ مسئلہ اسی باب میں تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کرنے کے بجائے قیام کرے تو کیا حکم ہے، کے عنوان کے تحت گذر چکا ہے وہی دیکھ لیا جاوے۔

تراویح کے وقت نیند کا غلبہ ہو تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۲۲) تراویح کے وقت نیند کا غلبہ زیادہ ہو، منہ پر پانی چھڑکنے کے باجود نیند ستائے تو جماعت ترک کر کے سونے کے لئے گھر جا سکتا ہے؟

(الجواب) جی ہاں! جا سکتا ہے اس میں کچھ حرج نہیں، غلبۂ نوم کے وقت نماز پڑھنا مکروہ اور منع ہے، نیند پوری ہونے کے بعد بقیہ تراویح کو وقت کے اندر (صبح صادق تک) پڑھ لے۔ (صغیری ص ۲۱۱)

رکعات تراویح میں اختلاف واقع ہو جائے:

(سوال ۲۲۳) رکعات تراویح کے بارے میں مقتدی حضرات کے درمیان اختلاف ہوا بعضے کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہوئیں اور بعضے کہتے ہیں کہ بیس ۲۰ ہوئیں تو اب کس کا قول معتبر ہوگا؟

(الجواب) امام جس طرف ہوگا اس جماعت کا قول معتبر ہوگا۔[1]

(سوال ۲۷۷) امام اور مقتدی کو شبہ ہو کہ اٹھارہ رکعت ہوئی یا بیس ۲۰؟ تو کیا کیا جائے دو رکعت اور پڑھ لی جائے؟

(الجواب) سب کو اگر شک ہو جائے تو دو رکعت اور پڑھ لی جائے۔ لیکن با جماعت نہیں۔ علیحدہ علیحدہ پڑھ لیں (صغیری ص ۲۰۸)

نماز عشاء تنہا پڑھنے والا تراویح اور وتر با جماعت پڑھ سکتا ہے:

(سوال ۲۲۴) جس شخص نے نماز عشاء تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر با جماعت پڑھ سکتا ہے؟

(الجواب) پڑھ سکتا ہے۔ (صغیری)

(سوال ۲۷۹) جس شخص نے تراویح جماعت سے نہ پڑھی ہو وہ نماز وتر جماعت سے ادا کر سکتا ہے۔

(الجواب) ادا کر سکتا ہے۔[2] فقط واللہ اعلم

تراویح میں درمیان سور بسم اللہ جہراً پڑھی جائے یا سراً!:

(سوال ۲۲۵) تراویح میں جب کہ حافظ قرآن سنا رہا ہو تو اس کو ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم جہراً پڑھنا چاہئے یا سراً؟ ہمارے یہاں اس سلسلہ میں دو رائے ہیں اول یہ کہ پڑھنا چاہئے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر عمل ہوگا اور پورے قرآن میں صرف کسی ایک جگہ بسم اللہ جہراً پڑھی جائے گی ہر سورت کے شروع میں نہیں، ہم کس رائے پر عمل کریں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) خارج نماز قرآن کی تلاوت میں امام قرائت کے مسلک کا اتباع کیا جائے، اور نماز میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کی پیروی کی جائے۔ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک پوری نماز امام اعظمؒ کے مسلک کے موافق

(۱) اذا سلم الامام فی ترویحۃ فقال بعض القوم صلی ثلاث رکعات وقال بعضھم صلی رکعتین ما خذ الامام بما عندہ الخ فتاوی عالمگیری فصل فی التراویح ج ۱ ص ۱۱۷۔
(۲) واذا صلی معہ شیئا من التراویح اؤلم یدر شیئا منھا او صلاھا مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معہ ھو الصحیح کذافی القنیۃ فتاوی عالمگیری فصل فی التراویح ص ۱۱۷۔

پڑھی اۓ اور بسم اللہ میں مخالفت کی جائے یہ مناسب نہ ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل میں ہے۔
(الجواب) درمختار میں ہے۔ کما تعوذ سمیٰ ...... الخ قال فی الکفایة عن المجتبیٰ والثالث انه لا یجهر بها فی الصلوٰة عند نا خلافاً للشافعیؒ وفی خارج الصلوٰة اختلافات الروایات والمشائخ فی التعوذ والتسمیة قیل یخفی التعوذ دون التسمیة والصحیح انه یتخیر بینهما ولکن یتبع امامه من القراء وهم یجهرون بهما الا حمزة فانه یخفیها ا ه (شامی ج ۱ ص ۴۵۷ باب صفة الصلوٰة) اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بسم اللہ کو سراً پڑھنا چاہئے۔ اس میں حنیفہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اطلاق نماز شامل ہے نماز فرض اور نفل وتراویح وغیرہ کو اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اتباع امام من القراء، خارج صلوٰۃ میں ہے نہ صلوٰۃ میں اور اس پر ہم نے اپنے اساتذہ علماء احناف کو پایا ہے فقط (فتاویٰ دارالعلوم ج ۲ ص ۲۶۴ وص ۲۶۵)

اسی طرح ''امدادالفتاویٰ'' میں ہے۔
(الجواب) بسم اللہ بین السورتین ہونے سے اس کی جزئیت تولازم نہیں آتی کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بسم اللہ مطلق قرآن کا جزو ہے کسی خاص سورت یا ہر سورت کا جزو نہیں پس اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ایک جگہ ضرور جہر ہو ورنہ سامعین کا قرآن پورا نہ ہوگا۔ گو قاری کو تو اخفاء بسم اللہ میں بھی ہو جائے گا، کیونکہ بعض اجزاء کا جہر بعض کا اخفاء جائز ہے فن قراءت سے تو اس مسئلہ کا صرف اس قدر تعلق ہے آگے فقہ سے تعلق ہے اور اس میں بسم اللہ کا اخفاء ہے۔ ۶ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ تتمہ خامسہ ص ۳۸ (امدادالفتاویٰ ص ۳۰۶ جلد اول) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیس ۲۰ رکعت کے بعد اجتماع دعا مانگنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۲۶) ہمارے یہاں ایک عرصہ سے آخری ترویحہ کے بعد (یعنی بیس رکعت کے بعد) اجتماعی دعا کا رواج نہ تھا۔ تمام مقتدی اپنے اپنے طور پر منفرداً دعا مانگ لیتے تھے یا ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ لیکن امسال امام تراویح نے اجتماعی طور پر دعا مانگی، اس پر بعضوں نے اعتراض کیا کہ نئی بات پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور بعض اس کو پسند کررہے ہیں کہ اسی طریقہ کو جاری رکھا جائے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اقرب الی السنة اور بہتر طریقہ کون سا ہے۔ تحریر فرمادیا جائے۔ بینوا توجروا۔
(الجواب) ہر ترویحہ (یعنی چار رکعت) کے بعد توقف کرنا مستحب ہے لیکن آخری ترویحہ کی وہ تاکید اور اہمیت نہیں ہے جو پہلے چار ترویحوں کو حاصل ہے، فقہاء کے کلام سے مصرح ہے کہ مقتدیوں پر گراں گذرتا ہو تب بھی دیگر ترویحے چھوڑے نہ جائیں۔ ہاں مقدار کم ہوسکتی ہے لیکن آخری ترویحہ کے لئے لکھا ہے کہ مقتدیوں پر بار گذرتا ہو تو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ فاذا اتمها (ای عشرین رکعةً) ینتظر قدر ترویحة ثم یوتر الا ان یعلم انه یثقل علی القوم . (فتاویٰ سراجیه ص ۲۰)
اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ویستحب الجلوس بین الترویحتین قدر ترویحة و کذا بین الخامسة والوتر کذا فی الکافی وهکذا فی الهدایة ولو علم ان الجلوس بین الخامسة والوتر یثقل

علی القوم لا یجلس هکذا فی السراجیه ثم هم مخیرون فی حالة الجلوس ان شاؤ و اسبحوا وان شاء واقعدو اساکتین واهل مکة یطوفون اسبوعاً ویصلون رکعتین واهل المدینة یصلون اربع رکعات فرادی کذا فی التبیین (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۷۴ فصل فی التراویح)
لہٰذا اجتماعی دعا جاری کر کے اختلاف پیدا کرنا مناسب نہ ہوگا۔ فقہاء نے تمام ترویحوں میں آزادی دے رکھی ہے کہ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھتے رہیں پھر آخری ترویحے کو اجتماعی دعا کے لئے مخصوص کر لینا سمجھ میں نہیں آتا۔ هذا ما ظهر لی . والله اعلم بالصواب.

تراویح میں ختم قرآن کے وقت آخری رکعت میں الم سے مفلحون تک پڑھنا:

(سوال ۲۲۷) تراویح میں جب کہ قرآن مجید ختم کیا جاتا ہے تو یہاں عام طور پر رواج ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورۂ فلق اور دوری رکعت میں سورۂ والناس اور الم سے مفلحون تک مع سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ آیا اس کا ثبوت شریعت میں ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) تراویح میں ختم قرآن کے وقت انیسویں رکعت میں سورۂ فاتحہ اور معوذتین (سورۂ فلق وسورۂ ناس) پڑھنا اور بیسویں رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ (مفلحون تک) پڑھنا مستحب ہے یہ حدیث سے مستنبط ہے۔ وفی الو لوالجیه من یختم القرآن فی الصلوٰة اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعة الاولی یرکع ثم یقوم فی الرکعة الثانیة یقرأ بفاتحه الکتاب وشیئی من سورة البقرة لان النبی صلی الله علیه وسلم قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح انتهی (کبیری شرح منیه ص ۴۶۳ تتمات فیما یکره من القرآن فی الصلوٰة وما لا یکره الخ) یہ جو بعض جگہ رواج ہے کہ بیسویں ۲۰ رکعت میں چار مرتبہ سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق۔ سورۂ ناس اور سورۂ بقرہ مفلحون تک اور دوسری دعائیں پڑھتے ہیں یہ صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا قرآن کی تراویح پڑھانا امام کی ذمہ داریوں میں سے ہے:

(سوال ۲۲۸) امام صاحب پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھاتے ہیں مگر قرآن پاک تراویح میں ختم کرنے سے عاجز ہیں، مجبوری کی وجہ یہ ہے کہ کئی سالوں سے تراویح پڑھانے کی عادت چھوٹ گئی ہے۔ کمیٹی والے امام صاحب کو مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی تراویح پڑھانا امام کی ذمہ داری ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حقیقتاً قرآن پاک کی تراویح پڑھانا امام کی ذمہ داریوں میں سے ہے؟ اور کیا امام کو اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) تراویح میں جب کہ امام قرآن مجید ختم کرنے سے عاجز اور قاصر ہے تو الم ترکیف سے پڑھانے کے ذمہ دار ہیں، اگر مقتدی تراویح میں قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہوں تو اس کا انتظام وہ کریں، لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا نہ مل سکے تو کسی حافظ کو رمضان المبارک کے لئے نائب امام مقرر کردیں عشاء وغیرہ ایک دو نمازیں اس کے ذمہ لازم کردی جائیں اور وہ تراویح بھی پڑھائے۔ تو اجرت دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ مجبوری ہے (فتاویٰ

رحیمیہ ج ا ص ۳۴۹ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ کے عنوان سے دیکھا جائے مرتب) اس کے علاوہ کبیری میں ہے (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب .

ادائیگی سنن کے بغیر تراویح میں شامل ہوسکتا ہے

(سوال ۲۲۹)ایک شخص نے عشاء کی فرض نماز تو پڑھ لی ہے مگر تراویح شروع ہوجانے کی وجہ سے سنتیں نہیں پڑھ سکا۔ اب وہ شخص تراویح میں شامل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور بعد تراویح سنن پڑھے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں سنتیں چھوڑ کر تراویح میں شامل ہوجانا چاہئے۔ سنتیں بعد میں پڑھ لے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب .

جس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی اس کے پیچھے تراویح پڑھی گئی تو تراویح کا اعادہ وقت کے اندر ضروری ہے:

(سوال ۲۳۰) عشاء کی جماعت ہوگئی اس کے بعد جب تراویح کی جماعت ہونے لگی تو دوسرے حافظ کہ جنہوں نے ابھی عشاء کی فرض نماز ادا نہیں کی تھی مصلی پر کھڑے ہوگئے اور دو رکعت تراویح پڑھا دی۔ مقتدیوں میں سے بعض نے اعتراض کیا تو حافظ صاحب کو ہٹا دیا گیا۔ اس کے بعد امام کی اقتداء میں بقیہ تراویح ادا کی گئی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مقتدیوں کی اگلی دو رکعتیں صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا ان کا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں تراویح کی دو رکعتیں قابل اعادہ تھیں الصحیح ان وقتها بعد العشاء لا تجوز قبلها ...... وهو المختار لانها نافلة سنة بعد العشاء. الیٰ قوله ويبتنى على انها تبع العشاء لا تجوز قبلها انه لو صلى العشاء بامام وصلى التراويح بامام اخر ثم علم ان الامام الاول كان قد صلى العشاء علیٰ غير وضوء او علم فسادها بوجه من الوجوه فانه يعيد العشاء لفسادها ويعيد التراويح تبعاً لها (کبیری ص ۳۸۵ و ص ۳۸۶ صلاة التراويح) اسی وقت اعادہ کر لینا تھا اور اگر اعادہ نہ کیا گیا تو بعد میں صبح صادق سے پہلے فرادی فرادی پڑھی جاسکتی تھی۔ اب وقت نکل گیا اس کی قضا نہیں ہے استغفار کریں اور ان دو رکعتوں میں جتنا قرآن پڑھا گیا تھا اس کو لوٹایا نہ ہو تو دوسرے دن لوٹا لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر باجماعت ادا کرسکتا ہے یہی صحیح ہے!:

(سوال ۲۳۱) جس شخص نے نماز عشاء تنہا پڑھی وہ وتر اور تراویح باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ دار العلوم شاہ عالم احمد آباد کی طرف سے جواب موصول ہوا ہے کہ وتر باجماعت نہیں پڑھ سکتا (بہار شریعت حصہ چہارم) در مختار اور آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۲۲۹ پر یہ ہے کہ وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ یہ دونوں جواب متضاد ہیں لہذا جواب سے نوازیں اور کون سا قول راجح اور مفتیٰ بہ ہے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(۱) واذا كان امام مسجد حيه لا يختم فله ان يترك الى غيره انتهى صلاة التراويح ص ۴۰۷
(۲) ولو فاته وخاف لو اشتغل بها تفوته متابعة الامام فمتابعة الامام أولى بحر الرائق باب الوتر والنوافل

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ جس نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ واذا لم يصل الفرض مع الامام قيل لا يتبعه فى التراويح ولا فى الوتر وكذا اذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه فى الوتر والصحيح انه يجوز ان يتبعه فى ذلك كله الخ (صغيری ص ۲۱۰ صلاة التراويح) (کبیری ص ۳۹۱ صلوة التراويح) واللہ اعلم بالصواب .

تراویح پڑھانے والے کو خوشی سے ہدیہ پیش کیا جائے تو وہ قبول کرسکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۳۲) احقر ہمت نگر میں سات سال سے تراویح پڑھاتا ہے مگر الحمد للہ کبھی بھی پیسے وغیرہ کچھ بھی نہیں لئے۔ لوگ بھی بہت خوش ہیں امسال وہ خوشی سے کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہتے ہیں تو میں ہدیہ لے کر غریب کو دے سکتا ہوں یا نہیں؟ یا اپنے استعمال میں لاسکتا ہوں؟ نیز میں نماز ظہر بھی روزانہ پڑھاتا ہوں، بینوا توجروا۔ محمد یونس ویسنگری

(الجواب) آپ سات سال سے تراویح پڑھاتے ہیں اور ہدیہ نہیں لیتے۔ اگر امسال بھی اسی جگہ تراویح پڑھا رہے ہیں اور وہ لوگ خوشی سے کچھ پیش کرنے پر مصر ہیں تو قبول کرسکتے ہو کہ محض ہدیہ ہے۔ قبل ازیں سات سال تک لینے دینے کا سلسلہ نہیں رہا یہ اس کی دلیل ہے۔ اگر نئی جگہ ہے تو قبول نہ کیا جائے کہ ہدیہ نہیں ہے بلکہ اجرت پیش کی جارہی ہے اس لئے کہ لوگ اجرت دینے کے عادی ہیں لہذا قبول نہ کیا جائے غریب کو دینے کی نیت سے بھی نہ لیا جائے۔ ظہر پڑھانے سے آپ امام یا نائب امام کے درجہ میں نہیں آجاتے اس لئے کہ جب آپ کو تراویح کے لئے متعین کیا تو امام یا نائب کی بات کر کے نہیں رکھا تھا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ۔

تراویح میں سجدہ سہو نہ کیا تو دو رکعتیں قابل اعادہ ہیں:

(سوال ۲۳۳) تراویح میں حافظ صاحب نے آیت سجدہ تلاوت کر کے بجائے ایک سجدے کے دو سجدے کئے کیا اس صورت میں دو سجدے کرنے سے قیام میں تاخیر ہونے کی بنا پر سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر لازم ہوتا ہو اور سجدہ سہو نہ کیا تو کیا دو رکعت واجب الاعادہ ہیں؟ اعادہ باجماعت کریں یا فرداً فرداً پڑھ لیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز تراویح میں ایک سجدۂ زائدہ ہونے کی وجہ سے تاخیر لازم آئی سجدہ سہو کر لینا تھا۔ نہیں کیا گیا اس لئے وقت کے اندر اندر اعادہ ہے لوگ موجود ہوں تو جماعت سے ورنہ تنہا تنہا پڑھ لیں۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب .

تراویح میں ختم قرآن کے بعد شیرینی تقسیم کرنا!:

(سوال ۲۳۴) رمضان المبارک میں تراویح میں ختم قرآن ہوتا ہے اس دن شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔
(۲) شیرنی صرف ایک شخص کی طرف سے تقسیم ہوتی ہے۔ چندہ نہیں کرتے تو یہ درست ہے یا نہیں؟ ...... (۳) شیرینی جماعت خانہ میں تقسیم کرسکتے ہیں؟ یا صحن میں کی جائے؟ بینوا توجروا۔ (از سگرام پورہ سورت)

(۱) ولا تقضى التراويح اصلاً بفواتها عن وقتها منفرداً ولا بجماعة على الأصح ...... وهي سنة الوقت لا سنة الصوم مراقى الفلاح على هامش طحطاوى فصل فى صلاة التراويح ص ۲۲۶ وفى الفتاوى من ترك السنة يسئل عنها واذا فات عن وقتها لا يؤمر بالقضاء فتاوى تاتارخانيه نوع آخر فى قضاء التراويح

(الجواب) ضروری نہیں ہے لوگوں نے اسے ضروری سمجھ لیا ہے اور بڑی پابندی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔ لوگوں کو چندہ دینے پر مجبور کیا جاتا ہے، مسجدوں میں بچوں کا اجتماع اور شوروغل وغیرہ خرابیوں کے پیش نظر اس دستور کو موتوف کر دینا ہی بہتر ہے۔

(۲) امام تراویح یا اور کوئی ختم قرآن کی خوشی میں کبھی کبھی شیرینی تقسیم کرے اور مسجد کی حرمت کا لحاظ رکھا جائے۔ تو درست ہے۔

(۳) مسجد کا فرش خراب نہ ہو، خشک چیز ہو اور مسجد کی بے حرمتی لازم نہ آئے تو درست ہے بہتر یہ ہے کہ دروازے پر تقسیم کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

چند حفاظ مل کر تراویح پڑھائیں تو درست ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۳۵) ہمارے یہاں مسجد میں چار حافظ مل کر تراویح پڑھاتے ہیں۔ پہلے حافظ صاحب چار رکعت پڑھاتے ہیں دوسرے امام آٹھ رکعت پڑھاتے ہیں۔ تیسرے چار رکعت اور چوتھے چار رکعت۔ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) افضل یہ ہے کہ ایک یا دو حافظ مل کر تراویح پڑھاویں، اگر ایسے جید اور باہمت حافظ نہ ہوں اور متعدد حفاظ تراویح پڑھاویں تو یہ بھی درست ہے۔ تراویح ہو جاتی ہے۔ والا فضل ان یصلی التراویح بامام واحد فان صلوها بامامین فالمستحب ان یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحة فان انصرف علیٰ تسلیمة لا یستحب ذلک فی الصحیح اه (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۷۴ فصل فی التراویح) فقط واللہ اعلم بالصواب.

ترویحوں میں سوال میں مندرج کلمات پڑھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۳۶) ہمارے یہاں تراویح شروع کرنے سے قبل ایک شخص بلند آواز سے یہ کلمات پڑھتا ہے۔ "صلوٰة التراویح سنة رحمکم اللہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر و للہ الحمد" اس کے بعد تراویح شروع ہوتی ہے دو رکعت کے بعد یہ تسبیح یا کریم للمعروف یا قدیم الاحسان، احسن الینا ربنا باحسانک القدیم یا اللہ یا اللہ فضل من اللہ ونعمة ومغفرة ورحمة لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" پڑھتا ہے۔ اور چار رکعت کے بعد البدر محمد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم لاالہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد پڑھنے کے بعد یا کریم المعروف الخ پڑھتا ہے، اور دوسرے ترویحہ میں خلیفة رسول اللہ بالصدق والتحقیق امیر المؤمنین سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے، اور پھر تیسرے ترویحہ میں مزین المسجد والمنبر والمحراب امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ اہ پڑھتا ہے اور چوتھے ترویحہ میں جامع القرآن کامل الحیاء والایمان امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ الخ اور پانچویں ترویحہ میں اسد اللہ الغالب مظہر العجائب والغرائب امام المشارق والمغارب امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لاالہ الخ

پڑھتا ہے۔ اور سبحان الملک القدوس الخ بھی ایک آدمی پڑھتا ہے اور یہ تمام اوراد بلند آواز سے پڑھے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے دوسرے لوگ تسبیح وغیرہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ اور وتر سے پہلے۔ الوتر واجب رحمکم اللہ لا الہ الا اللہ الخ پڑھتا ہے۔ کیا ان تمام کلمات کا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟ اور پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ سب باتیں سنت کے مطابق نہیں ہیں، رسمی و رواجی ہیں لہٰذا قابل ترک ہیں۔ دو رکعت پر ترویحہ نہیں ہے البتہ چار رکعت کے بعد ترویحہ ہے اور اس قدر بیٹھنے کا حکم ہے کہ نمازیوں پر بار نہ گذرے اور اس میں اجتماعی ذکر اور دعا نہیں ہے، لوگ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھیں، چاہے تلاوت کریں یا نفل پڑھیں، یا ذکر و اذکار میں مشغول رہیں۔ یا درود شریف پڑھتے رہیں۔ یا خاموش بیٹھے رہیں سب جائز ہے۔ ایک چیز کا سب کو پابند بنا دینا شریعت کی دی ہوئی آزادی پر پابندی لگانا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۳۵۲ اردو (جدید ترتیب کے مطابق، اسی باب میں تراویح میں ہر چار رکعت پر دعا مانگنا صحیح ہے یا نہیں، عنوان کے تحت دیکھئے ص ۲۳۹ مرتب) فتاویٰ رحیمیہ انگریزی و گجراتی جلد اول میں بھی یہ بحث دیکھی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح پر اجرت لینا:

(سوال ۲۳۷) حافظ صاحب لوجہ اللہ بلا معاوضہ تراویح پڑھاتے ہیں۔ مقتدی حضرات خوشی سے کچھ عنایت کریں تو کیا حکم ہے؟ اور اگر پہلے سے مقرر کر کے دی جائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حافظ لوجہ اللہ تراویح پڑھائے۔ اور مقتدی خوشی سے تعاون کریں تو جائز ہے۔ لیکن لینے دینے کا طریقہ رائج ہو گیا ہے اس لئے حافظ کے دل میں لالچ اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور نمازیوں کو بھی دینے کی فکر ہوتی ہے۔ "لهذا بقاعده المعروف کالمشروط" معاوضہ (ممتانہ) کے حکم میں اور اس کے ہم مثل ہو جاتا ہے اس لئے کراہت سے خالی نہیں، گناہ کا موجب ہے۔ حفاظ کرام کیوں اپنے کو اجر عظیم سے محروم کرتے ہیں شامی میں ہے۔ وان القراءة لشئی من الدنیا لا یجوز وان الأخذ والمعطی آثمان یعنی دنیا کی کسی چیز کے لئے قراءت ناجائز ہے لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں۔" (شامی ج ۱ ص ۶۸۷ باب قضاء الفوائت مطلب فی بطلان الوصیة بالختمات والتهلیل ج ۵ ص ۴۷ کتاب الاجارة الاستئجار علی الطاعات).

حدیث شریف میں ہے اقرؤا القرآن ولا تأکلوا به شامی کتاب الاجارة مطلب فی الاستئجار علی الطاعات یعنی قرآن پڑھو اور اس کو کسب کا ذریعہ نہ بناؤ۔ لہٰذا حفاظ کرام کو سوچنا چاہئے کہ دنیا کے چند ٹکوں کے خاطر خدا کی عطا کردہ عظیم نعمت کا غلط استعمال کر کے گناہ کا ارتکاب کیوں کیا جائے؟! اگرچہ مقتدیوں کو تراویح پڑھنے اور قرآن سننے کا ثواب مل جائے گا انشاء اللہ (مگر اتنا نہیں جتنا لوجہ اللہ پڑھانے والے امام کے پیچھے ملتا ہے۔)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ (قرآن) سننا جدا عمل ہے اس میں کوئی امر مانع ثواب نہیں۔ اس کا ثواب ہوگا (امداد الفتاویٰ تتمہ ثالث ص ۶۳)

جس جگہ لوجہ اللہ قرآن سنانے والا حافظ نہ ملتا ہو اور قرآن سننے سے محرومی کی نوبت آتی ہو تو مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ امام تراویح کو رمضان کے لئے نائب امام مقرر کر لیا جائے اور اس کے ذمہ مغرب عشاء اور دو تین

نمازیں پڑھانا لازم کر دیا جائے تو اجرت لینے دینے کی جواز کی صورت ہوجائے گی۔اس قسم کا احقر کا فتویٰ مع تصدیقات مفتیان کرام ۱۳۷۱ھ میں پندرہ روزہ ''اخبار'' ''جماعت'' (سورت) اور ماہنامہ ''پیغام'' (کاوی) میں شائع ہوچکا ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد اول (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ، کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے ۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح میں دوسری رکعت میں قرائت طویل کرنا :

(سوال ۲۳۸) علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔حافظ صاحب تراویح کی پہلی رکعت میں قراءت مختصر اور دوسری رکعت میں طویل قراءت پڑھتے ہیں۔سامع کہتے ہیں کہ نماز میں پہلی رکعت میں قرائت لمبی اور دوسری میں مختصر ہونی چاہئے۔حافظ صاحب کہتے ہیں کہ سنت نماز میں پہلی رکعت میں قراءت مختصر اور دوسری رکعت میں لمبی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔آپ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح اگرچہ سنت ہے لیکن باجماعت پڑھی جاتی ہے اس لئے مشابہ بالفرض ہوجاتی ہے۔لہذا تراویح میں دوسری رکعت میں قراءت لمبی کرنا پسندیدہ نہیں کسی وقت ہوجائے تو قابل گرفت بھی نہیں اس کی عادت بنالینا خلاف مستحب ہے۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ نماز تراویح میں دوسری رکعت کی قرائت طویل کرنا ناپسندیدہ ہے۔حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ دونوں رکعتیں برابر ہوں۔اور امام محمدؒ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت کی قراءت کچھ طویل ہونی چاہئے۔ ویستحب التسویۃ بین الرکعتین عندھما وعند محمد رحمہ اللہ یطول القراۃ فی الا ولیٰ علی الثانیہ .ھکذا فی محیط السرخسی (عالمگیری ج ۱ ص ۷۵ فصل فی التراویح کبیری ص ۳۸۷) (فقط واللہ اعلم بالصواب).

تراویح کے بعد باری باری ہر گھر پر ختم قرآن کرنا کیسا ہے:

(سوال ۲۳۹) ہمارے گاؤں میں ماہ رمضان میں تراویح کے بعد ختم قرآن کا سلسلہ جاری کیا ہے ترتیب وار سب کے یہاں ختم کے لئے جاتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں اس طرح قرآن ختم کرنا کیسا ہے؟ اس رواج سے لوگ تشویش میں ہیں۔تفصیلی جواب سے اطمینان بخشئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ختم قرآن کا یہ طریقہ کہ باری باری گھر گھر جمع ہوں مستحسن نہیں ہے۔بلکہ مشتبہ اور قابل ترک ہے اپنے اپنے طور سے پڑھنا چاہئے۔جمع ہوکر پڑھنے کا شوق ہو تو کسی جگہ بیٹھ جایا کریں اور اس طرح پڑھیں کہ ہر شخص ایک ایک رکوع پڑھے اور سب سنیں اس طرح پڑھنے میں ختم بھی ہوجائے گا اور اصلاح بھی ہوجائے گی کہ حاضرین میں کچھ لوگ صحیح خواں بھی ہوں گے تو جو لوگ صحیح نہیں پڑھ سکتے ان کی اصلاح بھی ہوجائے گی اور تعلیمی سلسلہ قائم ہوجائے گا۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام تراویح سامع کا لقمہ لینے تک خاموش رہے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۴۰) ہمارے یہاں تراویح میں حافظ صاحب سے ایک غلطی ہوئی تو پیچھے سے سامع نے لقمہ دیا اور پوری

آیت پڑھی اتنی دیر امام صاحب خاموش رہے آیت یہ ہے۔ "ام حسبتم ان تترکوا ۔۔۔ خبیر بما تعملون" تک تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر واجب ہو۔اور نہ کیا ہو تو ان دو رکعت کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح ادا ہوگئی۔اعادہ کی ضرورت نہیں۔حافظ کے لقمہ سننے کے لئے ضرورۃً امام کا اس قدر خاموش رہنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اور سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک شخص فرض اور وتر پڑھائے اور حافظ صرف تراویح پڑھائے تو کیسا ہے؟:

(سوال ۲۴۱) ہمارے یہاں امام صاحب عشاء کی فرض نماز اور وتر پڑھاتے ہیں اور دوسرے حافظ صاحب تراویح پڑھاتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کوئی مضائقہ نہیں،حضرت عمرؓ فرض نماز اور وتر پڑھاتے تھے اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ تراویح پڑھاتے تھے۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔واذا جازت التراویح بامامین علیٰ ھذا الوجہ جاز ان یصلی الفریضۃ احدھما ویصلی التراویح الآخر وقد کان عمر رضی اللہ عنہ یؤ مھم فی الفریضۃ والو تروابی رضی اللہ عنہ یؤ مھم فی التراویح کذا فی السراج الوھاج (عالمگیری ج ۱ ص ۷۴ فصل فی التراویح) واللہ اعلم.

تراویح میں تنہا عورتوں کی جماعت:

(سوال ۲۴۲) ہمارے یہاں دو عورتیں حافظ قرآن ہیں اگر وہ تراویح میں قرآن شریف نہ سنائیں تو بھول جائیں گی اس بناء پر ایک مولوی صاحب نے تراویح باجماعت پڑھانے کی اجازت دی ہے۔محلّہ کی عورتیں شامل ہوکر باجماعت تراویح ادا کرتی ہیں۔حنفی مذہب میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت حافظہ ہے قرآن نہ سنانے کی وجہ سے بھول جانے کا احتمال ہے۔تب بھی تراویح باجماعت کی اجازت نہیں تنہا تنہا پڑھ لیں۔عورتوں کے لئے جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ تراویح ہو[1] "مالا بد منہ" میں ہے جماعت زناں تنہا نزد امام ابو حنیفہؒ مکروہ ست و نزدیگر ائمہ جائز است.

ترجمہ:۔امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز ہے (ص۳۵)

بعض علماء نے عورت کی آواز کو عورت (قابل ستر) قرار دیا ہے۔چنانچہ مالابدمنہ میں ہے "درنوازل گفتہ کہ آواز زن عورت است ابن ہمام گفتہ کہ بریں تقدیر اگر زن قراءت بہ جہر خواند نمازش فاسد شود۔

ترجمہ:۔فقہ کی معتبر کتاب "نوازل" میں ہے کہ عورت کی آواز عورت (قابل ستر) ہے حافظ ابن ہمامؒ

(۱) ویکرہ تحریماً جماعۃ النساء ولو فی التراویح قال فی الشامیۃ تحت قولہ ولو فی التراویح افادان الکراھۃ فی کل ماتشرع فیہ جماعۃ الرجال فرضاً او نفلاً درمختار مع الشامی باب الامامۃ ص ۵۶۵

فرماتے ہیں کہ اس قول کے مطابق عورت قرأت زور سے پڑھے گی تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (مالابد منہ ص ۳۰) مجالس الابرار میں ہے الا ان المرأة لا ترفع صوتها لان صوتها عورة مگر عورت تکبیر تشریق کہنے میں اپنی آواز بلند نہ کرے کہ اس کی آواز عورت (ستر) ہے، ص ۳۱ مجلس نمبر ۳۵)

بیس رکعت تراویح سنت ہے یا بدعت ہے:

(سوال ۲۴۳) بیس ۲۰ رکعت تراویح باجماعت سنت ہے یا بدعت عمریؓ؟ غیر مقلدین بدعت عمری کہتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیس ۲۰ رکعت تراویح باجماعت سنت مؤکدہ ہے اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور اجماع حجت شرعیہ ہے۔ لہٰذا بدعت کہنا گمراہی ہے اور روافض کی موافقت کرنا ہے حضرت عمرؓ خلفاء راشدین میں سے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے خلفائے راشدین کے طریقہ کو سنت فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین مشکوٰة باب الاعتصام بالکتاب والسنة ص ۳۰ اور ارشاد فرماتے ہیں۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر (رضی الله عنهما) مشکوة باب مناقب ابی بکرؓ وعمرؓ صفحہ: ۵۴ اور ابونعیم نے عروبۃ الکندی کے حوالہ سے نقل کیا ہے روی ابو نعیم من حدیث عروبة الکندی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ستحدث بعد اشیاء فاحبتها الی ان ترمی ما احدث عمر رضی الله عنه یعنی رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد بہت سی باتیں ایجاد ہوں گی مجھے ان میں سب سے زیادہ محبوب وہ چیز ہوگی جس کو عمرؓ نے ایجاد کیا ہو تم سب اس پر عمل کرنا اور اسے اپنے اوپر لازم کرلینا۔ (بحوالہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۳۹ فصل فی صلاة التراویح)

شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی شارح صحیح بخاری بنایہ شرح ہدایہ میں ارقام فرماتے ہیں۔ سیرة العمر لا شک فی ان فی فعلها ثواب وفی ترکها عقاب لانا امرنا بالا قتداء بها لقوله علیه الصلوة والسلام اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر وعمر فاذا کان الا قتداء بهما ماموراً به یکون واجباً وتارک الواجب یستحق العقاب والعتاب.

یعنی! حضرت عمرؓ کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں بلاشبہ ثواب ہے اور اس کے ترک کرنے میں عقاب ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کے اس قول مبارک " اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ " میں ہمیں آپ کی اقتداء کا حکم کیا گیا ہے تو جب ان دو حضرات کی اقتداء مامور بہ (جس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا) ہے تو یقیناً اقتداء کرنا واجب ہوگا۔ اور واجب کو ترک کرنے والا عقاب اور عتاب کا مستحق ہوتا ہے۔ (بحواله فتاویٰ قیام الملة والدین ص ۳۷۸)

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔ قد ثبت ان ابی بن کعب رضی الله عنه کان یقوم بالناس عشرین رکعةً فی رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذلک هو سنة لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر.

بے شک یہ ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس ۲۰ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ پس اکثر علماء نے بیس رکعت ہی کو سنت نبوی قرار دیا ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ حضرات مہاجرین وانصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی موجودگی میں بیس ۲۰ رکعت پڑھاتے تھے کسی نے بھی ان کے اس فعل پر انکار و اعتراض نہیں کیا (اگر بیس رکعت ثابت نہ ہوتی تو مہاجرین وانصار ضرور اعتراض کرتے) (فتاوی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۹۱)

شیخ احمد رومیؒ فرماتے ہیں:۔ والصحابة حینئذ متوافرون منهم عثمان وعلی وابن مسعود والعباس وابنه والزبیر ومعاذ وغیرهم من المهاجرین والانصار وما رد علیه واحد منهم بل ساعدوه ووافقوا وامروه بذلک وواظبوا علیها حتیٰ ان علیاً اثنی علیه ودعاله بالخیر وقد قال نور الله مضجع عمرؓ کما نور مساجد نا وقد قال النبی صلی الله علیه وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی وهی عشرون رکعةً.

یعنی:۔ (اس زمانہ میں جب کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھانے کے لئے نامزد کیا) اس وقت صحابہ بکثرت موجود تھے ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت معاذؓ، اور ان کے علاوہ سب ہی مہاجرین وانصار موجود تھے۔ کسی نے حضرت عمرؓ پر اعتراض نہیں کیا اور آپ کی تردید نہیں کی بلکہ سب نے آپ کا تعاون کیا اور آپ کی موافقت اور تائید کی اور اس کو جاری ورائج کیا اور صحابہ پابندی سے پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی اور ان کی لئے دعائے خیر کی (حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے) اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے حضرت عمرؓ نے ہماری مسجدیں منور کردیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے میرے طریقہ اور خلفائے راشدین جو میرے بعد ہوں گے ان کے طریقہ کو لازم پکڑنا۔ اور تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں ہیں۔ (مجالس الابرار ص ۷۸ ا مجلس نمبر ۲۸ فی بیان کیفیۃ التراویح وفضلہا۔)

محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ عمل فاروقؓ (بیس ۲۰ رکعت تراویح) کو امت نے اختیار کیا اور یہ سنت شرعیہ ہے یعنی سنت مؤکدہ ہے دلیل آنحضور ﷺ کا فرمان ہے۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین ہے۔ (العرف الشذی ج ۱ ص ۲۶۰ باب ماجآء فی قیام شہر رمضان)

ان عبارات سے واضح ہوگیا کہ بیس رکعت پر تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ لہٰذا یہ بدعت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن مجید سنت مؤکدہ ہے:

(سوال ۲۴۴) ماہ رمضان میں تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا فقہاء نے سنت لکھا ہے اس سے کونسی سنت مراد ہے مؤکدہ یا غیر مؤکدہ؟ مفصل مدلل جواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) وباللہ التوفیق:۔ صحیح مذہب اور قول اصح یہ ہے کہ تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ قوم کی

کاہلی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے اور دو ختم کرنے میں فضیلت ہے اور تین ختم کرنا افضل ہے جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت لکھا ہے اس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے۔الخ۔(امداد الفتاویٰ ج ا ص ۳۰۰)

والختم مرةً سنة مؤكدة (نهايه شرح هدايه ج. ا ص ۱۳۱ فصل فى التراويح) والجمهور علىٰ ان السنة الختم مرةً فلا يترک لكسل القوم ...... فالحاصل ان المصابيح فى المذهب ان الختم سنة (البحر الرائق ج۲ ص ۶۹،۶۸ باب الوتر والنوافل) اريد الختم بالتراويح بناءً اعلىٰ انه سنة على القول (مرقاة شرح مشكوة ج. ا ص ۱۷۴ باب قيام شهر رمضان) واكثر المشائخ على ان السنة فيها الختم مرة فلا يترک لكسل القوم (هدايه ج ا ص ۱۳۱ فصل فى التراويح) (قوله ولا يترک لكسل القوم) تاكيد فى مطلوبية الختم وانه تخفيف على الناس لا تطويل. (فتح القدير ج. ا ص ۴۰۹ ايضاً) السنة فى التراويح انما هو الختم مرةً فلا يترک لكسل القوم والختم مرتين فضيلة والختم ثلاث مرات افضل (فتاوىٰ عالمگیری فصل فی التراویح ص۱۱۷)

درتمام رمضان ختم قرآن شود واز کسل قوم ازیں کم نکند واگر قوم راغب باشد درتمام رمضان دو ختم یا سہ ختم یا چہار ختم کند (مالا بد منہ ص ۶۳) مہینے میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت ہے (علم الفقہ ج ۲ ص ۵۷) ہاں بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ کسی جگہ کے لوگ اتنے سست اور بد دل اور بد شوق ہوں کہ پورا قرآن مجید سننے کی تاب نہ رکھتے ہوتو اتنا پڑھے کہ مسجدیں جماعت سے خالی نہ پڑجائیں۔ایسی ابتر حالت نہ ہوتو ایک ختم سے کم نہ کرے کیونکہ یہی سنت ہے. لكن لا يلزم منه عدم تركه اذ لزم منه تنضير القوم وتعطيل كثير من المساجد (البحر الرائق ج۲ ص ۶۱۹ باب الوتر والنوافل)

اگر چہ آنحضرت ﷺ سے تراویح میں قرآن مجید ختم کرنے کے بارے میں کوئی روایت ہمارے علم میں نہیں مگر اس قدر تو ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ تہائی رات اور آدھی رات تک اور ایک مرتبہ سحری تک تراویح پڑھی ہے دیکھو (ابو داؤد ج ا ص ۲۰۲)[1] (ترمذی شریف و نسائی شریف وابن ماجہ)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں بعض لوگوں کو مسجد کے کونے میں جماعت سے نماز پڑھتے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ان کو قرآن یاد نہیں اس لئے (حافظ قرآن) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تراویح پڑھتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ان کی تعریف کی کہ اچھا کر رہے ہیں۔(باب قیام شہر رمضان ابوداؤد شریف ج ا ص ۲۰۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تراویح کے لئے حافظ امام کی تلاش کا مقصد ختم قرآن ہے۔اس حدیث کے راوی مسلم بن خالد کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بارے میں دیکھو (''التعليق المجد'' ص ۱۱۱)

(۱) عن أبي ذر قال صمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم رمضان فلم يقم بنا شيئاً من الشهر حتى بقي سبع فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة قام حتى ذهب حتى ذهب بشطر الليل فقلت يارسول الله لو نفلتنا قيام هذه الليلة قال فقال ان الرجل اذا صلى مع الامام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة قال فلما كانت الرابعة لم يقم فلما كانت الثالثة جمع اهله و نساءه والناس فقام بنا حتى خشينا ان يفوتنا الفلاح قال قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم يقم بنا بقية الشهر باب فى قيام شهر رمضان)

کتب حدیث وفقہ میں ہے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے تراویح کی امامت کے لئے حافظوں کو بلا کر ان کی قرائت سنی پھر تیز پڑھنے والی کو تین ختم کرنے کا حکم دیا۔(یعنی ہر عشرہ میں ایک ختم مہینے میں تین عشرے ہیں اور ہر عشرہ کی الگ فضیلت ہے حدیث میں ہے۔اوله' رحمة واوسطه' مغفرة واخره' عتق من النار) اور معمولی تیز پڑھنے والے (یعنی تد اویرا پڑھنے والے) کو دو ختم کرنے کے لئے فرمایا۔اور آہستہ یعنی ترتیل سے پڑھنے والے کو ایک ختم کرنے کے لئے کہا۔اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کے شوق اور ہمت کے مطابق مذکورہ اماموں میں سے کسی ایک کی اقتداء کی ہدایت فرمائی۔عن ابى عثمان النهدى قال دعا عمر بن الخطاب رضى الله عنه بثلثة من القراء فاستقرأهم فامر اسرعهم قراءةً ان يقرء للناس بثلثين آيةً فى كل ركعة وامر اوسطهم ان يقرء خمساً وعشرين وامر ابطأهم ان يقرء للناس عشرين آيةً وكذا رواه الثورى عن عاصم (السنن الكبرىٰ مع الجوهر النقى باب قدر قراءتهم فى قيام شهر رمضان ج۲ ص۴۹۷) (مصنف ابن ابى شيبة ج۲ ص ۳۹۲)

کبیری شرح منیہ میں ہے:۔و روى البيهقى باسناده عن ابى عثمان النهدى قال دعا عمر بثلثة من القراء فاستقرأهم فامر اسرعهم قراءةً ان يقرأ للناس بثلثين آيةً فى كل ركعة واوسطهم بخمسة وعشرين آيةً وابطأهم بعشرين آيةً قال قاضى خان وقال بعضهم وهو رواية الحسن عن ابى حنيفة يقرء فى كل ركعات عشر آيات وهو الصحيح لان فيه تخفيفاً على الناس وبه تحصيل السنة وهو الختم مرةً واحدةً لان عدد ركعات التراويح فى ثلثين ليلةً ست مائة وآيات القرآن ستة آلاف وشيئ فاذا قرء فى كل ركعة عشر آيات يحصل الختم . والفضيلة فى الختم مرتين وينبغى للامام وغيره اذا صلى التراويح وعاد الىٰ منزل وهو يقرأ القرآن ان يصلى عشرين ركعةً يقرأ فى كل ركعة عشر آيات احرازاً للفضيلة وهى الختم مرتين انتهى وفى الهداية واكثر المشائخ على ان السنة فيها الختم فلا يترک لكسل القوم قال الشيخ كمال الدين ابن الهمام قوله' ولا يترک لكسل القوم تاكيد فى مطلوبية الختم وانه تخفيف على الناس لا تطويل كما صرح به فى النهاية واذا كان امام مسجد حيه لا يختم فله ان يترک الى غيره انتهى (صلوة التراويح كبيرى شرح منية المصلى ص ۳۸۸)

صلوٰۃ مسعودی میں ہے:۔مسئلہ:۔در تراویح سنت است کہ قرآن ختم کند اما صحابہؓ در وے اختلاف است کہ در وے چند ختم کند بر قول امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سہ ختم در ہر دہ روزے یکے ختم کند۔وبعضے گفتہ اند کہ ایک ختم کند قاضی امام کبیری الدین میگوید کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سہ امام میکرد از جہت گذاردن نماز تراویح یکے را گفت تو سہ ختم کن ویکے را فرمود کہ تو دو ختم کن ویکے را فرمود کہ تو یک ختم کن از آنگاہ صحابہؓ را امر کرد وگفت ہر کہ قوی حال است وتوانا است جائے گذارید کہ سہ ختم کنند وہر کہ میانے حال است جائے گذارید کہ یک ختم کنند پس دانستم کہ ختم کردن سنت است۔در خواندن قراءت در وے اختلاف است امیر المؤمنینؓ گفتہ است کہ در ہر رکعتے سی آیت خواند تا کل ماہ رمضان سہ ختم شود ودر ہر دہ روزے یک ختم شود ظاہر روایت آنست کہ در ہر رکعتے دہ آیت خواند کل ماہ رمضان یک ختم

شودالخ۔(صلوٰۃ مسعودی فارسی ج ۳ ص ۱۸۸)

قاضی خاں میں ہے۔فصل فی مقدار القراءة فی التراویح . اختلف المشائخ فیه قال بعضهم یقرء فی کل شفع مقدار مایقرأ فی صلوة المغرب لان التطوع اخف من المکتوب فیعتبر باخف المکتوبات وهو المغرب وهذا لیس بصحیح لان بهذا لقدر لا یحصل الختم فی التراویح، والختم فی التراویح مرةً واحدةً سنة وقال بعضهم یقرأ مقدار ما یقرء فی العشاء لا نها تبع للعشاء.وقال بعضهم یقرء فی کل رکعة من عشرین آیةً الی ثلثین .وقال بعضهم وهو روایة الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله یقرء فی کل رکعة عشر ایات وهو الصحیح لان فیه تخفیفاً علی الناس وبه تحصل السنة وهی الختم مرةً واحدةً الخ (قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۱)

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کے سامنے تراویح میں قرآن ختم کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کی کوئی دلیل ہوگی ۔ورنہ آپ اس کا حکم نہ فرماتے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس کو تسلیم کرتے۔اگر خلفائے راشدین کے بعض اعمال کی صورت آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں ہمیں نظر نہ آئے گی لیکن مقاصد شرعیہ کے لحاظ سے ان کا عین سنت اور عین شریعت ہونا ضروری ہے۔لہذا جن کو ختم قرآن کی موجودہ صورت آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں نظر نہیں آتی ان کو لازم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خاص معتمد وزیر اور عبادت کے ساتھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو دل سے مان کر سنت یقین کریں۔

اصول فقہ کی مشہور و معتبر کتاب ''اصول الشاشی'' میں ہے،والسنة عبارة عن الطریقة المسلوکة المرضیة فی باب الدین سواء کانت من رسول الله صلی الله علیه وسلم او من الصحابة رضی الله عنهم . قال علیه الصلوة والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ.

یعنی سنت اس طریقۂ مرضیہ مسلوک فی الدین کو کہتے ہیں جس پر آنحضرت ﷺ کا یا آپ کے صحابہؓ کا عمل ہو ۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔میرے طریقہ کو اور (میرے بعد) خلفاء کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھو (اصول الشاشی ص ۱۰۴ البحث الرابع فی القیاس فصل فی الفرض)

اس لئے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔''وتحقیقت سنت خلفاء راشدین ہم سنت پیغمبر است''حقیقت یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی (پیغمبر علیہ السلام) کی سنت ہے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۳۱ الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

محدث ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین نے درحقیقت آنحضرت ﷺ ہی کی سنت پر عمل کیا ہے فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء (الراشدین)فانهم لم یعملوا الا بسنتی(مرقاة شرح مشکوة ج ۱ ص ۲۴۲ ملتانی ایضاً)

محدث علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں۔''عمل فاروق (بیس ۲۰ رکعت تراویح) کو امت نے اختیار کیا اور یہ سنت شرعیہ ہے یعنی سنت موکدہ ہے۔دلیل آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔علیکم بسنتی وسنة

الخلفاء الراشدین المهدیین ہے(العرف الشذی ص ۳۶۰ باب قیام شہر رمضان)

خلاصہ یہ کہ تراویح میں ایک ختم تاکیدی سنت ہے اور اہل سنت کا شعار بھی ہے۔روافض وغیرہ اس سے محروم ہیں اور حفظ قرآن نیز بقاء قرآن کا بڑا ذریعہ ہے اگر خدانخواستہ یہ شرعی رسم ختم ہوگئی تو حفظ قرآن کا سلسلہ بھی ختم ہوجائے گا۔اور حفاظ عنقاء ہوجائیں گے لہذا کسی بھی صورت میں اس کو سنت کو قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔اس سنت پر خیر القرون اور صحابہ کے مبارک زمانہ سے آج تک عمل رہا ہے اور چاروں مذہب کے علماء فقہاء مشائخ اور محدثین رحمہم اللہ اس پر دل وجان سے عامل اور متفق ہیں علامہ بحر العلوم تحریر فرماتے ہیں۔ ویسن الختم فیها مرةً وما زاد فحسن هکذا جری التوارث من زمان امیر المؤمنین عمر رضی الله عنه الیٰ هذا الآن وهذه الا حکام مما اتفق علیه فقهاء المذاهب الاربع من غیر خلاف (رسائل الارکان ص ۱۳۹)وان کسل القوم من استماع القرائة مع القدرة علیه اساءة ولا یترک الختم لکسل القوم (رسائل الارکان ص ۱۳۹) واما القراءة فالمختار الذی قاله الاکثرون واطبق الناس علی العمل بان تقرء الختمة بکما لها فی التراویح فی جمیع الشهر فیقرء کل لیلة نحو جزءاً من ثلثین جزءاً .(کتاب الاذکار للامام النوویؒ ص ۸۳۰) اسلاف کا عمل اور ان کا توارث فقہاء کے یہاں اہم دستاویز ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے،اتفاق سلف وتعارف ایشاں اصل عظیم است در فقہ،یعنی سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔''(ج ۲ ص ۸۵)

ایک مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ عمل سلف سے متوارث ہو اس کی اتباع اور پیروی واجب ہے۔لان المسلمین توارثوا فوجب ان یتبع توارث المسلمین ۔(بحر الرائق ج ۲ ص ۱۶۵ باب العیدین تحت قولہ وسن بعد فجر عرفۃ)

بعض فقہاء کا مقولہ ہے کہ تراویح ختم قرآن کے لئے مشروع ہوئی ہے لانها (ای التراویح) شرعت لاجل ختم القرآن (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۴۱ فصل فی صلاة التراویح)

اور ہر ایک محلہ کی مسجد میں جماعت سے تراویح ہونے کا اہتمام اور تاکیدی حکم کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ عوام جو حافظ نہیں وہ تراویح میں قرآن سن سکیں اور ختم قرآن کی سنت اور فضیلت سے محروم نہ رہیں۔ واما قراءة القرآن فی التراویح فمستحب (ای مسنون) باتفاق ائمة المسلمین بل من اجل مقصود التراویح قراءة القران فیها یسمع المسلمون کلام الله فان شهر رمضان فیه نزل القرآن وفیه کان جبرائیلؑ یدارس النبی صلی الله علیه وسلم القران (فتاویٰ ابن تیمیهؒ ج ۱ ص ۱۴۷)

قال الباجی فی شرح المؤطا. وانما جعل ذلک فی المساجد فی رمضان لکی یحصل لعامة الناس فضیلة القیام بالقرآن کله وسماع کلام ربهم فی افضل الشهور انتهیٰ (کتاب المدخل ج ۲ ص ۸۹)

صاحب مذہب امام ابوحنیفہؒ تراویح میں ایک ختم کرتے تھے۔اور دن کو ایک رات کو ایک سب مل کر رمضان المبارک میں اکسٹھ ۶۱ ختم فرماتے (فتاویٰ قاضی خاں ج ۱ ص ۱۱۲)امام بخاریؒ بھی ایک ختم فرماتے تھے (رکعات

تراویح ص ۱۱۷۔۱۱۸ تصنیف محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی دامت برکاتہم)

عمدۃ الفقہ میں ہے ۔(۱۷) رمضان المبارک میں تراویح میں ایک بار قرآن مجید کا ترتیب وار ختم سنت ہے قوم کی سستی کی وجہ سے اس کو ترک نہ کریں (عمدۃ الفقہ ج ۲ ص ۳۶۸ مصنفہ مولانا زوار حسین صاحب رحمہ اللہ مطبوعہ پاکستان) فقط واللہ اعلم۔

ایک سلام سے تراویح کی چار رکعتیں ادا کیں، دو رکعت پر نہ قعدہ کیا اور نہ سجدۂ سہو کیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۴۵) ہمارے یہاں حافظ صاحب نے تراویح دو رکعت کے بجائے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ادا کیں ۔ جب تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے لگے تو لقمہ دیا گیا حافظ صاحب نے لقمہ نہ لیا اور آخر میں سجدۂ سہو بھی نہ کیا تو صورت مسئولہ میں کتنی رکعت تراویح ادا ہوئی ۔ اور بر صورت عدم صحت تراویح قراءت کے اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زید جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے لگا اور اس کو لقمہ دیا گیا تو زید کے لئے لازم تھا کہ بیٹھ جاتا مگر جب لقمہ نہ لیا اور کھڑا ہو گیا اور چار رکعتیں ادا کیں تو سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرنا چاہئے تھا اور اس صورت میں دو رکعت تراویح ہوتیں اور دو رکعت نفل، مگر جب سجدۂ سہو نہ کیا تو برا کیا اور اس صورت میں دو رکعت تراویح ہوئی مگر وہ واجب الاعادہ ہیں ۔ وقت کے اندر اعادہ کر لینا چاہئے تھا وہ نکل جانے کے بعد اس کی قضا نہیں ۔ ان چار رکعت میں جتنا قرآن پڑھا گیا ہے ۔ اس کا اعادہ کر لیا جائے ۔ اور اگر دو رکعت پر قعدہ کیا ہوتو چار تراویح ادا ہو گئیں اور قراءت کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ۔

تراویح کی دو جماعتیں کرنا:

(سوال ۲۴۶) ہمارے یہاں حفاظ الحمد للہ کثیر تعداد میں ہیں ۔ قرآن کریم ان کو یاد رہے ۔ اس مقصد سے ہم نے رمضان المبارک میں یہ معمول بنا رکھا ہے کہ عشاء کی نماز ہم تمام محلّہ کی مسجد میں باجماعت ادا کرتے ہیں اس کے بعد کچھ حفاظ مدرسہ کی عمارت میں تراویح پڑھاتے ہیں ۔ جہاں تھوڑے اور مصلی بھی شامل ہو جاتے ہیں ۔ اور بقیہ حفاظ اسی مسجد میں جہاں نماز عشاء ادا کی گئی تراویح پڑھاتے ہیں ۔ مدرسہ میں تراویح پڑھنے پڑھانے والے وتر بھی وہیں پڑھتے ہیں ۔ دریافت یہ کرنا ہے ۔ قرآن کی حفاظت کی نیت سے اس طور پر تراویح کی دو جماعتیں کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔
(از بودھان ضلع سورت)

(الجواب) عشاء کی فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کر کے چند حفاظ اور ان کے ساتھ کچھ مصلی تراویح اور وتر

(۱) وعن أبي بكر الاسكاف أنه سئل عن رجل قام الى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال ان تذكر في القيام ينبغي ان يعود ويقعد ويسلم وان تذكر بعد ما سجد للثالثة فان اضاف اليها ركعة أخرى كانت هذه الاربعة عن تسليمة واحدة وان قعد في الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه فعلى قول العامة يجوز عن تسليمتين هو الصحيح هكذا في فتاوى قاضي خان فتاوى عالمگيری ، فصل في التراويح ص ۱۱۸ واذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأ فيه ويعيد القرأة ليحصل له الختم في الصلاة الجائز ايضا

مدرسہ کی عمارت میں جماعت کے ساتھ اس مقصد سے پڑھتے ہیں جو سوال میں مذکور ہے، مسجد کی جماعت سے تخلف مقصود نہیں ہے اس لئے یہ صورت جائز ہے ممنوع نہیں ۔ مدرسہ میں باجماعت ادا کرنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا ۔ البتہ مسجد کی فضیلت حاصل نہ ہوگی ۔ اس کی تلافی حفاظت قرآن کے مقصد سے پوری ہو جائے گی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے ۔ وقال الصدر الشهيد الجماعة سنة كفاية حتى لو أقامها البعض في المسجد بجماعة وباقامة أهل المحلة اقامها منفرداً في بيته لايكون تاركاً للسنة الى قوله. وان صلى بجماعة في بيته فالصحيح انه نال احدى الفضيلتين فان الاداء في المسجد له فضيلة ليس للاداء في البيت ذلك وفي الطحاوى وفي النهر انها في المسجد افضل على ما عليه الاعتماد، (مراقي الفلاح مع حاشية طحطاوى ص ۲۴۰ فصل في صلاة التراويح) فقط والله اعلم بالصواب.

گاؤں کی عورتوں کو سنانے کے لئے مائک میں تراویح پڑھانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۴۷) تراویح مائک میں پڑھانا کیسا ہے؟ یہاں گاؤں کی عورتوں کو سنانے کے لئے تراویح مائک (آلۂ مکبر الصوت) میں پڑھائی جاتی ہے تو یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ امام کی آواز نمازیوں کو پہنچ جاتی ہے تو مائک میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا ۔ ورنہ مکروہ تنزیہی ۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح کی تین رکعتیں پڑھ لیں تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۴۸) امام تراویح نے تراویح کی دوسری رکعت پر قعدہ نہ کیا ۔ اور تین رکعت پر قعدہ کر کے سلام پھیر کر نماز پوری کی تو اس صورت میں دو رکعت تراویح ادا ہوئی یا نہیں؟ بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ نفل اور سنت کی تین رکعتیں نہیں ہوتیں اس لئے تراویح کی یہ تینوں رکعتیں فاسد ہو گئیں کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں تراویح کا دوگانہ معتبر نہ ہوگا ۔ اعادہ ضروری ہے اور جو قرآن پڑھا گیا ہے ۔ اس کا لوٹانا بھی ضروری ہے ۔ شامی میں ہے ۔ وفي التتارخانية لو صلى التطوع ثلثاً ولم يقعد على الركعتين فالاصح انه يفسد (شامی ج ۱ ص ۶۵۲ باب الوتر والنوافل) فقط والله اعلم بالصواب .

تراویح میں دو رکعت پر قعدہ کرنا بھول گیا اور چار رکعت پر قعدہ کیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۴۹) تراویح کے آخری قعدہ میں سہواً کھڑا ہو جائے ۔ (بغیر قعدہ کئے ہوئے) اور چار رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کرے تو صرف دو رکعت ہوں گی ۔ اور یہ دو رکعت تراویح گنی جائیں گی؟ کیا سنت و نوافل میں آخری قعدہ فرض

(۱) ويجهر الامام وجوبا بحسب الجماعة فان زاد عليه اساء قال في الشامية تحت قوله فان زاد عليه اساء وفي الزاهدى عن ابي جعفر لو زاد على الحاجب فهو افضل الا اذا اجهد نفسه أو اذى غيره قهستاني درمختار مع الشامي فصل في القرأة ج ۱ ص ۴۹۷. اگر ضرورت سے زیادہ اونچا پڑھے لیکن کسی کو تکلیف نہ ہو تو ایسی صورت میں مائک سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی تو نہیں ہوگا لیکن خلاف اولیٰ ہوگا جیسے حوالے سے واضح ہے۔

نہیں ہے؟ اس صورت میں فرض ادا کرنے میں کیا صرف تاخیر ہورہی ہے یا فرض فوت ہورہا ہے؟ اشکال دور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ (حیدرآباد)

(الجواب) نفل میں ہر دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا ضروری ہے لہذا نفل نماز میں دو رکعت پر قعدہ نہ کیا گیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ وفی التتار خانیة لو صلی التطوع ثلاثاً ولم یقعد علی الرکعتین فالا صح انه یفسدو لوستاً او ثمانیاً بقعدة واحدة اختلفوا فیه والا صح انه یفسد استحساناً وقیاساً اه (شامی ج ا ص ۶۵۲ باب الوتر والنوافل)

البتہ چار رکعت اور چار سے زیادہ ۶۔۸۔۱۰۔۱۲۔۱۴۔۱۶۔۱۸۔۲۰ رکعات تراویح پڑھی جائے۔ اور درمیان کا قعدہ نہ کیا جائے تو سجدۂ سہو کر لینے پر دو رکعت تراویح معتبر .... ہونے کی بعض فقہاء قائل ہیں اور ان حضرات کے نزدیک قعدہ منتقل ہوکر آخر میں آجائے گا تو فرض کی ادائیگی میں صرف تاخیر ہوگی جس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہوجائے گی۔ تراویح سنت مؤکدہ ہے باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ اس لئے اس کا درجہ فرض اور واجب کے قریب قریب ہے۔ محض نفل نہیں ہے۔ اس لئے تراویح میں بعض فقہاء دو رکعت کی ادائیگی کے قائل ہیں۔ شامی میں ہے لکن صححوا فی التراویح انه لو صلاها کلها بقعدة واحدة وتسلیمة انها تجزیٔ عن رکعتین فقد اختلف التصحیح اھ (شامی ج ا ص ۶۵۲ باب الوتر والنوافل) فقط واللہ اعلم بالصواب

۱۲ شوال المکرم ص ۱۳۹۹ ھ

تراویح پڑھانے پر اجرت لینا اور دینا کیوں درست نہیں؟:

(سوال ۲۵۰) ماہ رمضان المبارک میں تراویح کے لئے حافظ صاحب کو رکھا جاتا ہے آنے والے حافظ کو مسجد کے پیسوں سے نان ونفقہ نیز کپڑوں کی دھلائی کا خرچ دینا اور آخر میں بطور اجرت کچھ پیش کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیوں؟ جب کہ یہ مصلیوں کی ضرورت ہے۔ بالفرض اگر دینا صحیح ہے اور مسجد کے پاس اتنی رقم نہیں ہے اور کوئی شخص یہ بار اپنے ذمہ لے لے تو صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (از کھلوڈ ضلع سورت)

(الجواب) اصل حکم تو یہی ہے کہ طاعات پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے مگر متاخرین نے بقاء دین کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر تعلیم قرآن، الامة، اذان وغیرہ چند چیزوں پر اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، جن چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے جواز کا حکم انہی میں منحصر رہے گا۔ تراویح مستثنیٰ کردہ چیزوں میں نہیں ہے اس لئے اصل مذہب کی بنیاد پر تراویح پر اجرت لینا دینا ناجائز رہے گا۔ شامی میں ہے۔ وقد اتفقت کلمتهم جمیعاً علی التصریح باصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ما علمته فهذا دلیل قاطع وبرهان ساطع علی ان المفتی به لیس هو جواز الا ستیجار علیٰ کل طاعة بل علیٰ ما ذکر وه فقط مما فیه ضرورة ظاهرة تبیح الخروج عن أصل المذهب الخ (شامی ج۵ ص ۴۶، کتاب الاجارة)

نیز تراویح کی ادائیگی ختم قرآن پر موقوف نہیں الم ترکیف سے بھی پڑھی جاسکتی ہے اس لئے اس میں ضیاع دین بھی نہیں ہے۔ لہذا مسجد کے پیسوں سے حافظ کو اجرت وغیرہ دینا صحیح نہ ہوگا۔ اصل مسئلہ یہی ہے۔ مگر مشکلات بھی

32

نظر انداز نہ ہونی چاہئیں جو ہر سال اور تقریباً ہر مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں اس کے لئے ایک قابل عمل شکل فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد اول ص ۳۴۹ (جدید ترتیب کے مطابق یہ فتویٰ، اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ مرتب [صفحہ ۲۳۰]) پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصلیوں میں سے اگر کوئی صاحب خیر حافظ صاحب کے افطار وسحری وغیرہ کا انتظام کردیں اور آخر میں بطور ہدیہ یا بطور امداد کچھ پیش کریں تو یہ قابل اعتراض نہیں۔ بطور اجرت دینا ممنوع۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

تراویح کے لئے نائب امام رکھا تو اصل امام کی تنخواہ کم کرسکتے ہیں یا نہیں؟:

(سوال ۲۵۱) امام تراویح کو نائب امام بنا کر عشاء اور فجر کی نماز سپرد کی جائے تو اس صورت میں مسجد کے پیسوں سے تنخواہ دینا درست ہوگا۔ اصل امام صاحب سے نماز عشاء وفجر کے بار کی کمی ہوئی لہذا ان کی تنخواہ میں کمی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اصل امام صاحب بھی پانچوں نمازوں میں حاضر رہیں گے (اور یہ معاملہ بھی صرف ایک ماہ کا ہے) اس لئے ان کی تنخواہ میں کمی کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

لڑکا جب پندرہ برس کا ہوجائے تو وہ شرعاً بالغ ہے تراویح پڑھا سکتا ہے:

(سوال ۲۵۲) میری تاریخ پیدائش ۲۶ جون ۶۴ء ہے انگریزی سن کے اعتبار سے رمضان کی پہلی تاریخ کو میری عمر پندرہ ۱۵ برس کی ہوجائے گی تو میں امسال تراویح پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب آپ کی عمر کیم رمضان کو انگریزی سن کے اعتبار سے پندرہ برس کی ہوجائے گی تو ہجری سن کے اعتبار سے بطریقہ اولیٰ ہوجائے گی اس لئے آپ تراویح پڑھا سکتے ہیں۔ پندرہ برس سے پہلے اگر بلوغت کی علامت (احتلام، انزال، احبال) پائی نہ جاوے تو پندرہ برس کی عمر سے لڑکے کو (اسی طرح لڑکی کو بھی) شرعاً بالغ سمجھا جاتا ہے۔ درمختار میں ہے (فان لم یوجد فیهما) شیئی (فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی) لقصر اعمار اهل زماننا (درمختار ج۵ ص ۱۳۲ فصل بلوغ الا حتلام الخ کتاب الحجر) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقرر امام تراویح پڑھانے کا حق دار ہے:

(سوال ۲۵۳) میں ایک مسجد میں امام ہوں اور میں نے تقرر سے پہلے یہ شرط لگائی تھی کہ میں ہی تراویح پڑھاؤں گا اب مسجد کے متولی میری موجودگی میں دوسرے حافظ کو بلانا چاہتے ہیں (جس سے میں ناراض ہوں) تو کیا ان کا یہ فعل جائز ہے؟ تراویح پڑھانے کا زیادہ حق دار کون ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح پڑھانے کا حق امام کا ہے۔ اگر امام نہ پڑھا سکے یا امام اجازت دے دے تو دوسرے حافظ کو سپرد کرنا چاہئے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من زار قوما فلا یؤمهم ولیؤمهم رجل منهم والعمل علی هذا عند اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرهم قالوا صاحب المنزل أحق بالامامة من الزائر وقال بعض اهل العلم اذا اذن له فلا بأس ان یصلی به ترمذی باب ماجاء من زار قوما فلا یصل علم ج ا ص ۸۲

گھر میں حافظ بالغ لڑکے کی اقتداء میں محرم وغیر محرم عورتیں تراویح پڑھیں تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۵۴) گھر میں کوئی بالغ لڑکا حافظ قرآن تراویح پڑھائے اور اس کے ساتھ دو تین آدمی ہوں اور پیچھے پردے میں عورتیں باجماعت تراویح پڑھیں جن میں محرم بھی ہوں اور غیر محرم عورتیں بھی ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حافظ بالغ لڑکا محرم عورتوں کی امامت کرسکتا ہے اور ان کے ساتھ غیر محرم عورتیں بھی پردے کی پابندی کرتے ہوئے شامل ہو جائیں تو شامل ہو سکتی ہیں البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو ایسی جگہ نامحرم عورتوں کا شامل ہونا جائز نہیں ۔اس پر فتن زمانہ میں عورتیں اپنے اپنے گھروں میں تراویح پڑھیں یہی افضل اور بہتر ہے،اسی میں ان کو زیادہ ثواب ملے گا(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب .

ختم قرآن کی شب حفاظ کو پھولوں کا ہار پہنانا:

(سوال ۲۵۵) ہماری مسجد میں جس رات تراویح میں قرآن ختم ہوتا ہے اس رات حافظ صاحب کی عزت افزائی کے لئے پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے۔یہ فعل کیسا ہے؟ آیا اس کا کسی کتاب سے ثبوت ہے میں حافظ ہوں اور امسال میں نے تراویح پڑھائی ہے اور اعتکاف بھی کیا ہے۔مجھے یہ پسند نہیں ہے۔میں اس طرح کہوں کہ ہار پہننے سے میرا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔اس طرح جھوٹی بات کہہ کر ہار پہننے سے انکار کرسکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ختم قرآن کی شب حفاظ کو پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے یہ رواج برا اور قابل ترک ہے اور اس میں اسراف بھی ہے۔اگر حفاظ کی عزت افزائی مقصود ہے تو ان کو عربی رومال یا شال کیوں نہیں پہناتے؟ آپ ہار پہننا نہیں چاہتے تو اس کے لئے جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں بلکہ صاف صاف کہہ دیا جائے کہ ہمیں یہ رواج پسند نہیں اور یہ خلاف شرع ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) رمضان المبارک میں امام ومؤذن کے لئے چندہ کرنا۔(۲) تراویح میں ختم کے دن شیرینی تقسیم کرنا۔(۳) امام کا اپنے شاگرد کو ختم کے دن مسجد میں تحفۃ گھڑی دینا:

(سوال ۲۵۶) محترم ومعظم حضرت مفتی صاحب مدظلہ بعد سلام مسنون وآداب کے عرض ہے کہ ہماری مسجد میں پہلے سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں امام اور مؤذن کے لئے چندہ کیا جاتا ہے لوگ خوشی سے چندہ دیتے ہیں حالانکہ امام صاحب کی تنخواہ =/۱۲۵ روپے اور مؤذن صاحب کی =/۱۰۰ روپے متعین ہے۔چندہ میں معقول رقم جمع ہو جاتی ہے۔ہم نے سال گذشتہ سہولت کی خاطر تین افراد پر مشتمل ایک چندہ کمیٹی کی تشکیل کی۔جنہوں نے بڑے شوق اور محنت سے حسب سابق چندہ کر کے معقول رقم جمع کی۔مگر سوء اتفاق اگلے سالوں کے مقابلہ میں

(۱) ویکرہ حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد و وعظ مطلقا ولو عجوزاً ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان...... كما تكره امامة الرجل لهن فى بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كاخته او زوجته او امته اما اذا كان معهن واحد ممن ذكر او امهن فى المساجد لا درمختار على هامش شامى باب الامامة ج ١ ص ٥٣٩

۵۰۔۶۰ روپے کم ہوئے۔چندہ کی ہوئی رقم کمیٹی کے ایک رکن نے امام صاحب کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے بے رخی سے فرمایا"اتنی رقم میں میرا کیا ہوگا؟"لہٰذا دوسرے دن مسجد میں چندہ کمیٹی کے اسی رکن نے اعلان کیا"افسوس کی بات ہے کہ امام صاحب کے لئے چندہ کم ہوا ہے اس لئے بقیہ حضرات دل کھول کر اس میں حصہ لیں"اس کے بعد کچھ اور چندہ ہوا۔اور اگلے سالوں کے اعتبار سے زیادہ رقم جمع ہوگئی۔اس کے باوجود امام صاحب کو شکایت ہے اور لوگوں کے سامنے شکوہ کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ چندہ کی رقم واپس کر دوں۔اس صورت میں چند سوالات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔جواب عنایت فرمائیں۔

(سوال)(۱) طویل مدت میں رمضان المبارک میں امام ومؤذن کے لئے چندہ کرنے کا رواج چلا آتا ہوں تو اس رواج پر متولی اور مقتدیوں کا عمل کرنا جائز ہے؟

(۲) مقتدی حضرات اس چندہ کو امام اور مؤذن کا حق سمجھ کر دیں اور امام ومؤذن اس چندہ کو اپنا حق سمجھ کر لیں تو کیا حکم ہے؟

(۳) امام صاحب چندہ کی رقم کو کم بتلا کر اپنے حق کا اظہار کریں تو ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا اور ایسے امام کا تراویح پڑھانا کیسا ہے؟

(۴) ہدیہ،تحفہ کی رقم اگر رسماً دی جائے تو کیا حکم ہے؟

(۵) تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر مسجد میں شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟

(۶) مسجد میں ایک نیا طریقہ جاری کیا گیا وہ یہ کہ موصوف امام نے تراویح پڑھانے کے لئے اپنے ایک شاگرد کو اپنے ساتھ مقرر کیا اور ختم قرآن کے دن سب کے سامنے مسجد میں اپنے شاگرد کو گھڑی تحفۃً دی،ایک شخص نے کھڑے ہو کر امام صاحب کے تحفہ کی قدر کرتے ہوئے کہا"یہ ہمارے لئے شرم کی بات ہے"تحفہ ہم کو دینا چاہئے۔امام صاحب کا یہ فعل درست ہے؟

(الجواب)(۱۔۲) تنخواہ معقول نہ ہونے کی بنا پر امام اور مؤذن کے لئے چندہ کیا جائے اور مصلی حضرات بخوشی چندہ دیتے ہوں اور تنخواہ کی کمی کو پورا کیا جاتا ہو اور چندہ جبراً وصول نہ کیا جاتا ہو تو مضائقہ نہیں ہے اگر اس طرح امام ومؤذن کی امداد نہ کی گئی تو ان کا گذر کیسے ہوگا؟ اور وہ کس طرح رہ سکیں گے؟ بہتر تو یہی ہے کہ تنخواہ معقول دی جائے اور چندہ کی رسم کو ختم کیا جائے،فقط۔

(۳) چندہ تراویح پڑھانے کی اجرت کے طور پر کیا جاتا ہو تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اور تراویح پڑھانا مشتبہ ہو جائے گا۔فقط۔

(۴) چندہ دینے والے بخوشی دیتے ہوں اور امام ومؤذن کی مدد کرنا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔فقط۔

(۵) شیرینی تقسیم کرنے کے لئے مسجد کی وقف رقم استعمال کرنا یا چندہ کرنا درست نہیں ہے البتہ کوئی شخص اپنی مرضی سے شیرینی تقسیم کرتا ہو تو قابل اعتراض نہیں ہے۔فقط۔

(۶) امام کا اپنے شاگرد کو اس کی حوصلہ افزائی کے لئے تحفہ دینا درست ہے۔قابل اعتراض نہیں ہے،اخلاص شرط ہے،مصلیوں میں سے کوئی بھی تحفہ دے سکتا ہے،تراویح پڑھانے کی اجرت کے طور پر دینا لینا درست نہیں

ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔۵ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ۔

تراویح سے متعلق ایک اہم سوال:

(سوال ۲۵۷) ہمارے یہاں مساجد ومدارس کا انتظام چلانے کے لئے ہر سال انتخاب کے بعد ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے، وہ لوگ مسجد ومدرسہ کے تمام انتظامات کرتے ہیں، ان میں ایک مسجد کمیٹی ہوتی ہے اس کے ذمہ مدرسین اور ائمہ مساجد کا تقرر کرنا ہوتا ہے، کمیٹی میں کم وبیش دیندار قسم کے لوگ تو ہوتے ہوں گے مگر اہل علم بہت کم ہوتے ہیں اور نہ ان سے مشورہ لیا جاتا ہے، اکثریت عوام کی ہوتی ہے۔

رمضان شریف سے پہلے تراویح کے لئے حفاظ کا تقرر اور انتخاب بھی کمیٹی کرتی ہے، حفاظ کا تقرر اس طرح ہوتا ہے کہ مسجد کے بورڈ پر لکھ دیا جاتا ہے یا اعلان کر دیا جاتا ہے کہ جو تراویح پڑھانے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ تحریری یا زبانی درخواست مسجد کمیٹی کو دیں، اب آنے والی درخواستوں یا کمیٹی کے مقرر کردہ حفاظ میں نہ تو اس بات کی تحقیق کی جاتی ہے کہ کن حفاظ کا قرآن کچا ہے اور کن کا پکا، کس کی تلاوت صحیح ہے اور کس کی غلط، ان کو تجوید سے واقفیت ہے یا نہیں، ہاں اس کا خیال رکھا جاتا ہے کہ تراویح پڑھانے والا تیز رفتار ہو اور کم سے کم وقت میں بیس رکعت ختم کر دے چاہے سامعین کو یعلمون تعلمون کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آوے اور ضعیف وناتواں حضرات رکوع اور سجدہ میں تھک ہی کیوں نہ جاویں اور ساتھ ساتھ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کی آواز سریلی اور اچھی ہو چاہے تجوید اور ترتیل کی رعایت رہے یا نہیں مد، غنہ، اخفا، ادا ہو یا نہ ہو، حروف کی ادائیگی صحیح ہو یا نہ، اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کس کا لڑکا ہے، ذمہ دار حضرات کے اور بڑے لوگوں کے لڑکوں کو فوقیت دی جاتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تراویح کے لئے حفاظ کے انتخاب کرنے کے اہل کون لوگ ہیں؟ اور ان کو کس قسم کے حفاظ کا انتخاب کرنا چاہئے؟ نماز تراویح کی صحت اور تلاوت قرآن شریف کی صحت کے لئے کیا کیا شرائط ہیں، یہ ضرور مفصل تحریر فرمائیں تاکہ اس کی روشنی میں ہزاروں مسلمان نماز اور تراویح جیسی عظیم عبادت صحیح طریقہ پر ادا کر سکیں! فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) امام تراویح اور ائمہ مساجد کا انتخاب علماء اور حفاظ کا کام ہے غیر علماء اور غیر حفاظ عامی کا علماء وحفاظ کرام کے مشورہ کے بغیر کام کرنا بڑی خرابیوں کا موجب اور قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔ ”غرض آج کل ہر شخص مفسر ومترجم ہے اور ہر ایک شریعت میں رائے دیتا ہے گویا شریعت کا سمجھنا تمام فنون سے آسان ہے، حالانکہ یہ تو قانون الٰہی ہے، جب دنیوی سلاطین کے قوانین کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ خاص خاص وکلاء اور بیرسٹر اور ہائی کورٹ کے جج ہی اس کو سمجھتے ہیں تو خدائی قانون کو ایسا کیا آسان سمجھ لیا ہے؟ (وعظ ”الباب“ ص ۱۸)

تراویح سنت مؤکدہ ہے اور اس میں قرآن شریف ختم کرنا بھی سنت ہے فضائل رمضان کا مطالعہ کیا جائے۔
رمضان میں تراویح کی نماز میں ایک ختم کرنا سنت ہے، دو یا تین ختم کرنا مستحب اور افضل ہے، لہٰذا کم از کم ایک ختم پوری صحت اور اطمینان کے ساتھ ہونے کا ضرور اہتمام کیا جائے، ہم جیسا کہ عمل کریں گے ہمارے بعد آنے والی ہماری نسل

بھی اس کا ویسا ہی اہتمام کرے گی اگر ہم نے برائے نام زبردستی تراویح پڑھی اور ختم کیا تو بعد میں آنے والے بھی ویسا ہی کریں گے اس کی ذمہ داری ہم پر ہوگی اور گناہ میں ہمارا بھی حصہ ہوگا۔

قرآن پڑھنے میں صحت کا لحاظ از حد ضروری ہے، حروف بدل جانے سے یعنی س کی جگہ ص، ث، اور ص کی جگہ س، ث۔ض کی جگہ ز، ذ کی جگہ ض، ز۔ت کی جگہ ط، اور ط کی جگہ ت وغیرہ پڑھنے سے لحن جلی لازم آتا ہے اور بھی اس قسم کی غلطی سے معنی بدل کر نماز فاسد ہو جاتی ہے۔مد، غنہ، اخفا اور اظہار کی غلطی لحن خفی ہے اس سے نماز تو فاسد نہ ہوگی مگر بڑی فضیلتوں سے محرومی ہو جائے گی، رمضان المبارک جیسے مقدس اور مبارک مہینہ میں بھی اگر تراویح میں ختم قرآن باقاعدہ اور پوری دلچسپی اور شوق ذوق سے نہ کیا جائے تو اس سے زیادہ محرومی اور کیا ہو سکتی ہے؟

مجالس الابرار میں ہے۔فانھم قد جعلوا التراویح عادةً لا عبادةً یتقرب بھا الی اللہ تعالیٰ علی ما شرطه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فیھا من القرائة وغیرھا فیتخذون صلاتھا خلف امام لا یتم الرکوع والسجود والقومة والجلسة ولا یرتل القرآن کما امر اللہ به بل ھو من غایة السرعة یقع فی اللحن الجلی بترک بعض حروف الکلمة او حرکاتھا......الخ. یعنی:۔ان لوگوں نے تراویح کو عادت بنا رکھا ہے نہ کہ عبادت کہ جس سے قرب الٰہی حاصل کریں اور اس شرط کے موافق جو رسول اللہ ﷺ نے قرات وغیرہ کی تراویح میں شرط کی ہے، پس ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجود اور قومہ اور جلسہ نہیں کرتا، اور جس طرح خدا کا حکم ہے اس طرح قرآن کو صاف صاف نہیں پڑھتا بلکہ نہایت جلدی کے سبب بعضے حروف یا حرکات کے رہ جانے سے کھلی ہوئی غلطی واقع ہوتی ہے۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ غلط پڑھنا بالاتفاق حرام ہے اور دوسرے فتاویٰ میں ہے کہ اگر امام غلط پڑھتا ہو تو اس میں کچھ مضائقہ اور حرج نہیں کہ انسان اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلا جائے اور چلے جانے سے وہ گنہگار نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصد پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنا ہے، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس نے پرہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھی اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی (شرعی) عذر سے محلّہ کی مسجد چھوڑ دے تو گنہگار نہ ہوگا، اب ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بلا عذر مسجد جانا چھوڑ دیتے ہیں اور ایسی مسجدوں میں جاتے ہیں جہاں طرح طرح کے راگ اور غلطیاں ہوتی ہیں اور ایسا امام تلاش کرتے ہیں جو نہ ٹھیک سے سجدہ کرتا ہے اور نہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صحیح طور سے پڑھتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے امام پر اعتراض کرتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجدے کرتا ہے اور قرآن شریف ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے اور اس سے بھاگتے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکا دے رکھا ہے اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔

سو بے شک جس نے تراویح اس طور سے پڑھی کہ قومہ جلسہ اور طمانیت کو جس کی ادنیٰ مقدار رکوع اور سجدے میں ایک تسبیح کے برابر ہے چھوڑ دیا تو وہ گنہگار اور دوزخ کے عذاب کا مستحق ہوگا، اس لئے کہ یہ سب چیزیں امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہیں، ان چیزوں کے چھوڑنے سے ان حضرات کے نزدیک نماز باطل ہو جاتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک (مذکورہ چیزیں) ایک روایت میں واجب ہیں ان کے چھوڑنے سے نماز کا دہرانا

واجب ہوتا ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ چیزیں سنت ہیں اور اس روایت کے بموجب ان چیزوں کا چھوڑنے والا عتاب اور شفاعت سے محرومی کا مستحق ہے اور ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی کوشش دنیا میں اکارت ہوئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کو خدا کی طرف سے وہ بات پیش آئی جس کا ان کو گمان نہ ہوتا تھا اور یہ کھلا خسارہ اور بڑا نقصان ہے۔

پھر یہاں ایک نکتہ ہے جس سے آگاہ کرنا ضروری ہے تاکہ جس شخص میں انصاف اور حق کی جانب میلان ہو وہ اس سے نصیحت حاصل کرے اور وہ یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں اور ہر رکعت میں ایک قومہ اور ایک جلسہ ہے اور پھر ان دونوں میں طمانینۃ (یعنی ان کو اطمینان سے ادا کرنا) ضروری ہے اور قومہ اور جلسہ میں سے کسی ایک میں بھی طمانینۃ کا چھوڑنا گناہ ہے اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کی طمانینۃ جاتی رہی تو بیس گناہ ہوئے اور اگر قومہ اور جلسہ دونوں میں طمانینۃ چھوڑ دی تو چالیس گناہ ہوں گے اور اگر وہ دونوں (یعنی قومہ اور جلسہ) چھوٹ گئے تو سب مل کر اسی ۸۰ گناہ ہوئے اور اگر اس کے ساتھ اظہار کا گناہ بھی ملالیں تو سب مل کر ایک سو ساٹھ گناہ ہو جائیں گے اور اگر اس کے ساتھ اس نماز کے نہ لوٹانے کا گناہ بھی ملالیں تو اب مجموعہ ایک سو اسی ۱۸۰ گناہ ہو جائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ان مذکورہ چیزوں کا ترک کرنا اس کا سبب ہوجاتا ہے کہ انتقالات کے اندر جو ذکر ہیں وہ تمام انتقالات کے بعد ادا کئے جائیں اور انتقالات کے اندر مقرر کئے ہوئے اذکار کو بعد میں ادا کرنے میں دو قباحتیں ہیں ایک تو اس کے موقعہ پر ادا نہ کرنا اور دوسرے اس کو بے موقع ادا کرنا تو اب ہر رکعت میں چار مکروہ ہوئے اور اس کی وجہ سے چار سنتوں کا ترک لازم آتا ہے کیونکہ جس نے قومہ یا اس کے اطمینان کو چھوڑ دیا تو سمع اللہ لمن حمدہ اور اللہ اکبر جھکتے وقت ادا ہوگا بلکہ اللہ اکبر سجدہ میں واقع ہوگا اور سنت یہ ہے کہ سمع اللہ لمن حمدہ رکوع سے سر اٹھاتے وقت کہے اور اللہ اکبر سجدہ کے لئے جھکتے وقت کہے اسی طرح اگر جلسہ یا اس کا اطمینان چھوڑ دیا جائے تو پہلی تکبیر کا کچھ حصہ جھکتے وقت ادا ہوگا بلکہ دوسری تکبیر کا کچھ حصہ سجدے میں جانے کے بعد پڑے گا حالانکہ سنت پہلی تکبیر کا سر اٹھاتے وقت کہنا ہے اور دوسری تکبیر کا جھکتے وقت تو اب مکروہات کا شمار تمام رکعتوں میں اسی ۸۰ ہوجائے گا، جس کی وجہ سے اسی سنتوں کا چھوڑنا لازم آئے گا اور جب ان مکروہات کے اظہار کا گناہ بھی اس میں شامل کرلیں تو اب مجموعہ ایک سو ساٹھ مکروہات کا ارتکاب اور ایک سو ساٹھ سنتوں کا ترک ہوا، اب جو شخص رمضان کی مبارک راتوں میں سے ہر رات فقط تراویح میں اسی گناہ اور ایک سو ساٹھ مکروہات کا ارتکاب کرتا ہے اور ایک سو ساٹھ سنتوں کو چھوڑتا ہوتو کیا ایسے شخص کا شمار عقلاء میں ہوسکتا ہے؟ حالانکہ ہر سنت کے چھوڑنے میں ایک خاص عتاب اور شفاعت سے محرومی ہے پس کیا کوئی عاقل اس بات کو پسند کرسکتا ہے کہ اپنے کو رسول خدا ﷺ کی شفاعت سے محروم کردے، جن کی شفاعت کے اللہ کی تمام مخلوق حتی کہ انبیاء اور اولیاء اور صلحاء خواستگار ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ خدا ہم کو محروم لوگوں میں سے نہ کرے۔ آمین ثم آمین۔ (مجالس الابرار ص ۱۹۱ مجلس نمبر ۲۹ فی بیان کیفیۃ التراویح وفضیلتھا)

صاحب مجالس الابرار کے اس تفصیلی بیان کو بار بار پڑھئے اور پھر اپنی تراویح پر نظر ڈالئے کہ ہماری تراویح میں یہ تمام خرابیاں ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو خدا کا شکر ادا کیجئے اور اگر ہیں تو ان خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کیجئے اور یہ اسی وقت ہوسکے گا جبکہ حافظ صحیح خواں اور سنت کے مطابق نماز ادا کرنے والا ہو اور مقتدی بھی ذوق وشوق سے اس عظیم

عبادت کو عبادت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر ادا کرنے کی فکر کریں، کچھ وقت زیادہ صرف ہو تو اس کا خیال نہ کیا جائے کہ وقت عبادت ہی میں صرف ہو رہا ہے۔

تیز پڑھنا مطلقاً قابل مذمت نہیں ہے، اسی لئے قراء نے قراءت کے تین درجے مقرر کئے ہیں، ترتیل، تدویر، حدر، ترتیل میں آہستہ پڑھا جاتا ہے، تدویر میں اس سے تیز اور حدر میں اس سے تیز مگر شرط یہ ہے کہ صحت اور صفائی میں کوئی خرابی نہ آنے پائے۔

خدارا تراویح کی عظمت کو سمجھئے اور اس میں ہونے والی اغلاط کی اصلاح کیجئے۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گھر میں عورتوں کو تراویح پڑھانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۵۸) حافظ قرآن اپنے گھر کی مستورات کو (جن میں محرم اور غیر محرم عورتیں ہوں) قرآن کی تراویح پڑھائے تو یہ کیسا ہے؟ اور اگر محلہ کی دس بیس عورتیں بھی اس جماعت میں شریک ہوں کہ حافظ قرآن سے نماز تراویح میں پورا قرآن سننا چاہتی ہیں تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱-۲) گھر کا آدمی حافظ قرآن ہو اور وہ گھر میں تراویح پڑھائے اور اس کے پیچھے گھر کی محرم وغیر محرم عورتیں تراویح پڑھیں تو جائز ہے، محلہ یا بستی میں سے عورتوں کو جمع کرنے کی اجازت نہیں کہ فتنہ وفساد کا زمانہ ہے، اگر اجازت ہوتی تو مسجد سے کیوں روکا جاتا۔

درمختار میں ہے:-

کما تکرہ امامۃ الرجل لھن فی بیت لیس معھن رجل غیرہ ولا محرم منہ کا ختہ او زوجتہ اوامتہ اما اذا کان معھن او امھن فی المسجد لا درمختار مع الشامی باب الامامۃ ج ۱ ص ۵۲۹۔

یعنی:- یہ مکروہ ہے کہ مرد گھر میں عورتوں کی امامت کرائے اور ان عورتوں کے ساتھ نہ کوئی مرد ہو اور نہ امام کی محرم عورتوں میں سے کوئی عورت ہو جیسے امام کی بہن یا اس کی بیوی، مگر جب کوئی مرد ہو یا کوئی محرم عورت ہو تو مکروہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز عشاء کی چار رکعت تنہا پڑھ لینے کے بعد جماعت میں شامل ہوا تو کیا جماعت والی چار رکعت تراویح میں شمار کی جاسکیں گی؟:

(سوال ۲۵۹) رمضان شریف ایک بیمار آدمی نے گھر میں نماز عشاء پڑھی۔ پھر کچھ ہمت ہوئی تو مسجد میں گیا جماعت ہو رہی تھی۔ وہ آدمی تراویح کی نیت سے اس میں شامل ہوا تو یہ چار رکعت تراویح میں شمار ہوں گی یا نہیں؟

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ تراویح میں شمار نہ ہوں گی۔ کیونکہ تراویح کا درجہ اگرچہ فرضوں سے کم ہے مگر وہ ایک مخصوص اور مستقل سنت مؤکدہ ہے اس کی خصوصیت کا لحاظ ضروری ہے۔ "فتاویٰ قاضی خاں" میں ہے۔ اذا صلی التراویح مقتدیاً بمن یصلی المکتوب اختلفوا فیہ والصحیح انہ لا یجوز (فصل فی نیۃ التراویح ص ۱۱۱ ج ۱) (ومتنفل بمفترض فی غیر التراویح) (تنویر الابصار) اما فیھا فلا یصح الاقتداء بالمفترض

علی انها تراویح بل یصلی علیٰ انها نفل مطلق .(شامی ص ۵۵۲ ج ۱ باب الا مامة)فقط واللہ اعلم بالصواب .

کیا جماعت والی نماز قضاء میں شمار کی جاسکے گی؟:

(سوال ۲۶۰)مذکورہ بالا صورت میں بہ نیت قضاء شامل ہو تو قضاء صحیح ہوگی یا نہیں؟

(الجواب)صورت مسئولہ میں قضاء صحیح نہیں کہ امام کی نماز وقتی ادا ہے اور مقتدی کی قضاء ہے۔ یہ دونوں نمازیں صفت میں متحد نہیں ''نورالایضاح'' میں ہے۔وان لایکون الا مام مصلیاً فرضاً غیر فرضه (۸۱ باب الامامة) (و) لا (مفترض بمتنفل وبمفترض فرضاً آخر) (درمختار) قوله وبمفترض فرضاً آخر سواء تغایر الفرضان اسماً او صفةً کمصلی ظهر الا مس بمصلی ظهر الیوم (درمختار مع الشامی ص ۵۴۲ ج ۱ باب الا مامة) فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسجد کے اوپر نیچے تراویح کی دو جماعت:

(سوال ۲۶۱)ہمارے یہاں رمضان المبارک میں عشاء کے بعد جماعت خانہ میں ایک یا سوا پارے کی تراویح ہوتی ہے اور مسجد کی چھت پر تین سپارے کی تراویح ہوتی ہے، ایک ہی مسجد میں اس طرح کی دو جماعتیں ہوسکتی ہیں؟ وضاحت اور رہبری فرمائیں بینوا توجروا۔(سورت) جانب ابراہیم دادا۔

(الجواب)بہتر اور اعلیٰ صورت یہ ہے کہ تمام لوگ عشاء کی نماز ایک جماعت کے ساتھ ادا کریں اور اس کے بعد جو حضرات تین سپارے کی تراویح پڑھنا چاہتے ہیں وہ کسی گھر میں پڑھیں، مسجد کی چھت یا مسجد کی دوسری منزل پر نہ پڑھیں، دوسرے منزلہ پر چڑھنا بھی مسجد کی چھت پر چڑھنے کے حکم میں ہے شرعی ضرورت کے وقت ہی اوپر جانا چاہئے مزید تفصیل اور دلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم ص ۳۰، ۳۱ (جدید ترتیب کے مطابق مکروہات صلوٰۃ میں، بعنوان نماز عشاء اور تراویح مسجد کی چھت پر ادا کی جائے الخ کے تحت دیکھ لیا جائے صفحہ ۱۳۰ مرتب) نیز جلد ششم ص ۴۴۸، ص ۴۴۹ (جدید ترتیب کے مطابق باب الامامۃ والجماعت کے باب میں بعنوان مسجد کی چھت پر جماعت کرنا، کے تحت دیکھ لیا جائے صفحہ ۱۴۱ مرتب)فقط واللہ اعلم بالصواب ۷ اشعبان المعظم ۱۴۱۰ھ۔

مسجد کا مستقل امام تراویح پڑھانے کی اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۶۲)تراویح کا پیسہ (اجرت) لینا جائز ہے یا نہیں؟ زید جو ایک مسجد کا امام ہے اور اسی مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے وہ کہتا ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں مسجد کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے وہ امامت کا پیسہ لیتا ہوں، تراویح کا نہیں، کیا زید کی یہ بات درست ہے؟ اور یہ حیلہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)صورت مسئولہ میں اس حیلہ سے زید کے لئے اجرت کے طور پر مسجد کے پیسے لینا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ جو شخص کسی مسجد میں پہلے سے امام مقرر ہو تو اس کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ رمضان المبارک میں تراویح بھی پڑھائے جس طرح اس کی ذمہ داری میں یہ بھی ہے کہ جمعہ کی نماز پڑھائے موقع آجائے تو عید کی نماز بھی

پڑھائے جنازے کی نماز پڑھائے اور اگر مقرر امام کسی وجہ سے (مثلاً حافظ نہ ہو یا اور کوئی عذر ہو) تراویح میں قرآن ختم کرنے سے عاجز ہو تو وہ الم ترکیف سے پڑھانے کا ذمہ دار ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۳۸۴ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، کیا قرآن کی تراویح پڑھانا امام کی ذمہ داریوں میں سے ہے کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے صفحہ ۲۶۴ مرتب) اس لئے اس صورت میں مقرر تنخواہ کے علاوہ جو کچھ مسجد کی طرف سے دیا جائے گا وہ تراویح ہی کی اجرت ہوگی جس کا ناجائز ہونا بالکل ظاہر ہے، یہ حیلہ کہ میں مسجد کا امام ہوں اور امامت کی تنخواہ لیتا ہوں اس کے حق میں مفید نہ ہوگا بلکہ حق یہ ہے کہ مقرر امام کے بارے میں اس کو حیلہ کہنا بھی درست نہیں اس کی تنخواہ تو پہلے سے متعین اور مقرر ہے پھر مستقل اجرت یا خاص رمضان المبارک میں تنخواہ میں اضافہ کس بنیاد پر؟؟؟ ہاں البتہ کوئی حافظ رمضان المبارک میں امام کے علاوہ تراویح کے لئے مقرر کیا گیا تو اس کے لئے بھی تو اعلیٰ اور بہتر صورت یہی ہے کہ وہ لوجہ اللہ تراویح پڑھائے لیکن اگر کسی جگہ لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا نہ ملتا ہو اور مقتدی قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہوں تو مجبوراً یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ حافظ صاحب کو رمضان المبارک کے لئے نائب امام مقرر کردیں عشاء وغیرہ ایک دو نمازیں ان کے ذمہ لازم کردیں اور ساتھ ساتھ تراویح بھی پڑھائے تو اس حیلہ سے مسجد کے پیسوں سے نائب امام کی تنخواہ کے طور پر لینا دینا جائز ہوگا جس کی تفصیل فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد اول ص ۳۴۹ ص ۳۵۰ پر درج ہے، نیز فتاویٰ رحیمیہ جلد نمبر ۴ اوپر پہلے حوالہ ص ۳۸۴ بھی ملاحظہ فرمائیں۔(جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے صفحہ ۲۳۲ مرتب)

امام صاحب لوجہ اللہ تراویح پڑھائیں اور مقتدی اپنی خوشی سے ہدایا پیش کر کے امام صاحب کی خدمت کرنا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے، امام صاحب کا معین رقم کا مطالبہ کرنا اور نہ ملنے پر شکایت کرنا درست نہ ہوگا دل میں لالچ اور حرص نہ ہونی چاہئے، قرآن مجید بہت عظیم نعمت ہے، حفاظ کرام کو اس نعمت کی قدر اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اجرت کی لالچ رکھ کر اپنے کو کیوں اجر عظیم سے محروم کرتے ہیں وہ ان القراۃ لشئی من الدنیا لا تجوز وان الاخذ و المعطی آثمان یعنی دنیا کی کسی حقیر چیز کے لئے قرأت ناجائز ہے لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں (شامی ج ۱ ص ۶۸۷ (حوالہ آگے آرہا ہے۔مرتب) نیز ج ۵ ص ۴۷)

یہ اشکال نہ ہونا چاہئے کہ مسجد کا مقرر امام بھی امام ہے اور تراویح کے لئے جو حافظ مقرر کیا گیا وہ بھی امام تراویح ہے تو مقرر امام کی تنخواہ کیوں جائز اور امام تراویح کی اجرت کس بنا پر ناجائز؟ اصل مذہب یہ ہے کہ طاعات پر اجرت لینا دینا جائز نہیں مگر فقہاء نے بقاء دین کی ضرورت ملحوظ رکھ کر تعلیم قرآن، امامت، اذان وغیرہ چند چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے اور ان پر اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، تراویح مستثنیٰ چیزوں میں شامل نہیں اس لئے اصل مذہب کی بنیاد پر تراویح پر اجرت لینا دینا ناجائز ہی رہے گا، نیز تراویح کی ادائیگی ختم قرآن پر موقوف نہیں الم ترکیف سے بھی پڑھی جاسکتی ہے اس لئے اس میں ضیاع دین بھی نہیں، لہٰذا تراویح کی قرأت مثل تلاوت مجردہ ہے، جس پر اجرت لینا ناجائز ہے، شامی میں ہے وان القراءۃ لشئی من الدنیا لا تجوز وان الأخذ و المعطی آثمان لان ذلک یشبه الا ستیجار علی القراۃ ونفس الا ستیجار علیها لا یجوز فکذا ما اشبهه کما صرح ذلک فی عدۃ کتب من مشاهیر کتب المذهب وانما افتی المتأخرون بجواز الا ستیجار علی تعلیم القرآن لا علی

التلاوة وعلله بالضرورة وهي خوف ضياع القرآن ولا ضرورة في جواز الا ستيجار على التلاوة كما اوضحت ذلك في شفاء العليل وسيأتي بعض ذلك في باب الا جارة الفاسدة ان شاء الله تعالىٰ(شامي ج ا ص ۶۸۷ باب قضاء الفوائت قبيل باب سجود السهو)

نیز درمختار میں ہے (ولا) لا جل الطاعات مثل (الا ذان والحج والا مامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والا مامة والا ذان ويجبر المستا جر على دفع ما قبل ......الخ (درمختار) شامی میں ہے(قوله ويفتى اليوم بصحتها لتلعيم القرآن الخ) قال في الهداية وبعض مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الا ستيجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الا مور الدينية ففي الا متناع تضييع حفظ القرآن عليه الفتوىٰ اه ...... وزاد في مختصر الوقاية ومتن الا صلاح تعليم الفقه زاد في متن المجمع الا مامة ومثله في متن الملتقى ود ر البحار وزاد بعضهم الا ذان والاقامة والوعظ وذكر المصنف معظمها ولكن الذي في اكثر الكتب الاقتصار على ما في الهداية فهذا مجمع ما افتى به المتاخرون من مشائخنا. الى قوله . والصواب اى يقال على تعليم القرآن فان الخلاف فيه كما علمت لا في القراء ة المجردة فانه لا ضرورة فيها . الى قوله . والا ستيجار على مجرد التلاوة لم يقل به احد من الائمة وانما تنازعوا في الاستنجار على التعليم (درمختار وشامي ص ۴۶، ۴۷ ج ۵ باب الا جارة الفاسدة)فقط والله تعالىٰ اعلم بالصواب.

تراویح میں کس تاریخ کو قرآن شریف ختم کیا جائے:

(سوال ۲۶۳) رمضان المبارک میں ۲۷ویں کو ختم کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے عمل سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور اس کو ضروری قرار دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح میں ایک ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے اس کی پوری مفصل بحث فتاوی رحیمیہ جلد چہارم اسی باب میں، تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن مجید سنت مؤکدہ ہے، کے عنوان کے تحت دیکھئے (ص ۴۰۵ تا ۴۱۲ میں ہے، ۲۷ویں شب کو ختم کرنے کا دستور ہوگیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ۲۷ویں شب مبارک اور بڑی رات ہے اس کی برکتیں حاصل ہو جائیں اس غرض سے قرآن پاک ختم کیا جاتا ہے، جس طرح رمضان المبارک میں بغرض حصول زیادتی ثواب زکوٰۃ ادا کرنے کا دستور ہوگیا ہے (لہذا اس کو سنت سمجھے بغیر اس پر عمل کرے) تو قابل اعتراض نہیں ہے، اسی طرح ۲۹ویں رمضان المبارک کی شب میں قرآن ختم کرنے کی بھی فضیلت آئی ہے، حرمین شریفین میں اسی پر عمل ہے، خلاصۃ الفتاوی میں ہے قال الصدر الشهيد الختم في التراويح سنة والختمان فضيلة فيقرأ في كل ركعة عشر آيات حتى يحصل الختم في الليلة السابعة والعشرين ......(خلاصة الفتاوىٰ ص ۶۴ ج ۱ كتاب الصلوة الفصل الثالث في التراويح)

الفقہ علی مذاهب الاربعہ میں ہے تسن قراة القرآن بتما مه فيها يختمه اخرليلة من الشهر الا اذا تضرر المقتدون به فالا فضل ان يراعى حالهم (ص ۳۴۳ تراويح) الجزء الثاني مطبوعه اليشق

کتب خانہ استنبول)فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

تراویح میں ہونے والی کوتاہیوں سے بچنا ضروری ہے:

(سوال ۲۶۴) تراویح میں بعض حفاظ اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ حروف اچھی طرح ادا نہیں ہوتے، قریب ہونے کے باوجود سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے کیا پڑھا تو اس طرح جلدی جلدی پڑھنا کیسا ہے؟ اور اس طرح پڑھنے سے ختم قرآن کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (حافظ عبدالحمید خاں)

(الجواب) تراویح سنت مؤکدہ ہے اور اس میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا بھی سنت ہے (دلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ ص ۴۰۵ تا ص ۴۱۲ ج ۴ فتاوی رحیمیہ کا حوالہ بالا) قرآن مجید پڑھنے میں صحت کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے، حروف بدل جانے سے یعنی س کی جگہ ص یا ث، یا ص کی جگہ س یا ث، یا ض کی جگہ ز یا ذ، یا ذ کی جگہ ض یا ز، یا ت کی ط، یا ط کی جگہ ت وغیرہ پڑھنے سے لحن جلی لازم آتا ہے اور کبھی اس قسم کی غلطی سے معنی بدل کر نماز فاسد ہو جاتی ہے، مد، غنہ، اخفاء، اور اظہار کی غلطی لحن خفی ہے اس سے نماز تو فاسد نہ ہوگی مگر بڑی فضیلتوں سے محرومی ہو جائے گی، رمضان المبارک جیسے مقدس اور مبارک مہینے میں اگر تراویح میں باقاعدہ اور پوری صحت، دلچسپی اور ذوق وشوق سے قرآن مجید ختم نہ کیا جائے تو اس سے زیادہ محرومی اور کیا ہو سکتی ہے؟

تیز پڑھنا مطلقاً قابل مذمت نہیں ہے اسی لئے قراء نے قرائت کے تین درجے مقرر کئے ہیں ترتیل، تدویر اور حدر، ترتیل میں آہستہ پڑھا جاتا ہے تدویر میں اس سے تیز اور حدر میں اس سے تیز مگر شرط یہ ہے کہ صحت اور صفائی میں کوئی خامی نہ آنے پائے، جو امام تراویح ایسا جلدی اور تیز پڑھتا ہے کہ پاس والے مقتدیوں کو بھی سمجھ میں نہیں آتا تو ایسی قراءت نہ ہونے کے برابر ہے، اور اگر ایسی غلطی ہو جائے کہ جس سے لحن جلی لازم آئے اور معنی بدل جائے تو ایسی صورت میں کسی کی بھی تراویح صحیح نہ ہوگی اور رمضان المبارک میں تراویح کے اندر ایک مرتبہ قرآن ختم کرنے کی جو سنت ہے وہ سنت بھی کسی کی ادا نہ ہوگی۔

امام پر لازم ہے کہ صحیح صحیح پڑھے تمام حروف مخارج سے ادا کرنے کا اہتمام کرے اور مقتدیوں پر بھی لازم ہے کہ ایسے شخص کو امام بنائیں (فرض نماز ہو یا تراویح) جو قرآن مجید صحیح صحیح پڑھتا ہو، آج کل حفاظ اور لوگوں نے تراویح میں بہت ہی لاپرواہی اختیار کر رکھی ہے، جس مسجد میں جلد تراویح پوری ہوتی ہو اور جو حافظ غلط سلط پڑھ کر جلد ختم کر دیتا ہو نہ سنت کے مطابق رکوع سجدہ کرتا ہو نہ قومہ جلسہ میں تعدیل ارکان کی رعایت کرتا ہو اس کی تعریف کی جاتی ہے کس قدر افسوس کی بات ہے یہ صورت بھی ہجران قرآن (قرآن چھوڑنے) میں داخل ہے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ آیت قرآنی وقال الرسول يا رب ان قومي اتخذوا هذا القرآن مهجوراً (ترجمہ:۔ اور (اس دن) رسول (ﷺ) حق تعالیٰ سے کافروں کی شکایت کے طور کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری (اس قوم نے) اس قرآن کو (جو کہ واجب العمل تھا) بالکل نظر انداز کر رکھا تھا) کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، قرآن کی تصدیق نہ کرنا اس میں تدبر نہ کرنا اس پر عمل نہ کرنا، اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قرائت کی طرف توجہ نہ کرنا اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا یہ

سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہوسکتی ہیں'' (فوائد عثمانی پارہ نمبر ۱۹ سورہ الفرقان آیت نمبر ۳۰)

علم الفقہ میں ہے: قواعد کی پابندی سے قرآن پڑھنا چاہئے، راگ سے پڑھنا اور گانا قرآن مجید کا بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھے عجلت سے پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے۔ مزید تحریر فرماتے ہیں، ایسی عجلت کہ جس سے الفاظ کے سمجھنے میں دقت ہو بالاتفاق مکروہ ہے، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں اثر بھی زیادہ ہوتا ہے اسی لئے عجمی لوگ جو قرآن مجید کے معانی نہیں سمجھتے ان کو بھی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مفید ہے (اتقان) افسوس ہمارے زمانہ میں قرآن مجید کی سخت بے تعظیمی ہوتی ہے، پڑھنے میں ایسی جلدی کی جاتی ہے کہ سوا بعض بعض الفاظ کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا، تراویح میں اکثر حافظوں کو ایسا ہی دیکھا گیا خدا جانے ان پر کس نے جبر کیا جو یہ تراویح پڑھتے آئے اس سے بہتر ہوتا ہے کہ ایسے حضرات نہ پڑھتے قرآن مجید کی بے ادبی تو نہ ہوتی (علم الفقہ مع حاشیہ ص ۱۹۰ ص ۱۹۱ جلد دوم)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے:۔

(سوال ۱۷۸۴) بعض حافظ تراویح میں ایسا جلدی قرآن شریف پڑھتے ہیں کہ سوائے یعلمون اور تعلمون کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور بعض مقتدی بھی ایسا تیز پڑھنے کو تراویح کے جلدی ختم ہوجانے کی وجہ سے پسند کرتے ہیں ان دونوں کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) درمختار میں ہے ویجتنب المنکرات ھذرمۃ القراۃ وترک تعوذ وتسمیۃ وطمانینۃ الخ یعنی ختم قرآن میں منکرات سے بچے، یعنی جلدی پڑھنے سے اور اعوذ باللہ وبسم اللہ اور اطمینان کے چھوڑنے سے (درمختار علی ہامش رد المحتار ص ۶۶۳ مبحث التراویح) اس سے معلوم ہوا کہ ایسا پڑھنا امر منکر ہے، جو بجائے ثواب کے سبب معصیت بن جاتا ہے (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ص ۲۵۷ ج ۴، مسائل تراویح)

مجالس الابرار میں ہے۔

وقد ذکر فی البزازیۃ ان اللحن حرام بلا خلاف وذکر فی الفتاویٰ ان الامام اذا کان لحانا لا بأس للرجل ان یترک مسجدہ ویحول الی مسجد آخر فانہ لا یاثم بذلک لانہ قصد الصلوۃ خلف تقی وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی من الانبیاء وفیہ اشارۃ الی انہ لو ترک مسجدہ بعذر لا یکون آثماً فکیف یکون حال الذی یترکون مسجدھم بلا عذر ویسرعون الی مسجد یکون فیہ انواع من الانغام والالحان ویطلبون اماماً لا یتم الرکوع والسجود ولا یرتل القرآن بل ربما ینکرون علی من یتم الرکوع والسجود ویرتل القرآن وینفرون ویکونون من الذین اتخذوا دینھم لعباً ولھوا وغرتھم الحیوۃ الدنیا وھم عن الآخرۃ غفلون (مجالس الابرار ص ۱۹۰ مجلس نمبر ۲۸ فی بیان کیفیۃ التراویح وفضیلتھا)

ترجمہ:۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ غلط پڑھنا بالاتفاق حرام ہے، اور دیگر فتاویٰ میں ہے کہ اگر امام غلط پڑھتا ہو تو اس میں کچھ مضائقہ اور حرج نہیں کہ انسان اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلا جائے، اور چلے جانے سے وہ

گنہگار نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصد پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنا ہے اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس نے پرہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھی اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی (شرعی) عذر سے محلہ کی مسجد چھوڑ دے تو گنہگار نہ ہوگا اب ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بلا عذر (محلہ کی) مسجد چھوڑ دیتے ہیں اور ایسی مسجدوں میں جاتے ہیں جہاں طرح طرح کے راگ اور غلطیاں ہوتی ہیں اور ایسا امام تلاش کرتے ہیں جو نہ ٹھیک سے رکوع کرتا ہے نہ سجدہ (اور نہ قومہ وجلسہ میں تعدیل ارکان کی رعایت) کرتا ہے اور نہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صحیح طور پر پڑھتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے امام پر اعتراض کرتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجدے کرتا ہے (اور تعدیل ارکان کی رعایت کرتے ہوئے قومہ اور جلسہ کرتا ہے) اور قرآن شریف ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے اور اس سے بھاگتے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہوجاتے ہیں جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے اور دینوی زندگی نے ان کو دھوکا دے رکھا ہے اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔

رکوع، قومہ، سجدہ، اور جلسہ میں بھی اطمینان اور تعدیل ارکان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس میں بھی بڑی کوتاہی ہوتی ہے صاحب مجالس الابرار نے تفصیل سے ان کوتاہیوں کو بیان فرمایا ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۰، ۱۴۱، ۴۲، جلد پنجم اردو۔ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، تراویح سے متعلق ایک اہم سوال کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے ۱۲ مرتب) تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ رکوع سجدہ سنت طریقہ کے مطابق اطمینان سے ادا کرے اور قومہ اس طرح ادا کرے کہ رکوع کے بعد بالکل سیدھا کھڑا ہوجائے اور کمر کا ہر ایک جوڑ اپنی جگہ پر ٹھہر جائے اور دو سجدوں کے درمیان اطمینان کے ساتھ اس طرح بیٹھے کہ ہر عضو اپنی جگہ ٹھہر جائے اور کم از کم اتنی دیر بیٹھے کہ سبحان اللہ کہہ سکے احادیث میں تعدیل ارکان کی بہت تاکید آئی ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۹ تا ص ۱۴۱ جلد پنجم)

خدارا تراویح کی عظمت کو سمجھئے اور اس میں ہونے والی اغلاط اور کوتاہیوں کی اصلاح کیجئے اللہ تعالیٰ تمام مؤمنین کو توفیق عطا فرمائے آمین بحرمۃ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس لڑکے کی عمر اسلامی حساب سے پندرہ سال ہوچکی ہو وہ تراویح پڑھا سکتا ہے:

(سوال ۲۶۵) کتنے سال کا بچہ تراویح پڑھا سکتا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) بچہ بالغ ہوجائے تو وہ تراویح پڑھا سکتا ہے، اگر بلوغت کی علامت (احتلام، انزال، احبال) ظاہر نہیں ہوئی مگر اس کی عمر اسلامی حساب سے پورے پندرہ سال کی ہوگئی ہو تو شرعاً وہ بالغ سمجھا جاتا ہے اور اس صورت میں وہ تراویح پڑھا سکتا ہے اگر بلوغت کی علامت ظاہر نہیں ہوئی اور بچہ کی عمر اسلامی اعتبار سے پورے پندرہ سال کی بھی نہیں ہوئی تو مختار قول کے مطابق ایسا بچہ تراویح نہیں پڑھا سکتا، ہدایہ اولین میں ہے ولا یجوز للرجل ان یقتدوا بامرأۃ اوصبی ...... واما الصبی فلانہ متنفل فلا یجوز اقتداء المفترض بہ وفی التراویح والسنن المطلقۃ جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا ...... والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات کلھا لان نفل الصبی دون نفل البالغ حیث لا یلزمہ القضاء بالافساد بالاجماع ولا یبنی القوی علی الضعیف الخ (ھدایہ اولین ص ۱۰۳ باب الامامۃ (عالمگیری ج ۱ ص ۸۵ الفصل الثالث فیمن یصلح اماما لغیرہ)

درمختار میں ہے (فان لم یو جد فیھما) شیئ (فحتی یتم لکل منھما خمس عشر سنۃ بہ یفتی لقصر اعمار اھل زماننا (درمختار مع رد المحتار ج۵ ص ۱۳۲ کتاب الحجر) فقط واللہ اعلم بالصواب.

جس کا پیشہ داڑھی مونڈنے کا ہو وہ امام تراویح بن سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۶۶) الحمدللہ میں حافظ قرآن ہوں تراویح پڑھانا چاہتا ہوں مگر میرا پیشہ نائی (حجامت بنانے) کا ہے۔ مجبوراً داڑھی مونڈنا پڑتی ہے، تو میں تراویح پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، خود اپنی داڑھی مونڈنا یا دوسرے کی داڑھی مونڈنا دونوں حرام اور موجب فسق ہیں، اگر آپ سچے دل سے توبہ کرلیں اور آج ہی سے داڑھی مونڈنا چھوڑ دیں اور آئندہ کے لئے ایسا پیشہ چھوڑنے کا پختہ عزم ہو تو آپ امام تراویح بن سکتے ہیں، وفاسق من الفسق وھو الخروج عن الاستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی وأکل الربا ونحو ذلک. شامی باب الامامۃ ج ا ص ۵۲۳) فقط واللہ اعلم بالصواب.

تراویح کے وقت بیٹھے رہنا اور باتیں کرنا:

(سوال ۲۶۷) بعض لوگ تراویح میں پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اور بعض لوگ تو باتیں اور شور کرتے ہیں اور امام جب رکوع میں جاتا ہے تو جلدی جلدی کھڑے ہو کر رکوع میں شریک ہو جاتے ہے، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رمضان المبارک میں اللہ اللہ کر کے تراویح میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم ہوتا ہے بعض لوگ اس کی بھی قدر نہیں کرتے اور تراویح میں پیچھے بیٹھے رہتے ہیں، اور جب امام رکوع کرتا ہے تو جلدی سے کھڑے ہو کر شامل ہو جاتے ہیں یہ عمل سستی اور کوتاہی پر دلالت کرتا ہے اور مناقوں کے عمل سے ملتا جلتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں منافقوں کے حق میں فرمایا گیا ہے واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں (قرآن مجید پ۵)

اور پیچھے بیٹھ کر باتیں کرنا اور شور کرنا تو بہت ہی جہالت کی بات ہے اور افسوس ناک ہے ایسے لوگ فرشتوں کی لعنت کے حق دار بنتے ہیں۔

حدیث میں ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے لگتا ہے تو فرشتے اس کو کہتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی خاموش ہو جا، پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے اللہ کے دشمن چپ ہو جا، پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تجھ پر لعنت ہو اللہ کی، خاموش رہ۔

وروی عنہ ایضاً علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ قال اذا اتی الرجل المسجد فاکثر من الکلام تقول الملائکۃ اسکت یا ولی اللہ فان زاد تقول اسکت یا بغیض اللہ فان زاد تقول اسکت علیک لعنۃ اللہ (کتاب المدخل ص ۵۵ ج ۲)

نیز حدیث میں ہے عن الحسن مرسلاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأتی علی الناس زمان یکون حدیثھم فی مساجدھم فی امر دنیاھم فلا تجالسوھم فلیس للہ فیھم حاجۃ،

رواہ البیھقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ شریف ص ۷۱ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)

حضرت حسن سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کی دنیوی باتیں ان کی مساجد میں ہونے لگیں گی ان کے ساتھ نہ بیٹھو اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

غور کیجئے کتنی سخت وعید ہے، کیا اس کے بعد بھی کوئی شخص اس کی جرأت کرسکتا ہے خاص کر نماز کے وقت، اگر ہماری گفتگو اور شوروشغب سے لوگوں کی نماز میں خلل ہو تو گناہ اور زیادہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو نیک توفیق عطا فرمائے کہ ایسی غلط اور نازیبا حرکتوں سے باز آجائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح کی قضاء:

(سوال ۲۶۸) رمضان کے چاند کی خبر دیر سے آئی جس کی وجہ سے تراویح نہ پڑھ سکے، تو اب اس تراویح کی قضاء باجماعت پڑھیں یا انفراداً۔

(الجواب) تراویح اپنے مقرر وقت (یعنی صبح صادق تک) پڑھ سکتے ہیں، وقت کے نکل چکنے کے بعد اس کی قضا نہیں نہ تو باجماعت اور نہ تنہا، اس کے باوجود کوئی پڑھے گا تو تراویح نہیں بلکہ نفل شمار ہوگی اور نفل نماز باجماعت مکروہ ہے جب کہ امام کے سوا تین یا اس سے زائد مقتدی ہوں فان فاتت (التراویح) لا تقضیٰ اصلا لا بالجماعۃ ولا بدونھا لان القضاء من خواص الفرض (مجالس الابرار، المجلس الثامن والعشرون ص ۱۹۹) یکرہ ذلک (ای التطوع بجماعۃ) علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر (قولہ اربعۃ بواحد) اما اقتداء واحد بواحد او اثنین بواحد فلا یکرہ وثلاثۃ بواحدۃ فیہ خلاف (شامی ج۲/ص ۴۹ آخر باب الوتر والنوافل مطلب فی کراھیۃ الاقتدآء فی النفل الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فاسد شدہ رکعت کی قرأت کا اعادہ:

(سوال ۲۶۹) تراویح کی انیس رکعتیں ہوئیں بایں طور کہ دو رکعت کے بجائے ایک رکعت پڑھی تو اس میں پڑھی گئی قرائت کا اعادہ کرنا ہوگا؟

(الجواب) جی ہاں فاسد شدہ رکعتوں کی قرأت کا اعادہ ضروری ہے، لہٰذا ان رکعتوں کے اعادہ کے وقت قرأت کا اعادہ بھی کرے، اگر اسی دن اعادہ نہ ہو سکے تو دوسرے دن کی تراویح میں اعادہ کرسکتے ہیں۔

واذا فسد الشفع وقد قرأ فیہ لا یعتد بما قرأ فیہ ویعید القرائۃ لیحصل لہ الختم فی الصلاۃ الجائزۃ (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۱۸ فصل فی التراویح) فقط واللہ اعلم بالصواب

تراویح میں سامع نے بھول سے سجدہ کی آیت پڑھ دی:

(سوال ۲۷۰) تراویح میں سامع نے لقمہ دینے میں غلطی سے سجدہ کی آیت پڑھ دی امام اور مقتدیوں نے بھی سنی تو

اس سے سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) چونکہ مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی ہے اس لئے اس پر اور دیگر مقتدیوں پر ایسے ہی امام پر سجدہ واجب نہ ہوگا۔

(۱) ویلزم المأموم بسهو امامه لا بسهوه لانه لو سجده وحده كان مخالفاً لامامه ولو تابعه الا مام ينقلب التبع اصلا فلا يسجد اصلا (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۲۵۲ باب سجود السهو.

بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے حدیث اور تعامل صحابہؓ سے ثابت ہے اس کے منکر سنت کے مخالف، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان اور اجماع صحابہ کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں:

(سوال ۲۷۱) بیس رکعت تراویح کا کیا ثبوت ہے؟ غیر مقلد اس پر سخت اعتراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بیس رکعت کا ثبوت کسی ضعیف حدیث سے بھی پیش نہیں کیا جا سکتا اور لوگوں کو ورغلاتے ہیں کہ حدیث سے صرف آٹھ رکعتوں کا ثبوت ہے، اور اس سلسلہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابرؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں، اس کی وجہ سے لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے، آپ مدلل جواب تحریر فرمائیں جزاکم اللہ تعالیٰ، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً و هو الموافق. غیر مقلدوں کا مذکورہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور گمراہ کن ہے، اور احادیث مبارکہ، خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کے عمل سے ناواقف ہونے کی صریح دلیل ہے، حضور اقدس ﷺ نے بیس رکعت تراویح پڑھی ہے، اور اس کا ثبوت ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ حدثنا يزيد بن هارون قال اخبرنا ابراهيم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس رضى الله عنهما ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ ج ۲، کتاب الصلوة کم يصلى فى رمضان من ركعة)

سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ان النبی صلی الله علیه وسلم كان يصلى فى شهر رمضان فى غير جماعة عشرين ركعة والوتر . بے شک آنحضرت ﷺ ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے (سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوٰة ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان)

حافظ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام رافعیؒ کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔

انه صلى الله عليه وسلم صلى بالناس عشرين ركعة ليلتين فلما كان فى الليلة الثالثة

(۱) حضرت مفتی صاحب سے یہاں حوالہ دینے میں سہو ہوا ہے مفتی صاحب نے سجدہ سہو کا حوالہ دیا ہے حالانکہ سجدۂ تلاوت کا حوالہ دینا چاہئے تھا اگرچہ مسئلہ اپنی جگہ پر صحیح لکھا ہے۔ وان تلا المأموم لم يلزم الامام ولا المؤتم السجود لا فى الصلاة ولا بعد الفراغ منها كذا فى السراج الوهاج ، فتاوى عالمگیری الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة ج ۱ ص ۱۳۳ .)

اجتمع الناس فلم يخرج اليهم ثم قال من الغد انى خشيت ان تفرض عليكم فلا تطيقونها.

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ نے دو رات بیس رکعت تراویح پڑھائی، جب تیسری رات ہوئی تو لوگ جمع ہوئے مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہ لائے پھر صبح کو فرمایا مجھے خیال ہوا کہ تم پر فرض ہو جائے گی تو تم اس کو نبھا نہ سکو گے۔

حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں متفق علی صحته اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ (تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ص ۱۱۹ ج ۱)

علامہ طحطاوی طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں: فعلىٰ هذا يكون عشرون ثابتاً من فعله صلى الله عليه وسلم، یعنی حدیث ابن عباسؓ کی بنا پر بیس رکعت آنحضرت ﷺ کے فعل سے ثابت ہیں۔ (طحطاوی علی الدر المختار ص ۲۶۸ ج ۱ باب الوتر والنوافل، صلاة تراویح)

شارح صحیح بخاری محدث علامہ شیخ شمس الدین کرمانیؒ فرماتے ہیں: او هو معارض بما روى انه صلى الله عليه وسلم صلى بالناس عشرين ركعة ليلتين.

یعنی:۔ غیر مقلدین آٹھ رکعت کے ثبوت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کرتے ہیں اس سے تہجد مراد ہے اگر تہجد مراد نہ ہو تو یہ روایت اس روایت کے معارض ہوگی جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رات تک بیس بیس رکعت پڑھائی (الکوکب الدراری شرح صحیح بخاری ص ۱۵۶، ص ۱۵۷ ج ۹ باب قیام النبی بالليل فی رمضان وغیرہ)

مذکورہ حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس حدیث کی تقویت خلفاء راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے عمل اور مواظبت سے ہوتی ہے، خلفاء راشدین اور صحابہؓ کا عمل مستقل حجت ہے، علامہ بحرالعلوم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ " ومواظبة الصحابة على عشرين قرينة صحة هذ الرواية" یعنی بیس رکعت پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین" کی مواظبت اس روایت کی صحت کی دلیل ہے۔ (رسائل الارکان باب قیام النبی بالليل فی رمضان وغیرہ) اور صحابہ کے عمل اور عادت کے متعلق غیر مقلدوں کے مسلم پیشوا مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

''صحابہؓ کی یہ عادت تھی کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ ﷺ کے کوئی شرعی اور دینی کام محض اپنی طرف سے قائم و جاری نہیں کرتے تھے۔'' (مجموعہ فتاویٰ نذیریہ ص ۳۵۸ ج ۱)

اسی طرح بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرامؓ کے مقدس دور سے لے کر آج تک تمام علماء محدثین اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء رحمہم اللہ کا اتفاق...... اور جمہور امت کا تعامل ہے، یہ اتفاق، یہ عملی تواتر اور تلقی بالقبول بجائے خود سند اور نہایت قابل وثوق سند ہے۔

لہذا جب مذکورہ حدیث ابن عباسؓ کی تقویت خلفاء راشدین اور صحابۂ کرامؓ کی مواظبت اور علماء محدثین، ائمہ مجتہدین، فقہاء کرام اور جمہور امت کے تعامل سے ہوتی ہے تو اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ دونوں صحابی ہیں ان کے درمیان کوئی ضعیف راوی نہیں، اور جس راوی کی بنا پر اس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے وہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا، لہٰذا حضرت عمرؓ اور

صحابۂ کرامؓ کے اعتبار سے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا، اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صحابہؓ کا عمل ضعیف حدیث کی بنیاد پر تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر اًخلفاء راشدینؓ اور صحابۂ کرامؓ کے عمل کی اہمیت بیان کر دی جائے، از روئے قرآن وحدیث خلفاء راشدین کی اطاعت اور اتباع لازم اور ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یآیھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعو االرسول واولی الا مرمنکم ۔ ترجمہ: اے ایمان والوں تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولوالامر ہیں ان کی بھی (اطاعت کرو) (قرآن مجید، سورۂ نساء آیت نمبر ۵۹ پارہ نمبر ۵)

اولوالامر کے مصداق میں خلفاء راشدین داخل ہیں اور اس کا اعتراض خود غیر مقلدین کے مسلم پیشوا مولانا صدیق حسن خان صاحبؒ نے بھی کیا ہے، ان کی تفسیر "فتح البیان فی مقاصد القرآن" میں ہے۔

یا یھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الا مر منکم ، لما امر اللہ سبحانہ القضاۃ والولا ۃ اذا حکموا بین الناس ان یحکموا بالحق امر الناس بطا عتھم ھنا ...... واو لوا الامرھم الا ئمۃ والسلاطین و القضاۃ وامراء الحق وولا ۃ العدل کالخلفاء الراشدین ومن یقتدی بھم من المھتدین الخ (فتح البیان فی مقاصد القرآن ص ۵۸۵ ج ۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واما اتکم الرسول فخذوہ. ترجمہ: اور رسول اللہ (ﷺ) تم کو جو کچھ دیں اس کو قبول کرو (قرآن حکیم، سورۂ حشر ص ۲۸) اور حضور اقدس ﷺ نے خلفاء راشدین کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ ملاحظہ فرمائیے۔

عن العرباض بن سارية رضی اللہ عنہ .الیٰ قولہ. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ (مشکوۃ شریف ص ۲۹، ص ۳۰)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے۔ الیٰ قولہ۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے بعد کے لوگ بہت اختلاف دیکھیں گے (ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور ڈاڑھوں سے اس کو مضبوط تھام لو (مشکوۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۲۹، ص ۳۰)

مذکورہ آیت اور حدیث کی بنا پر ہمارے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ خلفاء راشدینؓ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں، علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا فرمان عالی ہے۔

عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری مابقائی فیکم فاقتدو ابااللذین من بعدی ابی بکر وعمر (مشکوۃ شریف ص ۵۶۰ مناقب أبی بکر و عمر)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں میں کب تک تم لوگوں میں رہوں گا، میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرنا۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولقد کان فیما قبلکم من الا مم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر ، متفق علیہ (مشکوۃ شریف ص ۵۵۶ مناقب ابی بکر وعمر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں ان میں محدث (جن کو حق باتیں الہام کی جاتی ہیں) گذرے ہیں، میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ رواہ الترمذی وفی روایۃ ابی داؤد عن ابی ذر قال اللہ وضع الحق علی لسان عمر یقول بہ. (مشکوۃ شریف ص ۵۵۷ باب مناقب عمر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان اور قلب پر حق کو جاری کیا ہے رواہ الترمذی اور ابوداؤد میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی زبان پر حق رکھ دیا ہے آپ حق بات ہی کہتے ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

عن عقبۃ بن عامر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (مشکوۃ شریف ص ۵۵۸ مناقب عمرؓ)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر بالفرض والتقدیر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

روی ابو نعیم من حدیث عروبۃ الکندی ان رسول اللہ صلی اللہ علیھو سلم قال ستحدث بعدی اشیاء فاحبھا الی ان تلزموا ما احدث عمر (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۳۹ باب التراویح)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے بعد بہت سی باتیں رونما ہوں گی مجھے ان میں سب سے زیادہ محبوب وہ چیز ہے جس کو عمر نے جاری کیا ہو تو سب اس کو لازم کر لینا۔

مذکورہ احادیث سے خلفاء راشدینؓ خاص کر حضرت عمرؓ کے قول اور عمل کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔

سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وولا ۃ الا مر من بعدہ سنناً الا خذ بھا تصدیق لکتاب اللہ واستکمال لطاعۃ اللہ وقوۃ علیٰ دین اللہ من عمل بھا مھتدی ومن استنصر بھا منصور ومن خالفھا اتبع غیر سبیل المؤمنین وو لا ہ ما تولی وصلاہ جھنم وساء ت مصیراً (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۸۷ ج ۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں اور آپ کے بعد آپ کے جانشین اولوالامر

حضرات نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں ان کا اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق ہے اور اللہ کی اطاعت کو مکمل کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کے دین کی مدد کرنا ہے جو اس پر عمل کرے گا راہ یاب ہوگا اور جو اس سے قوت حاصل کرے گا مدد کیا جاوے گا، اور جو ان کی مخالفت کرے گا اور ان کے طور طریقوں کے خلاف کرے گا اور اہل ایمان کے راستہ کے خلاف چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف موڑ دے گا جس طرف اس نے رخ کیا ہے پھر اس کو جہنم میں داخل کرے گا اور جہنم بہت بری جگہ ہے۔

اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل اور مواظبت بھی بہت اہمیت رکھتا ہے، صحابہؓ نے جو طریقہ اختیار فرمایا از روئے حدیث وہ ہدایت ہی ہے اور جو ان کے طریقہ کو اختیار کرے گا انشاء اللہ وہ ہدایت پر ہی ہوگا، ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کے طریقہ کی عظمت واہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل وان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین وسبعین ملۃ وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یارسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام)

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آچکا ہے، بنواسرائیل کے بہتر۷۲ فرقے ہوگئے تھے، میری امت کے تہتر۷۳ فرقے ہوجائیں گے، وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک ملت (ناجی ہوگی) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا وہ ملت کون سی ہے؟ ارشاد ہوا "ما انا علیہ واصحابی" "وہ ملت جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں۔

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرقۂ ناجیہ کی علامت بیان فرماتے ہوئے صرف "ما انا علیہ" نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ "واصحابی" بھی ارشاد فرمایا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا تمیز فرقۂ واحدہ ناجیہ از اں فرق متعددہ فرمودہ است آنست الذین ہم علی ما انا علیہ واصحابی یعنی آں فرقۂ واحدہ ناجیہ آنانند کہ ایشاناں بطریقے اند کہ من برآں طریقم واصحاب من برآں طریق اند ذکر اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ دریں موطن برائے آں تواند بود کہ تابدانند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است وطریق نجات منوط باتباع طریق ایشانست وبس چنانکہ حق سبحانہ فرمودہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ پس اطاعت رسول عین اطاعت حق سبحانہ وخلاف اطاعت او صلی اللہ علیہ وسلم عین معصیت او تعالیٰ وتقدس ...... پس درمانحن فیہ دعوئ اتباع آں سرور نمودن علیہ الصلوٰۃ والسلام بخلاف اتباع طریق اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دعوئ باطل است بلکہ آں اتباع عین معصیت رسول است پس نجات رادراں طریق مخالف چہ مجال (مکتوبات امام ربانی ص ۱۰۲ ص ۱۰۳ ج ۱)

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ۔ ظاہراً اتنا فرمادینا کافی تھا کہ "جس طریقہ پر میں ہوں" صحابہ کا ذکر اپنے ساتھ کیا اس کی

وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی ہی میں منحصر ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد من یطع الرسول فقد اطاع اللہ نے واضح کردیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی مخالفت بعینہ حضرت حق جل مجدہ کی معصیت اور حکم عدولی ہے، پس زیر بحث مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرنا اور ساتھ ہی صحابہؓ کے طریقہ کی مخالفت کرنا (جیسا کہ غیر مقلدوں کا طریقہ ہے) دعویٰ باطل ہے) بلکہ یہ اتباع یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا دعویٰ) پس اس مخالفت کے راستہ میں نجات کی کیا گنجائش اور امید۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ قمطراز ہیں۔

ومیزان در معرفت حق وباطل فہم صحابہ وتابعین است آنچہ ایں جماعت از تعلیم آنحضرت ﷺ انضمام قرآئن حالی ومقالی فہمیدہ اند درآں تخطیہ ظاہر نہ کردہ واجب القبول است۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۵۷ ج ۱)

ترجمہ:۔ حق وباطل کا معیار صحابہ اور تابعین کی سمجھ ہے، جس چیز کو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے قرائن حالی ومقالی کو سامنے رکھ کر سمجھا ہے (اس میں کوئی غلطی نہیں بتائی) اس کا تسلیم کرنا واجب ہے۔

مندرجہ بالا حدیث اور ان دونوں بزرگوں کی عبارت سے واضح ہوا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل ہمارے لئے بہت قوی حجت ہے۔

مزید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو، آپ نے فرمایا" رضیت لامتی ما رضی لھا " ابن ام عبد میں اپنی امت کے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو ابن ام عبد (یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) پسند کریں۔ (مظاہر حق ص ۶۸۹ ص ۶۹۰ جلد نمبر ۴)

نیز ارشاد فرمایا تمسکوا بعھد ابن ام عبد یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وصیت کو لازم اور مضبوط پکڑو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۸ باب جامع المناقب الفصل الثانی)

حضرت ابن مسعودؓ نے جماعت صحابہ کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے دل کی گہرائی سے اسے ملاحظہ فرمائیے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال من کان مستناً فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم . کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوباً واعمقھا علماً واقلھا تکلفاً اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولا قامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوا علی آثارھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ:۔ سیدنا حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: کسی کی اتباع اور اقتدا کرنا ہو تو حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی ہی اقتدا کرو، کیونکہ یہ حضرات قلوب کی صفائی علم کی گہرائی اور تکلف وتصنع سے دوری میں پوری امت کے اندر سب سے بہتر تھے اللہ تعالیٰ نے اس بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا ہے لہٰذا تم ان کے فضل (بزرگی) کو پہچانو اور انہیں کے نقش قدم پر چلو وہ سیدھے اور صاف راستہ پر تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی اس وصیت کو بار بار غور سے پڑھئے، جماعت صحابہؓ پر کس قدر اعتماد فرمار ہے

ہیں، لہٰذا صحابہؓ نے جو عمل کیا اور جس طریقہ پر وہ چلے وہ ہمارے لئے حجت ہے اور بلا شک وشبہ اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اب وہ عبارتیں اور حوالے ملاحظہ ہوں جن سے حضرت عمرؓ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیس رکعت پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

بخاری اور مسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عبد قاریؒ کی سند سے نقل کیا ہے۔

''رمضان کی ایک شب کو میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ صحابۂ کرام متفرق جماعتوں میں بٹے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی اپنی نماز الگ پڑھ رہا ہے اور کوئی امام بنا ہوا ہے کچھ صحابہ اس کے ساتھ شریک ہوگئے ہیں اور جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ان سب کو ایک قاری پر جمع کردو تو بہت بہتر اور افضل ہو، چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام مقرر فرمایا اور سب کو ایک ساتھ کردیا، فجمعهم علی ابی بن کعب رضی الله عنه الخ (بخاری شریف ص ۲۶۹ ج ۱، باب فضل من قام رمضان)

(۱) حدیث کی مشہور کتاب ''کنز العمال'' میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ فصلی بهم عشرين ركعة پس انہوں نے لوگوں کو (صحابہؓ و تابعین کو) بیس رکعت پڑھائی (کنز العمال ج ۴ ص ۲۸۴)

(۲) سنن بیہقی میں ہے: کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر، یعنی حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے (بیہقی ج ۲ ص ۲۹۶ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان نصب الرایہ ص ۲۹۴ ج ۱ فی قیام شهر رمضان واللفظ لہ)

(۳) مؤطا امام مالک میں ہے کہ یزید بن رومان سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ تراویح بیس اور وتر تین کل تیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة. (مؤطا امام مالک ص ۴۰ باب ماجآء فی قیام رمضان)

(۴) ''معرفة السنة'' میں ہے امام بیہقی نے بسند صحیح روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں حضرات قراء کو بلایا اور ایک صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں، حضرت علیؓ وتر پڑھایا کرتے تھے۔ عن عبدالرحمن بن السلمی ان علياً دعا القراء فی رمضان فامر رجلا ان يصلی بالناس عشرين ركعة وكان علي يوتر بهم (معرفة السنة للبيهقی ج ۱ ص ۴۷۷ وسنن کبری للبيهقی ص ۴۹۶ ج ۲ باب ماروی فی عدد رکعات القيام فی شهر رمضان)

(۵) محدث ابن قدامہ کتاب ''المغنی'' میں رقم طراز ہیں کہ بیس رکعت تراویح پر اجماع صحابہ ہوا ہے (وعن علی أنه أمر رجلاً يصلی بهم فی رمضان عشرين ركعة وهذا كالا" جماع" باب قيام شهر رمضان عشرون ركعة هی صلاة التراويح المغنی ص ۸۰۳ ج ۱)

(۶) محدث علامہ ابن حجر ہیثمیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے (تحفۃ الاخیار ص ۱۹۷)

(۷) مشہور حافظ حدیث علامہ عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۷۵ باب قیام شہر رمضان)

(۸) حضرت ابوالحسناءؒ سے روایت ہے: ان علياً امر رجلاً يصلی بهم فی رمضان عشرين ركعة حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت پڑھائیں۔ (کم يصلی فی رمضان من ركعة مصنف ابن ابی شيبه ج ۲ ص ۳۹۳ (سنن کبری للبيهقی ج ۲ ص ۴۹۶ باب ماروی فی عدد ركعات القيام فی شهر رمضان)

(۹) حضرت نافعؒ شاگرد ابن عمرؓ فرماتے ہیں: كان ابن ابی مليكة يصلی بنافی رمضان عشرين ركعة، اسناده حسن (آثار السنن ص ۵۶ ج ۲) حضرت ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شيبه كم يصلی فی رمضان من ركعة ص ۳۹۳ ج ۲)

(۱۰) حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں: ان عبدالله بن مسعود كان يصلی عشرين ركعة ويوتر بثلاث. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور تین وتر، اس کی سند مرسل قوی ہے (عمدة القاری شرح بخاری ج ۱۱ ص ۱۲۷) (قيام الليل ص ۹۱)

(۱۱) حضرت محمد بن کعب قرظیؒ نے فرمایا: كان الناس يصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرين ركعة. حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے (قیام اللیل ص ۹۱)

(۱۲) جلیل القدر تابعی مفتی مکہ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں " ادركت الناس هم يصلون ثلاثاً وعشرين ركعة بالوتر واسناده حسن " میں نے صحابہؓ وغیرہ سب لوگوں کو مع وتر کے مکہ میں تیئس رکعت پڑھتے دیکھا ہے اس کی سند حسن ہے۔ (مصنف ابن ابی شيبه، فتح الباری ج ۴ ص ۲۱۹، قيام الليل ص ۹۱، آثار السنن ص ۵۵ ج ۱ باب فی التراويح بعشرين ركعة واللفظ له)

(۱۳) حضرت شُتیر بن شکلؒ (حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگرد) رمضان المبارک میں امامت کرتے تھے اور بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، یہ روایت قوی ہے۔ (باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲) (قیام اللیل ص ۹۱) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۷۵ ج ۲ باب قیام شہر رمضان)

(۱۴) حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعت پڑھاتے تھے (مرقاۃ ص ۱۷۵ ج ۲) فلما كان ذلك يشق علی الناس قام بهم ابی بن كعب فی زمن عمر بن الخطاب عشرين ركعة يوتر بعدها (فتاوی ابن تيميه ص ۱۴۸ ج ۱) آگے چل کر اس سے زیادہ صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فانه قد ثبت ان ابی بن كعب كان يقوم بالناس عشرين ركعة فی رمضان ويوتر بثلاث فرأی كثير من العلماء ان ذلك هو السنة لانه قام بين المهاجرة والانصار ولم ينكره منكر. (فتاوی ابن تيميه ص ۱۹۱ ج ۱)

ترجمہ: بے شک ثابت ہوگیا کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو رمضان میں

بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔ پس بہت سے علماء کا مسلک یہی ہے کہ یہی سنت ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں بیس رکعتیں پڑھائیں اور کسی بھی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

یہ ہے ان کا فتویٰ جن کو غیر مقلدین اپنا پیشوا کہتے ہیں، اس فتویٰ میں صراحت ہے کہ بیس رکعت ہی سنت ہیں

(۱۵) داؤد ظاہری بھی بیس رکعت کے قائل ہیں۔ بدایۃ المجتہد میں ہے:۔ واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بھا الناس فی رمضان فاختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفة والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعة والوتر بثلاث. (بدایة المجتھد ص ۲۰۲)

(۱۶) مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن بھوپالیؒ فرماتے ہیں کہ ”حضرت عمرؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعات کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے (عون الباری ج۴ ص ۳۰۴ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۱۷) حافظ حدیث علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی تحقیق: بالآخر بیس رکعت پر اتفاق ہوا، اور یہی متوارث ہے۔ ثم استقر الامر علی العشرین فانه المتوارث (فتح القدیر ص ۴۰۷ ج ۱ صُلاة التراویح)

(۱۸) علامہ بحر العلوم ملا عبد العلی مولانا نظام الدین متوفی ۱۲۲۵ھ فرماتے ہیں: ثم استقر الامر علیٰ عشرین رکعة والو تر فصار ھذا سنة ...... وھی سنة علینا لا شک فیه لان سنة الخلفاء الراشدین بسنته صلی اللہ علیه وسلم فی اللزوم والا ساء ة فی الترک فانه قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی موعظته فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ، وصلوة التراویح عشرون رکعة بعد صلوة العشاء وسننھا بعشر تسلیمات ...... وھذه الاحکام مما اتفق علیه فقھاء المذاھب الا ربعة من غیر خلاف . یعنی پھر بیس رکعت تراویح اور وتر پر اتفاق ہوگیا، بیس رکعت ہمارے لئے بلاشبہ سنت ہے اس لئے کہ خلفاء راشدین کی سنت پر بھی عمل کرنا لازم ہے، اور اس کا ترک قبیح ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا حکم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، تم اپنے اوپر میری سنت کو لازم کرو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم کرو اس کو مضبوطی سے تھام لو اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لو، تراویح بیس رکعت ہیں نماز عشاء کے بعد دس سلام کے ساتھ ...... یہ وہ احکام ہیں جن پر مذاہب اربعہ کے فقہاء بلا کسی اختلاف کے متفق ہیں۔ (رسائل الارکان ص ۱۳۸ فصل فی صلوٰۃ التراویح)

(۱۹) شیخ احمد رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والصحابة حینئذ متوافرون منھم عثمان وعلی وابن مسعود والعباس وابنه وطلحة والزبیر ومعاذ وغیر ھم من المھاجرین والانصار مارد علیه واحد منھم بل ساعدوه ووافقوه وامروه بذلک وواظبوا علیھا حتی ان علیاً اثنی علیه ودعا له بالخیر وقال نور اللہ مضجع عمر کما نور مساجدنا وقد قال النبی صلی اللہ علیه وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی ...... وھی عشرون رکعة ...... (مجالس الا برار ص ۱۸۷ مجلس نمبر ۲۸ فی بیان کیفیة التراویح وفضیلتھا)

ترجمہ:۔ اس زمانہ میں جب کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی جماعت ایک کی اور حضرت ابی بن کعب کو امامت کے لئے نامزد فرمایا اس وقت حضرات صحابہ بکثرت موجود تھے ان میں حضرت عثمان، حضرت علی، ابن مسعود، عباس اور ان کے صاحبزادے ابن عباس، حضرت طلحہ حضرت زبیر، حضرت معاذ اور ان کے علاوہ سب ہی حضرات مہاجرین وانصار موجود تھے کسی نے حضرت عمرؓ پر اعتراض نہیں کیا ان کی تردید نہیں کی بلکہ سب نے ساتھ دیا ان کی تائید و موافقت کی اور اسی کو جاری و رائج کیا اور ہمیشہ پابندی سے پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی (ان کا شکریہ ادا کیا) اور ان کے لئے دعاء خیر کی (وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے) اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے حضرت عمرؓ نے ہماری مسجدیں روشن کیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے طریقہ اور خلفاء راشدین جو میرے بعد ہوں گے ان کے طریقہ کو لازم پکڑو ...... اور تراویح کی بیس رکعت ہیں۔

(۲۰) حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”من بعد عدد بست وسہ را اختیار کردند دریں عدد اجماع شدہ بود“ یعنی صحابۂ کرام نے تئیس رکعت (بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر) اختیار فرمائی، اور اس عدد پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۶ ج ۱)

(۲۱) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واکثر اھل العلم علی ماروی عن علی رضی اللہ عنه وعمر رضی اللہ عنه وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم عشرین رکعةً وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی، وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلد نابمکة یصلون عشرین رکعةً (ترمذی شریف ص ۹۹ ج ۱ ،ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شھر رمضان)

ترجمہ:۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ نیز دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت سفیان ثوریؒ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ، حضرت امام شافعیؒ تراویح میں بیس رکعت کے قائل تھے اور امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ اہل مکہ کو میں نے بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے۔

(۲۲) فقہ حنبلی کی مشہور کتاب روض الریاض میں ہے۔

والتراویح سنة مؤکدة عشرون رکعة بما روی ابو بکر عبدالعزیز الشافعی عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیه و سلم کان یصلی فی شھر رمضان عشرین رکعة (ونحوه فی فتاویٰ قاضی خان ص ۱۱۰)

ترجمہ:۔ یعنی: تراویح کی بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں اس حدیث کی بناء پر جو ابو بکر عبد العزیز شافعی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔

(۲۳) علامہ سبکی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”ہمارا مسلک بیس رکعت تراویح سنت ہونے کا ہے۔ جو سند صحیح ثابت ہے (شرح المنہاج)

(۲۴) حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وھی عشرون رکعة یجلس عقب کل

رکعتین ویسلم (ترجمہ) اور وہ (تراویح) بیس رکعت ہیں ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور سلام پھیرے...... وینوی فی کل رکعتین اصلی رکعتی التراویح المسنونۃ (ترجمہ) اور ہر دو رکعت پر یہ نیت کرے کہ میں دو رکعت تراویح مسنون پڑھتا ہوں (غنیۃ الطالبین ص ۱۰ا ص ۱۱ا ج ۲)

(۲۵) علامہ حلبیؒ کبیری میں فرماتے ہیں۔

علم من ھذہ المسئلۃ ان التراویح عند نا عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات وھو مذھب الجمھور وعند مالک ستۃ وثلثون رکعۃ احتجاجاً بعمل اھل المدینۃ وللجمھور ما رواہ البیھقی باسناد صحیح عن السائب ابن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ و عثمان علی مثلہ وھذ کالا جماع (کبیری ص ۳۸۸ صلاۃ التراویح)

ترجمہ:۔ یعنی۔ بحث مذکور سے معلوم ہوا کہ بے شک ہمارے نزدیک تراویح بیس رکعت ہے دس تسلیمات سے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعت ہیں وہ اہل مدینہ کے تعامل سے استدلال کرتے ہیں اور جمہور کی دلیل وہ روایت ہے جس کو امام بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے نیز حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے دور میں یہ اجماع کے مثل ہے۔

(۲۶) علامہ عینیؒ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:۔ کہ تعداد تراویح بیس رکعت ہے امام شافعیؒ، امام احمدؒ بھی یہی فرماتے ہیں، ان سب کی دلیل وہ روایت ہے۔ جس کو بیہقی نے بسند صحیح حضرت سائب ابن یزید سے نقل کیا ہے، صحابۂ کرام حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرات تابعین رحمہم اللہ بیس رکعت پڑھتے تھے، پھر فرماتے ہیں اتباع کے لئے افضل وانسب طریقہ اصحاب محمد ﷺ کا ہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۱۷۸ ج ۷ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۲۷) حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں " لم یقل احد من الائمۃ الا ربعۃ باقل من عشرین رکعۃ وعلیہ جمھور الصحابۃ رضی اللہ عنہ " یعنی چاروں اماموں میں سے کوئی ایک بھی تراویح کی بیس رکعت سے کم کا قائل نہیں، جمہور صحابہ کا عمل اور عقیدہ بھی یہی تھا، امام مالک رحمہ اللہ بیس سے زیادہ ۳۶ رکعات کے قائل ہیں۔ (عرف الشذی ص ۳۲۹ ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شھر رمضان) عرف الشذی میں یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ کے مسلک کے بموجب جماعت کے ساتھ تراویح بیس رکعتیں ہی پڑھی جائیں گی مگر اہل مدینہ کا تعامل اور عام طریقہ یہ تھا کہ وہ ترویحہ میں یعنی چار رکعت پڑھ کر امام صاحب بیٹھتے تھے تو اس وقفہ میں چار رکعت اور پڑھ لیا کرتے تھے، جو حضرات مکہ مکرمہ میں حرم شریف میں تراویح پڑھتے تھے وہ اس ترویحہ کے وقفہ میں خانہ کعبہ کا طواف کرلیا کرتے تھے، اہل مدینہ خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے تھے تو وہ اس کا تدارک اس طرح کیا کرتے تھے کہ چار ترویحوں میں سولہ رکعتیں (نفل) پڑھ لیا کرتے تھے۔ (العرف الشذی ص ۳۲۹ ایضاً)

مندرجہ بالا حوالجات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ حضرت عمرؓ کے دور مسعود میں بیس رکعات تراویح پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع ہوگیا حضرت عمر فاروقؓ کے بعد باقی خلفاء راشدین حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے دور میں بیس رکعات کے اجماع کو مزید استحکام حاصل ہوا اور ان حضرات کے بعد جمہور علماء ائمہ مجتہدین،

ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مسلک اور اسی پر ان کا عمل رہا اور آج تک جمہور امت کا بھی اسی پر عمل ہے، حرمین شریفین زادہما اللہ عزاً وشرفاً وکرامۃً میں بھی بیس رکعت تراویح پر عمل زمانہ قدیم سے آج تک جاری ہے۔

ائمہ اربعہ کا کسی مسئلہ میں متفق ہوجانا اس کے ثبوت کی بہت بین دلیل ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم ثلاثۃ آیۃ محکمۃ اوسنۃ قائمۃ او فریضۃ عادلۃ وما کان سوی ذلک فھو فضل . الیٰ قولہ. والقائمۃ مالم ینسخ ولم یھجر وما لم یشذ راویہ وجری علیہ جمھور الصحابۃ والتابعین اعلاھا ما اتفق فقھاء المدینۃ والکوفۃ علیھا وآیۃ ان یتفق علی ذلک المذاھب الا ربعۃ. (حجۃ اللہ البالغہ ص ۴۱۲، ص ۴۱۳ ج ۱ مع ترجمہ من ابواب الا عتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "علم تین ہیں، آیت محکمہ یا سنت قائمہ یا فریضۂ عادلہ اور جو اس کے سوا ہے وہ زیادہ ہے۔ الیٰ قولہ۔ اور سنت قائمہ وہ ہے جو نہ منسوخ ہو نہ متروک ہو اور نہ اس کا کوئی راوی چھوٹا ہو اور جمہور صحابہ وتابعین کا اس پر عمل رہا ہو، ان سب میں اعلیٰ وہ ہے جس پر فقہاء مدینہ وکوفہ متفق ہوں، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس پر مذاہب اربعہ متفق ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مذکورہ عبارت پر غور کیجئے، آپ ارشاد فرمارہے ہیں کہ سنت قائمہ وہ ہے جس پر جمہور صحابہؓ وتابعینؒ کا عمل رہا ہو اور اس میں بھی سب سے اعلیٰ وہ ہے جس پر فقہاء مدینہ وکوفہ متفق ہوں، اور فقہاء مدینہ وکوفہ کے متفق ہونے کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ مذاہب اربعہ اس پر متفق ہوں، یہ سنت قائمہ کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور مندرجہ بالا حوالوں سے آفتاب نیم روز کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ بیس رکعت تراویح پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، کوئی بھی امام بیس رکعت سے کم کا قائل نہیں ہے تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زبانی بیس رکعت تراویح "سنت قائمہ" بلکہ سنت قائمہ کا اعلیٰ درجہ ہے۔

نیز تراویح با جماعت شعار اہل سنت والجماعت ہے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں۔ فقال الشافعیؒ وجمھور اصحابہ وابو حنیفۃ رحمہ اللہ واحمد رحمہ اللہ وبعض المالکیۃ وغیرھم الا فضل صلوتھا جماعۃ کما فعلہ عمر بن الخطابؓ والصحابہ رضی اللہ عنہ واستمر عمل المسلمین علیہ لانہ من الشعائر الظاھرۃ فاشبہ صلوۃ العید . (نووی شرح مسلم ص ۲۵۹ ج ۱ باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح)

غرض یہ کہ بیس رکعت پڑھنے والے حق پر ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان، اس کے رسول ﷺ کی تمام احادیث صحیح اور روایات معتبرہ پر عمل کرنے والے ہیں، غیر مقلدین جو آٹھ رکعات کے قائل ہیں وہ رمضان کے مبارک ماہ میں ایک ایسی عبادت سے محروم ہیں جس پر صحابہؓ، خلفاء راشدینؓ، تابعینؒ، تبع تابعین، سلف صالحین سے لے کر خلف لاحقین کا اجماع اور اتفاق ہوچکا ہے۔

بیس رکعت کے خلاف غیر مقلدوں کے غلط دلائل اور ان کے جوابات

دلیل اول:۔

عن ابی سلمة بن عبدالرحمان انه اخبره' انه سأل عائشة کیف کانت صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ماکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعاً فلا تسئال عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلثاً فقالت عائشة فقلت یارسول الله اتنام قبل ان تو تر فقال یا عائشة ان عینی تنامان ولا ینام قلبی .(بخاری شریف کتاب التهجد پ ۵ ص ۱۵۴ ج ۱ ص ۲۶۹ ج ۱)

ترجمہ:۔ حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی نماز رمضان میں کیسے ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نہ رمضان میں گیارہ سے بڑھاتے تھے نہ غیر رمضان میں۔آپ علیہ السلام چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کی بات نہ پوچھو! پھر چار رکعت پڑھتے تھے۔ان کی بھی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو! پھر تین رکعت وتر پڑھتے ،حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی ۔یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔(بخاری شریف)

سامرودی صاحب اور ان جیسے مدعیان حدیث کی کوتاہ بینی اور فہم حدیث کی صلاحیت سے محرومی پر تعجب ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس نماز کا تذکرہ فرمارہی ہیں جو رمضان شریف کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی سال بھر پڑھی جاتی ہے،اور ظاہر ہے کہ سوال بھی ایسی ہی نماز کے متعلق تھا،یہ ناممکن تھا کہ حضرت عائشہ جیسی سخن فہم اور منشاء سائل کو پرکھنے والی خاتون کا جواب کچھ ہوتا اور سائل کا سوال کچھ۔ایسی بے جوڑ بات معمولی انسان بھی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ذکی و ذہین صاحب سلیقہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا؟ اب کھلی ہوئی بات ہے کہ جو نماز رمضان اور غیر رمضان میں سال بھر پڑھی جاتی ہے وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد ہے،تراویح کے متعلق خود بخاری شریف کی روایت پہلے گذر چکی ہے، آنحضرت ﷺ نے تین روز پڑھائی تھی پھر صحابہ کرام تشریف لائے مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہیں لائے اور نماز نہیں پڑھائی، پس جب کہ روایت صحیحہ میں یہ موجود ہے کہ یہ نماز صرف تین دن پڑھی گئی جس میں صحابہ کی جماعت شامل ہوئی، آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی تو ان تمام تصریحات کو تہجد پر محمول کرنا ابلہ فریبی نہیں ہے تو کیا ہے؟ تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ تمام سال پڑھتے تھے مگر نہ کبھی اس میں اس طرح کا اجتماع ہوا نہ کبھی صحابہ کی جماعت بنی نہ آنحضرت ﷺ نے تہجد میں کبھی جماعت صحابہ کو نماز پڑھائی ،یہی وجہ ہے کہ حاملین حدیث علماء کبار نے تصریح کردی ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نماز تہجد کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔

شارح صحیح بخاری محدث علامہ شیخ شمس الدین کرمانی فرماتے ہیں اما ان المراد بها صلوة الوتر

والسوال والجواب واردان علیه (حدیث شریف میں تہجد مراد ہے حضرت ابوسلمہ کا (مذکورہ بالا) سوال اور حضرت عائشہؓ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔

آگے تحریر فرماتے ہیں۔اوهو معارض بما روی انه صلی الله علیه وسلم صلی بالناس عشرین رکعة لیلتین (اگر تہجد مراد نہ ہو تو یہ روایت اس روایت سے معارض ہوگی جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رات تک بیس بیس رکعتیں پڑھائیں۔وروایة المثبت مقدمة علی روایة النافی (اور تعارض کی صورت میں (بیس رکعت والی روایت جو مثبت ہے وہ مقدم ہوگی کیونکہ اصول حدیث کی رو سے) مثبت ،نافی پر مقدم ہوتی ہے ۔(الکوکب الداری شرح صحیح البخاری ص ۱۵۶، ۱۵۵ ج ۹ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۲) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔"وصحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گزارد ہمہ تہجد بود کہ یازدہ رکعت باشد (اور صحیح یہ ہے آنحضرت ﷺ گیارہ رکعت (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی (اشعة اللمعات ص ۵۴۴ ج ۱ باب قیام شہر رمضان)

(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ آں روایت محمول برنماز تہجد است کہ در رمضان وغیرہ رمضان یکساں بود (وہ روایت نماز تہجد پر محمول ہے کہ رمضان وغیر رمضان میں برابر تھی (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۵ ج ۱)

(۴) حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ ۔وقد اوتر رسول الله صلی الله علیه وسلم برکعة وثلاث وخمس وهکذا بالا وتار الی احدی عشرة رکعة والروایة مترددة فی ثلث عشرة وفی حدیث شاذ سبع عشرة وکانت هذه الرکعات اعنی ما سمینا جملتها وتراصلوة باللیل وهو التهجد (احیاء العلوم ص ۲۰۲ ج ۱ روایت الفرائض)

آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت ،تین رکعت ،پانچ رکعت ،سات رکعت ،نو رکعت اور گیارہ رکعت سے وتر ادا کیا ہے،تیرہ رکعت کی روایت متردد ہے،اور ایک حدیث شاذ میں سترہ رکعت بھی آئی ہے،اور یہ تمام رکعتیں جن کے متعلق ہم نے وتر کا لفظ استعمال کیا ہے آنحضرت ﷺ رات میں پڑھتے تھے،یہی تہجد ہے۔

ان حضرات علماء حدیث کے ارشادات سے بھی واضح بات یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۴ باب صلوة اللیل وعدد رکعات النبی فی اللیل الخ سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۶ ،ابواب قیام اللیل باب فی صلوة اللیل، ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۸ ،باب ماجاء فی وصف صلاة النبی صلی الله علیه وسلم باللیل، نسائی شریف ج ۱ ص ۱۵۴ ،کتاب قیام اللیل وتطوع النهار مؤطا امام مالک ص ۴۲ ،باب ماجاء فی صلوة اللیل ، امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اپنی مشہور کتاب "قیام اللیل" میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہ نقل نہیں فرمائی اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں دیکھئے قیام اللیل ص ۹۱۱۹۲ ،حافظ حدیث ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد ص ۸۶ ج ۱ میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں نقل کی ہے اور اگر کسی کتاب میں یہ روایت رمضان کی عبادت کے

طور پر تراویح کے ساتھ نقل ہوگئی ہو تو اسے تراویح سے متعلق روایت سمجھ لینا صحیح نہیں ہے، تہجد بھی تراویح کی طرح رمضان کی ایک عبادت ہے اس مناسبت سے تراویح کے ساتھ نقل کی جاسکتی ہے، پس اگر بالفرض کہیں نقل ہوگئی ہے تو اسے دلیل قطعی نہیں بنایا جاسکتا، اذا جاء الا حتمال بطل الا ستدلال .

علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبیؒ کا یہ قول بھی نظر انداز نہ ہونا چاہئے کہ بہت سے اہل علم مذکورہ روایت کو مضطرب مانتے ہیں (عینی شرح صحیح بخاری ج۷ ص ۱۸۷ طبع جدید باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

مختصر یہ کہ مذکورہ روایت آٹھ رکعت تراویح کے لئے کسی بھی طرح قابل حجت نہیں اس کے برخلاف بیس رکعت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی موافقت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور جمہور امت نے اس کو عملاً قبول کرلیا ہے، امام ابوداؤد کا فیصلہ ہے اذا تنازع الخبر ان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر بما اخذ بہ اصحابہ (ابوداؤد شریف ج ا ص ۲۶۳ کتاب المناسک باب لحم الصید) یعنی جب دو حدیثیں متضاد ہمارے سامنے ہوں (جیسے کہ آٹھ رکعت اور بیس رکعت والی حدیثیں تو دیکھا جائے گا کہ عمل صحابہؓ کس کے مطابق ہے؟ جس کے مطابق ہوگا وہ قابل قبول اور لائق عمل ہے۔

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیثان مختلفان وبلغنا ان ابا بکر و عمر عملا باحد الحدیثین وترکا الا خر کان ذلک دلیلا علی ان الحق فیما عملا بہ . یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو مختلف حدیثیں آجائیں اور ہمیں معلوم ہو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ان میں سے کسی ایک پر عمل کیا ہے اور دوسرے کو ترک کردیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ جس حدیث پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی صحیح اور حق ہے۔ (التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد ص ۴۴ تراویح)

(۲) امام ابوداؤد سجستانیؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں: اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر بما اخذ بہ اصحابہ یعنی جب دو مختلف حدیثیں آئیں تو دیکھا جائے گا صحابہؓ نے کس پر عمل کیا ہے (جس پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی حق ہے (ابوداؤد شریف حوالہ بالا ص ۲۶۳ ج ۱)

(۳) امام مجتہد ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (المتوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں: متی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبر ان متضاد ان وظہر عمل السلف باحدہما کان الذی ظہر عمل السلف بہ اولیٰ بالا ثبات

یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو حدیثیں متضاد مروی ہوں اور ان میں سے کسی ایک حدیث پر سلف کا عمل رہا تو وہی اولیٰ بالاثبات ہوگی (احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۷ بحث بسم اللہ فصل امام الجمعہ بہا)

(۴) امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) عثمان دارمی سے نقل فرماتے ہیں: لما اختلفت احادیث الباب ولم یتبین الراجح منہا نظر نا الی ما عمل بہ الخلفاء الراشدون بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجحنا بہ احد الجا نبین اھ یعنی جب ایک باب کی مختلف حدیثیں آگئیں ہوں اور راجح کا یقین نہ ہو سکے

تو ہم خلفاء راشدین کے) عمل کو دیکھیں گے اور اس سے ترجیح دیں گے یعنی اس کے مطابق عمل کریں گے (فتح الباری شرح صحیح البخاری ص ۲۶۹ ج ۲ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۵) محدث وخطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی تاریخ میں امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۷۹ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ لو کان ہذا الحدیث ہو المعمول بہ لعملت بہ الا ئمۃ ابو بکر و عمر وعثمان بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الا مام قاعداً ومن خلفہ قعوداً. یعنی اگر یہ حدیث معمول بہ ہوتی کہ امام (عذر کی وجہ سے) بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں، تو اس حدیث پر رسول خدا ﷺ کے بعد کے ائمہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت عثمان رضی اللہ عنہم ضرور عمل کرتے (تاریخ بغداد ص ۲۴۷ ج ۶ مطبع مصر)

(۶) محقق ابن ہمام رحمہ اللہ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ ومما یصحح الحدیث ایضاً عمل العلماء علی وفقہ. یعنی جن امور کی بنا پر حدیث کی صحت معلوم کی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ علماء اس کے موافق عمل کریں (تو یہ دلیل ہے حدیث کے صحیح ہونے کی (قبیل باب ایقاع الطلاق فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۹)

(۷) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں " اتفاق سلف وتوارث ایشاں اصل عظیم است درفقہ، یعنی اتفاق سلف اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ص ۸۵ ج ۲)

دلیل ثانی:

حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبداللہ ثنا عیسیٰ بن جاریۃ عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان لیلۃ ثمان رکعات والو تر فلما کان من القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل فیہ حتی اصبحنا قال انی کرہت وخشیت ان یکتب علیکم الوتر (قیام اللیل ص ۹۰)

غیر مقلدوں کو اس حدیث پر بہت ناز ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس کی سند قابل اعتبار نہیں ہے، اس کی سند کے رجال کے متعلق ائمہ فن کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے سند میں ایک راوی "ابن حمید رازی" ہیں جن کے متعلق ناقدین حدیث بزرگان کرام کے تبصرے ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) وہو ضعیف۔ وہ ضعیف ہے۔ (حافظ ذہبیؒ)

(۲) کثیر المناکیر۔ بہت منکر احادیث بیان کرتا ہے۔ (یعقوب بن شیبہؒ)

(۳) فیہ نظر۔ اس میں نظر (اعتراض) ہے۔ (امام بخاری)

(۴) کذبہ ابو زرعۃ۔ وہ جھوٹا ہے۔ (ابوزرعہؒ)

(۵) اشہدانہ کذاب۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے (اسحاق کوسجؒ)

(۶) فی کل شئی یحدثنا ما رأیت اجرأ علی اللہ منہ کان یأ خذ احادیث الناس فیقلب بعضہ علی بعض (ترجمہ) ہر چیز میں حدیثیں بیان کرتا ہے، اللہ پر اس سے زیادہ جری شخص میں نے نہیں دیکھا،

لوگوں کی حدیثوں کو بدل دیتا ہے (صالح جزرہ)

(۷) واللہ یکذب: خدا کی قسم یہ جھوٹا ہے (ابن خراش)

(۸) لیس بثقۃ: معتبر نہیں ہے (امام نسائی) (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۹،۵۰)

دوسرے راوی یعقوب ابن عبداللہ اشعری القمی کے متعلق۔

(۱) لیس بالقوی، قوی نہیں ہے (دار قطنی) (میزان الاعتدال ص ۳۲۴ ج ۳)

تیسرے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق:۔

(۱) عندہ مناکیر۔ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں (ابن معین)

(۲) منکر الحدیث۔ منکر الحدیث ہے (نسائی)

(۳) متروک۔ متروک الحدیث ہے (نسائی)

(۴) منکر الحدیث۔ منکر الحدیث ہے (ابوداؤد، خلاصہ)

(۵) ضعفاء میں شمار ہے (میزان الاعتدال ص ۳۱۱ ج ۲)

بلوغ المرام میں حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ اس میں رکعت کی تعداد ہی نہیں ہے، دیکھئے بلوغ المرام ص ۴۲،۴۳۔

دوسرا اضطراب یہ ہے کہ وتر فرض ہوجانے کے خوف سے آنحضرت ﷺ کے باہر تشریف نہ لانے کا ذکر ہے، حالانکہ احادیث صحیحہ میں تراویح کا ذکر ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۴۳،۴۲ ج ۲)

یہ ہے آٹھ رکعت والوں کی پونجی، جس کے سہارے بیس کی مخالفت کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ افسوس!

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب صلوٰۃ الاستسقاء

نماز استسقاء کا طریقہ:

(سوال ۲۷۲) نماز استسقاء کا کیا طریقہ ہے؟

(الجواب) بارش کی معمولی ضرورت کے وقت نمازوں کے بعد دعا کی جائے یا خطبۂ جمعہ میں دعا کی جائے۔ اور اگر بارش کی شدید ضرورت ہو تو سب بندگان خدا کو خلوص دل سے توبہ کرنی چاہئے اور اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگنی چاہئے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی اجتماعی نظام ہو تو اس کے سربراہ کو یا امام شہر یا مفتی یا قاضی شہر جس کو سب مسلمان مانتے ہوں۔ اس کو چاہئے کہ وہ اصلاحی باتوں کی مسلمانوں کو ہدایت کرے۔ خصوصاً حقوق العباد (لوگوں کے حقوق) ادا کرنے کی۔ اس کے علاوہ صدقہ وخیرات کی تاکید کرے اور ہدایت کرے کہ مسلمان تین روز مسلسل روزے رکھیں پھر چوتھے روزے سب مسلمان۔ مرد۔ جوان۔ بوڑھے۔ بچے شہر کے باہر کسی میدان میں جمع ہوں۔ معمولی لباس پہن کر جائیں۔ دلوں میں خدا کا خوف اور اپنے گناہوں اور خطاؤں کا استحضار اور احساس ہو۔ عجز وانکسار سے گردنیں جھکی ہوئی ہوں اور اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر ندامت کے ساتھ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کے امیدوار ہوں اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کا یقین ہو۔ پھر امام نماز کے لئے اپنے مصلے پر پہنچے۔ اذان اور تکبیر کے بغیر دو ۲ رکعت جہری قرأت کے ساتھ پڑھائے۔ پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ۔ یا پہلی رکعت میں سورۂ ق اور دوسری میں سورۂ قمر پڑھنا افضل ہے۔ نماز کے بعد مثل جمعہ کی دو ۲ خطبے پڑھے جائیں۔ خطبہ سے فارغ ہو کر امام قبلہ رخ کھڑے ہو کر بطور تفاؤل (نیک فالی) کے اپنی اوڑھی ہوئی چادر پلٹ دے اس طرح کہ اپنے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے لے جا کر سیدھے ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے کا گوشہ پکڑے اور بائیں ہاتھ سے چادر کی دائیں جانب کا کونہ پکڑ کر اس طرح پلٹ دے کہ دائیں ہاتھ والا کونہ داہنے کندھے پر اور بائیں ہاتھ والا کونہ بائیں کندھے پر آجائے۔ اگر چادر مربع ہو تو اوپر کے حصہ کو نیچے اور نیچے کے حصہ کو اوپر کردے اور جبہ کی طرح گول ہو تو داہنی جانب کو بائیں پر کردے اور بائیں کو داہنے پر۔ قولہ۔ حول ردائہ قال المنظور الفرض من التحویل التفاؤل بتحول الحال یعنی حولنا احوالنا رجاء ان یحول اللہ علینا العسر بالیسر والجدب بالخصب. وکیفیۃ التحویل ان یاخذ بیدہ الیمنیٰ الطرف الاسفل من جانب یسارہ وبیدہ الیسری الطرف الاسفل ایضاً من جانب یمینہ ویقلب یدیہ خلفا ظہرہ بحیث یکون الطرف المقبوض بیدہ الیمنی علی کتفہ الاعلیٰ من جانب الیمین والطرف المقبوض بیدہ الیسریٰ علی کتفہ الاعلیٰ من جانب الیسار فاذا فعل ذالک فقد انقلب الیمین یساراً والیسار یمیناً. والاعلیٰ اسفل بالعکس. وقال ابن المالک ان کان مربعاً یجعل اعلاہ اسفلہ وان کان مدوراً کالجبۃ یجعل جانبہ الایمن علی الایسر. (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۱۸۵ باب الاستسقاء) پھر امام کھڑے کھڑے آہ وبکا کے ساتھ اونچے اور الٹے ہاتھ کر کے دعا کرے اور مقتدی بیٹھ کر خشوع خضوع کے ساتھ امام کی طرح ہاتھ بلند اور الٹے کر کے دعا میں مشغول ہوجائیں۔ اور امام کی دعا پر آمین، آمین کہتے رہیں اور گڑگڑا کر دعا کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ دریائے رحمت جوش میں آجائے اور بامراد لوٹیں

۔ماثورہ دعائیں یہ ہیں اللھم انت اللہ لا الہ الا انت الغنی ونحن الفقراء انزل علینا الغیث واجعل ما انزلت لنا قوۃ وبلاغاً الیٰ حین. ترجمہ:۔اے اللہ تو معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔تو غنی ہے اور ہم فقیر ہیں۔ہمارے اوپر رحمت کی بارش برسا اور اس کو ہمارے لئے قوت کا باعث بنا کہ اس سے ہم مدت دراز تک منتفع ہوتے رہیں۔دعا:۔ اللھم اسقنا غیثاً مغیثاً مریئاً مریعاً نافعاً غیر ضار عاجلاً غیر اجل .ترجمہ:۔اے اللہ ہمیں سیراب کرا ایسی بارش سے جو ہماری فریاد پوری کردے جو مددگار ہو، خوشگوار ہو، تازہ اور شاداب کرنے والی ہو، نفع بخشنے والی ہو۔نقصان دہ نہ ہو، جلد ہو۔تاخیر سے نہ ہو۔(مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۲ باب الاستسقاء) دعا:۔اللھم اسق عبادک وبھیمتک وانشر رحمتک احی بلدک المیت . ترجمہ:۔اے اللہ اپنے بندوں اور مویشی (جانوروں) کو سیراب کرا اور اپنی رحمت کو پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو زندہ کردے۔قحط کے مارے ہوئے کو شاداب کردے۔" یہ دعائیں یاد نہ ہو سکیں تو اپنی زبان میں بھی اس مطلب کی دعائیں کی جاسکتی ہیں۔اس طرح تین روز متواتر نکلنا چاہئے ہو سکے تو روزہ رکھ کر اور صدقہ۔خیرات کر کے نکلنا چاہئے۔بارش ہو جائے تب بھی تین دن پورے کئے جائیں۔اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔(فتاویٰ عالمگیری ص ۱۵۳ ج ۱ الباب التاسع عشر فی الاستسقاء.درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۹۰ باب الاستسقاء) واللہ اعلم .

نماز استسقاء کے لئے جنگل میں کب نکلے؟

(سوال ۲۷۳) بارش کی ضرورت ہے۔مگر عوام میں کوئی خاص اضطراب اور بے چینی معلوم نہیں ہوتی تو ایسے وقت میں نماز استسقاء کے لئے جنگل میں جانا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) معمولی حالات میں نمازوں کے بعد او خطبہ جمعہ میں دعا کرنے پر اکتفا کیا جائے۔اور جب بارش کی اشد ضرورت ہو۔کنوئیں۔تالاب خشک ہو جائیں۔ندیاں اور نالے سوکھنے لگیں۔جانوروں کے لئے گھاس چارہ کی تنگی ہو۔کھیتی خراب ہو رہی ہو۔اور لوگوں میں پریشانی اور اضطراب پھیل جائے۔اور بارش کی صحیح طلب ہو۔ وانما یکون الاستسقآء فی موضع لایکون لھم أودیة ولا انھار واٰبار یشربون منھا ویسقون مواشیھم اوزروعھم أویکون لھم ولا یکفیھم ذلک فاما اذا کانت لھم اودیة واٰبار وانھار فان الناس لا یخرجون الی الاستسقآء لانھا انما تکون عند شدة الضرورة و الحاجة کذا فی المحیط فتاویٰ عالمگیری ،الباب التاسع عشر فی الاستسقآء ج ۱ ص ۱۵۴ . تب ہی جنگل میں نکلا جائے تاکہ توبہ سچی ہو۔ دعا دل سے نکلے آنکھوں سے آنسو ٹپکیں۔اور رو رو کر دعا مانگی جائے تاکہ دریائے رحمت جوش زن ہو اور بامراد واپس ہوں۔معمولی ضرورت میں یہ باتیں پیدا نہ ہوں گی۔بہت ممکن ہے نامراد واپس ہوں جس سے نماز استسقاء کی قدر و منزلت دلوں سے نکل جائے یا کم ہو جائے اور غیروں کو ہنسنے کا موقع ملے۔

مثنوی میں ایک صوفی شیخ احمد کا واقعہ لکھا ہے۔کہ وہ قرض لے کر مریدوں اور مہمانوں کو کھلاتے رہتے تھے۔ان کے ذمہ قرض بہت ہو گیا تھا۔بیمار ہوئے صحت سے مایوسی ہونے لگی تو قرض خواہوں کے تقاضے شروع ہوئے۔ایک روز سب قرض خواہ ایک ہی وقت پہنچ گئے یہ سب جمع تھے کہ ایک بچہ جو حلوا بیچ رہا تھا آواز لگاتا ہوا ادھر سے گزرا۔شیخ نے اسے بلوایا۔اور سارا حلوا خرید کر حاضرین کو کھلایا۔لڑکے نے حلوے کے دام مانگے تو فرمایا ان قرض خواہوں

کے ساتھ تو بھی بیٹھ جا۔جب ان کو ملے گا، تجھے بھی مل جائے گا۔بچے نے رونا شروع کیا کہ خالی ہاتھ جاؤں گا۔تو میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔حاضرین کو بہت ناگوار ہوا کہ شیخ نے یہ کیا حرکت کی کہ ناحق بچہ کا دل دکھایا۔شیخ خاموش تھے اور گویا کچھ انتظار کر رہے تھے۔شیخ کا یہ انتظار جلد ہی اس طرح ختم ہو گیا۔کہ ایک شخص حاضر ہوا۔اور اس نے ایک بڑی رقم ہدیہ میں پیش کردی۔شیخ نے فوراً ہی سب قرض خواہوں کا قرض ادا کردیا۔یہ شیخ کی کرامت تھی مگر نہایت عجیب تھی۔جس کا شیخ کے عمل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔چنانچہ خلوت میں ایک خادم نے عرض کیا۔حضرت یہ کیا ماجرا تھا؟ آپ کے ذمہ اتنا قرض تھا، قرض خواہوں کے تقاضے تھے، وہ مطالبہ کے لئے جمع بھی ہو گئے تھے۔آپ نے "اس پر بھی اتنا زیادہ حلوا خریدا اور کھلا دیا، قرض اور بڑھا لیا۔لوگوں کو آپ کی یہ بات ناگوار بھی ہوئی۔

حضرت شیخ نے فرمایا۔میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے بار قرض سے سبکدوش فرما۔جواب ملا کہ کوئی رونے والا ہو تو دریائے رحمت جوش میں آئے۔قرض خواہ حضرات تشریف فرما تھے مگر رونے والا کوئی نہیں تھا۔ان کے دلوں میں غصہ تھا اور ایک طرح کی سختی تھی۔یہ کام بچے نے کیا۔جب میں نے اس کا سارا حلوا خرید لیا۔اور وہ داموں سے مایوس ہوا تو اس نے رونا شروع کردیا۔اس کا رونا کسی وجہ سے بھی تھا مگر دل دکھے کا رونا تھا۔اس رونے پر ہی رحمت حق جوش زن ہو گئی۔اس باکرامت واقعہ کو حضرت مولانا رومی کی مثنوی میں ملاحظہ فرمائیں۔مولانا فرماتے ہیں۔

تانہ گرید کودکے حلوا فروش
بحر بخشائش نمی آید بجوش

یعنی جب تک حلوا فروش بچہ نہ روئے دریائے کرم جوش میں نہیں آتا۔

تانہ گرید ابر کے خندد چمن
تانہ گرید طفل کے جوشد لبن

یعنی رونا عجیب تاثیر رکھتا ہے کہ جب تک ابر پر گریہ طاری نہ ہو (بارش نہ برسے) چمن کیسی ہنس سکتا ہے۔اس کو شادابی کہاں نصیب ہو سکتی ہے) جب تک بچہ روئے نہیں۔ماں کا دودھ کیسے جوش مار سکتا ہے۔

اے کہ خواہی کز بلا جاں را بری
جان خود را در تضرع آوری

یعنی اگر بلا اور مصیبت سے نجات چاہتے ہو تو (حق تعالیٰ کے سامنے) گریہ وزاری سے کام لو۔

در تضرع باش تا شاداں شوی
گریہ کن تابے دہاں خنداں شوی

یعنی حق تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری میں مصروف رہو۔تاکہ مسرور اور شادکام ہو جاؤ۔گریہ کرتے رہو۔تاکہ دہن نہیں بلکہ دل ہنسے اور خوش ہو۔آخری بات یہ ہے۔

در پئے ہر گریہ آخر خندہ ایست
مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

یعنی ہر رونے کا انجام خوش ہونا ہے۔جو شخص انجام پر نظر رکھے مبارک بندہ وہی ہے۔

لہذا جب تک حالات پریشان کن نہ ہوں استسقاء کے لئے جنگل میں نہ نکلا جائے۔واللہ اعلم بالصواب